ق ع

تفسیرِ صدیقی

جلد اول

از

شمس المفسرین بحر العلوم خادم القرآن

حضرت محمد عبد القدیر صدیقی قادری حسرت رحمۃ اللہ علیہ

حسرت اکیڈیمی پبلیکیشنز صدیقی گلشن بہادرپورہ حیدرآباد اے پی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ؏

ا

الٓمّٓ

تفسیرِ صدیقی

از

شمس المفسرین بحر العلوم خادم القرآن

حضرت محمد عبد القدیر صدیقی قادری حسرتؔ رحمۃ اللہ علیہ

[illegible]

[illegible]

ناشر: حسرتؔ اکیڈیمی پبلیکیشنز صدیق گلشن، بہادر پورہ حیدرآباد، اے پی

ھدیہ: (   )

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدّمہ

تمہید

میں اس سے پہلے کہ تفسیرِ صدیقی یا اُصولِ تفسیر کے متعلق کچھ لکھوں ، پہلے ان حضرات کا نام اور کام لکھتا ہوں جنھوں نے قرآن شریف کی خدمت کی مگر سورۂ الم نشرح کی تفسیر، بطور تمثیل کے بیان کروں گا۔

شرحِ صدرِ محمدیؐ کے بیان میں فقیر محمد عبدالقدیر صدیقی کے خیال میں ایک مثال ، مرئی و نمایاں ہورہی ہے کہ رسولِ خداﷺ کے سینۂ معارف گنجینہ سے ایک عظیم الشان زوردار آبشار نکل رہا ہے۔ یہ آبشار کہیں آواز بن کر قاریوں کے گلے سے قرآن کی صورت میں نکلتا ہے، کہیں برق بن کر عاشقوں کے دلوں پر گرتا ہے، کہیں حرارت بن کر ان کے دلوں کو سوختہ کردیتا ہے اور ان کی آہ و بکا کا باعث بھی ہوتا ہے، کہیں حرکت بن کر جاں نثارانِ محمدیؐ کے زور و قوت میں ہویدا ہوتا ہے، انھیں جانبازی پر برانگیختہ کرتا اور اعمالِ شاقہ کو آسان کردیتا ہے اور کہیں نہایت لطیف حرکت و افعال ، آواز میں ادائے محبوبانہ اور دلربائی و دلکشیِ معشوقانہ بنتا ہے اور لوگوں کے دلوں کو مسخر کرلیتا ہے۔ یہی آبشار روشنی بن کر نمایاں ہوتا اور اہلِ علم کے دلوں کو منور کردیتا ہے اور کہیں حیاتِ جاودانی بن کر باقی باللہ افراد کو زندۂ جاوید کردیتا ہے ، کہیں بردِ یقین و نورِ سکینہ اور اطمینانِ قلب بن کر بندگانِ خاص کے لئے باعثِ تسکینِ خاطر ہوتا ہے اور کہیں عامۃ المسلمین کے لئے سرمایہ طہارت و لطافت ہوتا ہے۔ اس آبشار کا پانی ایک بحیرہ یا ساگر میں جمع ہوتا ہے۔ اس کے ایک جانب بند باندھا گیا ہے جس میں کئی دروازے یا در ہیں جو قیامت تک کبھی بند نہ ہونے والے ہیں، ہر ایک دروازے یا در پر کتبے لکھے ہوئے ہیں۔

ایک در پر یہ کتبہ ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّالَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ؛ ذرا کچھ باریک خط میں اِقْرَءُوْا الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ کا بھی کتبہ ہے۔ یہ درقرآن کا ہے، اس کے پاس کئی تخت بچھے ہوئے ہیں، بعض بڑے ہیں بعض چھوٹے۔ ایک تخت پر جامع القرآن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جلوہ گر ہیں جنھوں نے اپنے زمانہ میں تمام اصحاب سے لے کر ایک جگہ جملہ مکتوباتِ قرآنی کو جمع کردیا۔ ایک تخت پر جامعِ دوم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں، آپ نے صدیق اکبرؓ کے جمع کردہ صحیفہ کو سات مصاحف کی صورت میں لکھوا کر سات شہروں میں روانہ کردیا۔ ایک اور تخت پر حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ، ایک پر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ایک پر حضرت زیدؓ بن ثابت رضی اللہ عنہ، اور ایک پر ابیؓ بن کعب بیٹھے ہوئے ہیں۔ پاس ہی دوسرے چھوٹے تخت بچھے ہوئے ہیں جن میں سے ایک پر عاصمؒ کوفی مع اپنے دونوں شاگردوں شعبہ وحفصؒ کے بیٹھے ہوئے ہیں، ایک پر نافعؒ مدنی مع اپنے دونوں شاگردوں قالونؒ اور ورشؒ کے، ایک پر ابوعمرو بصری اپنے دونوں شاگردوں دوریؒ بصری اور سوسیؒ کے ساتھ، ایک پر ابن کثیر مکی مع اپنے دو شاگردوں بزیؒ اور قنبلؒ کے، ایک پر ابن عامر شامی مع اپنے دو شاگردوں ھشام اور ابن ذکوان کے اور ایک پر حمزہ کوفی مع اپنے دو شاگردوں خلفؒ اور خلادؒ کے اور ایک پر علی کسائی کوفی مع اپنے دو شاگردوں ابوحارث لیث اور دوریؒ علی کے بیٹھے ہیں۔

احادیثِ نبویؐ سے ثابت ہے کہ حضرت جبرئیلِ امینؑ خصوصاً ماہِ رمضان میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا قرآن سناتے اور حضرتؐ سے سنتے، ممکن ہے کہ جبرئیلؑ نے مختلف اوقات میں مختلف طور سے مختلف قبائل کے محاوروں کے مطابق قرآن پڑھا ہو اور حضرتؐ نے سنا ہو مثلاً کبھی رِضْوَانٌ اور کبھی رُضْوَانٌ۔ کبھی اَنَّ پڑھا ہو اور کبھی اِنَّ، کبھی مَدًّا کبھی مُدًّا۔ ایک دفعہ ایک صاحب نے ایک لفظ پڑھا اور دوسرے صاحب نے دوسرا لفظ، دونوں اصحاب لڑتے ہوئے دربارِ رسالت میں پہنچے، اور آپؐ نے دونوں کی تصدیق کی، فرمایا: اُنْزِلَ الْقُرْاٰنُ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ ؛ اپنے اپنے محاوروں کے مطابق کسی نے زبر پڑھا، کسی نے پیش، جیسے کسی نے مَدًّا پڑھا اور کسی نے مُدًّا۔ غرض ہر ایک قبیلہ کے شخص کو اس کی زبان کے مطابق قرآن پڑھنے میں سہولت ہوگئی۔

ایک دوسرے در پر حسبِ ذیل کتبہ کندہ ہے:

اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اور خفی خط میں اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ کا بھی کتبہ ہے۔ یہ در، دعا کرنے والوں کا ہے۔ رسولِ خدا ﷺ نے کونسی دعا ہے کہ اپنی اُمّت کے لئے نہیں کی۔

قرآن اور حدیثوں پر غور کرو کہ توحید ان میں ہے۔ تہذیبِ نفس کی دعائیں ان میں ہیں غرض کہ ہر ہر مسئلہ کے متعلق احادیثِ نبوی میں مواد ملتا ہے۔ احادیث نبوی کی دعاؤں کو حضرت جزری رحمتہ اللہ علیہ نے ''حصن حصین'' میں ایک جگہ جمع کردیا ہے۔ ''حصن حصین'' میں ہر وقت، ہر کام اور ضرورت کی دعائیں الگ الگ لکھی ہوئی ہیں۔ حضرت جزری رحمتہ اللہ علیہ اپنی ''حصن حصین'' کے ساتھ ایک چھوٹے تخت پر تشریف رکھتے ہیں، ایک اور مجموعہ ادعیہ نبویہ ملا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ نے تالیف کیا ہے جس کا نام ''حزب اعظم'' ہے، اس میں قرآن شریف کی دعائیں ہیں، حدیث شریف کی بھی ہیں اور درود بھی اس میں ہے، علی بن سلطان ملا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ مع ''حزب اعظم'' ایک چھوٹے تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔

ایک اور چھوٹے تخت پر امام جزولی رحمتہ اللہ علیہ ہیں اور ان کے ہاتھ میں ''دلائل الخیرات'' ہے جس میں صلوٰۃ وسلام اور اہم ادعیہ ہیں ۔ ان چھوٹے تختوں کے پاس چند بڑے تخت بھی ہیں ، ان میں سے ایک تخت پر حضرت امام علی بن حسین زین العابدین رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں ۔ اور آپ کے دستِ مبارک میں ''صحیفہ کاملہ'' ہے ۔ جس کو نہایت دلگداز آواز سے پڑھ رہے ہیں ، ایک اور تخت پر حضرت سیدی محی الدین عبدالقادر جیلانی تشریف رکھتے ہیں ، اور آپ کے دستِ مبارک میں ''فیوضاتِ قادریہ'' ہے ۔ ایک اور تخت پر شیخ محی الدین ابن عربیؒ متمکن ہیں ، ان کے دستِ مبارک میں بہت سی ادعیہ اور صلوٰۃ وسلام کا مجموعہ ہے ۔ ایک اور تخت پر سیدی ابوالحسن علی شاذلیؒ ہیں ، ان کے دستِ مبارک میں ''الانوار القدسیہ'' ہے جس میں ''حزب البحر''۔ ''حزب النصر'' وغیرہ احزاب ہیں ۔

ایک اور در پر یہ کتبہ ہے :

اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ شَرِّمَا خَلَقَ ۔ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ اِنَّہٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ؛ اس در پر یہ کندہ ہے : کَالَّذِیْ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؛ یہ در ، استعاذہ ، تعویذات اور عملیات کا در ہے ۔ اس کے پاس ایک تخت پر حضرت عمرؓ بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور ایک پر حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں اور ایک پر حضرت ابوالحسن علی شاذلیؒ اور ان کے ہاتھ میں حزب البحر وغیرہ ہے ۔ ایک پر بونیؒ ہیں اور ان کے ہاتھ میں ''شمس المعارف'' ہے ۔ ایک پر حضرت سید غوث گوالیاریؒ ہیں اور ان کے ہاتھ میں ''جواہرِ خمسہ'' ہے ۔ ایک پر حضرت شاہ کلیم اللہؒ جہاں آبادی ہیں اور ان کے ہاتھ میں ''مرقع شریف'' ہے ۔

آگے ایک اور در ہے اس پر یہ کتبہ ہے :

وَلَا تَقْفُ مَالَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ ۔ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗ اِلَّا اللّٰہُ ۔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِہٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّا اُولُوا الْاَلْبَابِ ۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا ۔ یہ در مفسرین کا ہے ۔ اس در کے پاس ایک بڑے تخت پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تشریف فرما ہیں ۔ ایک پر علامہ محمود زمخشریؒ ہیں اور ان کے ہاتھ میں ''تفسیرِ کشاف'' ہے ۔ ایک پر امام فخر الدین رازیؒ ہیں اور ان کے پاس ''تفسیرِ کبیر'' ہے ، اور ایک پر علامہ آلوسیؒ ہیں اور ان کے ساتھ ''روح المعانی'' ہے ۔ ایک پر قاضی ناصر الدین عبداللہ بن عمر بیضاویؒ ہیں اور ان کے ہاتھ میں ''انوار التنزیل'' ہے ، اور ایک پر محی السنۃ رکن الدین بن مسعود بغویؒ ہیں اور ان کے ہاتھ میں ''معالم'' ہے ۔ ایک اور تخت پر حضرت حافظ الدین نسفیؒ ہیں اور ان کے ہاتھ میں ''تفسیر مدارک'' ہے ۔ ایک تخت پر علاء الدین علی بن محمد المعروف بہ خازنؒ ہیں ، اور ان کے ہاتھ میں ''لباب التاویل'' ہے ۔ ایک پر امام جلال الدین سیوطیؒ ہیں جن کے پاس ایک بڑی تفسیر ''درمنثور'' رکھی ہے جس میں سب حدیثیں ہیں ، ان کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی تفسیر بھی ہے ۔ جس کے متعلق یہ بحث ہے کہ اس میں قرآن کے الفاظ زیادہ ہیں یا تفسیر کے ، اس کا نام ''تفسیرِ جلالین'' ہے ۔ یہیں ایک کنارے پر ایک فقیر کھڑا ہے جس نے اقتضائے زمانہ کا لحاظ کرتے ہوئے اُردو میں ایک عام فہم ''تفسیرِ صدیقی'' لکھی ہے اور اللہ سے دعا کر رہا ہے کہ اس کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور اُمیدوار ہے کہ اس کو بھی ان تفاسیر کے تخت نشینوں کے پاس ہی ایک چھوٹا سا اسٹول مل جائے گا ۔

اس در کے قریب ہی ایک دوسرا در ہے اور اس پر یہ کتبہ ہے:

مَآ اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۔ اِذَاجَآءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا ؛ یہ درمحدثین کا ہے، یہاں سینکڑوں ہزاروں چھوٹے بڑے تخت بچھے ہیں، ان میں سے چند تخت نشینوں کے نام یہ ہیں:

ایک تخت پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، ایک پر حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ہیں، جو حضرتؐ ہی کے زمانے میں احادیث کو جمع کرنا شروع کر چکے تھے۔ ایک پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں، اور ایک حجرہ ہے جس پر پردہ چھوٹا ہوا ہے، اس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ایک تخت پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، ایک پر امام مالک بن انسؒ ہیں اور آپ کے ہاتھ میں مؤطا شریف ہے۔ ایک تخت پر امام محمد ابن الحسنؒ ہیں اور ان کے ہاتھ میں ان کی ''مؤطا'' ہے۔ ایک پر حضرت امام احمدؒ بن حنبل تشریف رکھتے ہیں، ان کے ہاتھ میں ''مسند احمد'' ہے۔ ایک پر امام محمد بن اسماعیلؒ بخاری ہیں جنھوں نے صحیح احادیث کا انتخاب کرکے ''صحیح البخاری'' میں جمع کیا ہے۔ انہیں کے پاس ''تاریخِ بخاری'' بھی ہے جس میں تمام راویانِ حدیث کے حالات جمع کردیئے ہیں ایک تخت پر امام مسلمؒ ابن حجاج ہیں اور ان کے ہاتھ میں ان کی ''صحیح مسلم'' ہے، ایک پر ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہؒ ہیں اور ان کے ہاتھ میں ''سنن ابن ماجہ'' ہے۔ ایک پر ابوعبدالرحمٰن احمد نسائیؒ ہیں اور ان کے ہاتھ میں ''سنن نسائی'' ہے اور ایک تخت پر امام محمد بن عیسٰی ترمذیؒ ہیں اور ان کے ہاتھ میں ''ترمذی شریف'' ہے۔ ایک پر سلیمان بن اشعث ابو داؤدؒ ہیں اور ان کے ہاتھ میں ''سنن ابی داؤد'' ہے ایک تخت پر سیدنا شہاب الدینؒ ہیں جن کے پاس ''مواہب لدنیہ'' ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کے حالات و سیرت کی احادیث ہیں اور ایک چھوٹے سے تخت پر حضرت علی تقی ؒ ہیں اور ان کے پاس ان کی کتاب ''کنز العمال'' ہے جو احادیثِ نبویؐ کے ''دائرۃ المعارف'' کا حکم رکھتی ہے، وہیں ایک جانب احمد بن حجر عسقلانیؒ بیٹھے ہیں اور ان کے پاس ''تہذیب التہذیب'' ہے جس میں اسمائے رجال ہیں۔ ایک تخت پر شمس الدین ذہبیؒ ہیں، اور ان کے پاس ''تذکرۃ الحفاظ'' ہے، جس میں حافظانِ حدیث کا ذکر ہے۔ واضح ہو کہ محدثین اس شخص کو حافظ کہتے ہیں جس کو کم از کم ایک لاکھ حدیثیں یاد ہوں۔

ایک اور در پر یہ کتبہ ہے:

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ ۔ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۔ یہ درفقہاء کا ہے، اس در کے پاس کے تختوں میں سے ایک تخت پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، اور ایک ایک تخت پر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں، اور ایک حجرہ میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ایک تخت پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ایک پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ایک پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں، انہیں تختوں کے پاس امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رحمتہ اللہ علیہ بیٹھے ہوئے ہیں، انھوں نے قرآن و حدیث سے استنباطِ مسائل کیا، امام ابو حنیفہؒ کی مجلسِ فقہا میں امام ابو یوسفؒ، امام محمد بن الحسنؒ وغیرہ چالیس محدث و فقیہ ایک گول میز کے اطراف بیٹھے ہوئے ہیں۔

امام محمد بن الحسنؒ کے پاس ''سیر کبیر'' وغیرہ فقہ کی کتابوں کا انبار ہے۔ ایک جدا تخت پر امام مالک بن انسؒ مع مؤطا کے تشریف فرما ہیں۔ مؤطا تمام کتبِ حدیث کی ماں ہے۔ ایک اور تخت پر امام محمد ابن ادریس شافعیؒ ہیں۔ ان کے پاس ''کتاب الام'' ہے۔ امام محمد ابن الحسنؒ اور امام محمد بن ادریس شافعیؒ کے باہمی مباحثات اور مذکرات سے اصولِ فقہ اور اصولِ حدیث کی بناء پڑی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ رومن لا کا نام و نشان بھی کوئی نہ جانتا تھا۔ یاد رکھو کہ قرآن و حدیث ہی فقہ اسلام کا ماخذ ہیں۔ وہ شخص ہرگز فقیہ نہیں ہوسکتا جو بغیر قرآن و حدیث کے ماخذ کے ذاتی رائے رکھتا ہو، جس نے بلا ماخذ کوئی حکم دیا وہ اس پر رد ہے اس پر بے حد کد ہے۔ ایک تخت پر حضرت امام احمد بن حنبلؒ ہیں جن کے پاس ''مسند احمد'' ہے، یہ حدیث شریف کا بڑا ذخیرہ ہے۔ امام احمدؒ ضعیف حدیث کے مقابل قیاس سے کام نہیں لیتے۔ دوسری کرسیوں پر مجتہد فی المذہب، اصحابِ ترجیح، مجتہد فی المسئلہ بیٹھے ہوئے ہیں جو ہر زمانہ کے اقتضاء کے موافق قرآن و حدیث سے استنباطِ مسائل کرتے ہیں۔ ہر زمانہ میں چند افراد کو استنباطِ مسائل کی کرسی مل ہی جاتی ہے۔

ایک دوسرے در پر یہ کتبہ ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔

یہ در متکلمین کا ہے۔ اس در کے پاس بھی بہت سے تخت بچھے ہیں جن میں سے ایک تخت پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں، انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے خوارج سے مناظرہ کیا کیونکہ اس زمانے میں خوارج اور روافض پیدا ہو چکے تھے۔ اس دور میں مذہبی اختلافات کا فوری فیصلہ تلوار کر دیتی تھی۔ یہ یاد رکھو کہ بعض لوگ بزرگوں کو مانتے ہیں اور بعض بالکل نہیں مانتے۔ اعتدال پر رہنے والے بہت کم ہوتے ہیں۔ بزرگوں کو ماننے والوں کی انتہا شخصیت پرستی اور بُت پرستی ہوتی ہے، اور خود پسندوں کی انتہا دہریت اور لادینی پر۔ ایک تخت پر حضرت امام ابو حنیفہؒ نعمان بن ثابت کوفی ہیں اور ان کے ہاتھ میں ''فقہِ اکبر'' ہے۔ امام اعظمؒ کو خوارج سے ہر وقت مناظرے کرنے پڑتے۔ ایک اور تخت پر حضرت ابو الحسن اشعریؒ ہیں جو معتزلیوں کے رد میں سرگرم ہیں۔ معتزلہ کے پاس ان کی عقل کے خلاف کوئی چیز اسلام میں نہیں ہے۔ اصل میں وہ ایک غلطی میں گرفتار ہیں کہ جو چیز میں نہیں جانتا یا میرے پاس ثابت نہیں وہ واقع ہی نہیں اور ایک تخت پر امام محمد غزالیؒ تشریف فرما ہیں اور ان کے ہاتھ میں ''تہافتہ الفلاسفہ'' وغیرہ علم کلام کی کتابیں ہیں۔ امام غزالیؒ کے زمانے سے پہلے عربی میں مختلف فلاسفہ کی کتابوں کا ترجمہ ہو چکا تھا۔ ان کی کتابوں سے عقائد، تصوف، تہذیبِ اخلاق وغیرہ، سب کا افادہ ہوتا ہے۔ فلسفہ کی کتابیں تیار کروانے میں خلیفہ مہدی اور ہارون رشید بہت پیش پیش رہے ہیں۔

ایک اور تخت پر امام فخر الدین رازیؒ ہیں جنھوں نے فلسفہ قدیم کے پرخچے اڑا دیئے، ان کے ہاتھ میں مباحثِ مشرقیہ، معالم وغیرہ بیسیوں علم کلام کی کتابیں ہیں۔ ایک اور تخت پر قاضی عضد الملۃ والدین عبدالرحمٰن بن احمدؒ بھی بیٹھے ہیں اور ان کے ہاتھ میں ''مواقف'' ہے۔ اس قاضی کے حسنِ تعلیم سے لاکھوں چنگیز خانی اشخاص مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ اور دوسری کرسیوں اور چوکیوں پر ہزاروں خادمانِ دین متمکن ہیں جو ہمیشہ مخالفانِ اسلام کی تردید میں سرگرم و مستعد رہے ہیں۔

ایک اور در پر یہ کتبہ ہے :

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ۔ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ۔ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ؛ یہ در جانبازانِ محمدیؐ کا ہے، مجاہدین فی سبیل اللہ کا ہے۔ اس کے پاس ایک تخت پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں جنھوں نے مرتدین سے جنگ کی، مانعینِ زکوٰۃ کو زکوٰۃ دینے پر مجبور کیا۔ اس طرح مرکزِ اسلام کی حفاظت کی۔ اور ایک تخت پر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں جن کے زمانے میں بیت المقدس، شام اور ایران فتح کرلیا گیا۔ ایک اور تخت پر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں جن کے زمانے میں اسلامی ریاست کے حدود دور دور تک پہنچ گئے تھے۔ ایک اور تخت پر حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ فاتحِ خیبر متمکن ہیں، ان کی تلوار بھی کام کرتی تھی، اور ان کی روحانی قوت بھی کام کرتی تھی۔

ایک اور تخت پر حضرت ابوعبیدۃ بن جراح فاتحِ شام، اور ایک تخت پر حضرت ابنِ ابی وقاص فاتح ایران و عراق، اور ایک پر حضرت عمرو بن العاص فاتحِ مصر بھی ہیں، اور ان تختوں کے بیچ میں حضرت سیف اللہ مجاہدِ اعظم خالد بن ولید کا تخت ہے۔ پاس ہی ایک تخت پر خلیفہ بنی امیہ ولید بن عبدالملک بیٹھا ہوا ہے اور اس کے اطراف دوسرے تختوں پر محمد بن قاسم فاتح سندھ و ہند، موسیٰ بن نصیر اور اس کا خادم طارق فاتح اندلس، اور قتیبہ بن مسلم فاتح ترکستان بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک اور تخت پر نور الدین زنگی اور صلاح الدین اعظم ایوبی ہیں جنھوں نے صلیبی جنگوں میں کار ہائے نمایاں کئے جن کی دوست و دشمن سب نے داد دی۔ اور ایک تخت پر سلطان محمد خاں ترک فاتح قسطنطنیہ ہے۔ ایک تخت پر سلطان محمود غزنوی فاتح ہند، اور ایک پر شہاب الدین غوری ہیں۔ ایک تخت پر جلال الدین خلجی بیٹھے ہیں جنھوں نے چنگیزی فوجوں کو شکستِ عظیم دی اور جب گرفتار شدہ ایک لاکھ قیدیوں کو رہا کردیا تو وہ سب مسلمان ہوگئے۔ ان کے تخت کے ایک حصہ پر علاء الدین خلجی بھی ہے۔ ایک پر احمد شاہ ابدالی متمکن ہیں جنھوں نے تھوڑی سی فوج سے مرہٹوں کو شکستِ عظیم پہنچائی۔

ایک اور در پر یہ کتبہ ہے :

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۔ وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ ۔ اور ذرا باریک خط میں یہ بھی ہے: اَلْمُسْلِمُوْنَ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا ۔ یہ درِ دینیات، اصلاح و ترقی، تمدن، حفظِ امن اور حفاظت اقتدارِ اعلیٰ کا ہے۔ اس کے پاس ایک بڑا تخت ہے جس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جلوہ فگن ہیں۔ جنھوں نے مانعینِ زکوٰۃ سے جنگ کی اور مرتدین سے جہاد کرکے شیرازۂ اسلام کو منتشر ہونے سے بچایا، اجنادین کی فتح بھی انہیں کے زمانے کی ہے۔ علماء نے اس کے متعلق کہا ہے: "وَلَقَدْ قَامَ مَقَامَ نَبِيٍّ"۔ حضرت صدیقِ اکبرؓ نے تمام اصحاب سے لے کر ایک جگہ جملہ مکتوباتِ قرآنی کو جمع کردیا اور اس طرح حَبْلُ اللّٰهِ کی حفاظت فرمائی۔ پاس ہی ایک دوسرا تخت ہے۔ جس پر حضرت فاروقِ اعظمؓ تشریف فرما ہیں جن کے زمانے میں نہ صرف غیر معمولی فتوحات حاصل ہوئیں، بلکہ زمین کی پیائش ہوئی، مقطعوں کا انتظام ہوا بلحاظِ ضرورت مختلف قوانین نافذ اور طرح طرح کے محصول رعایا پر عائد کئے گئے۔ ایک اور تخت پر خیر التابعین عمر ابن عبدالعزیزؒ ہیں جنھوں نے آزاد تمدن کو اسلامی تمدن میں مبدل کرنے کی کوشش کی اور اس میں اپنی جان دے دی۔ ایک اور تخت پر شاگردِ امام مالک، ہارون رشید ہے جس کے زمانے میں امن و امان اور علم و دولت دونوں انتہائی عروج پر تھے۔ ایک چھوٹے

سے تخت پر جلال الدین خلجی ہے جس کے ایک گوشے پر علاء الدین خلجی بھی بیٹھا ہوا ہے جس کے زمانے میں فتوحات بھی ہوئی ہیں اور ترقیِ تمدن بھی ۔ ایک چھوٹے سے تخت پر شیرشاہ سوری بھی ہے جس کے زمانے میں شہروں میں تنظیم ، راستوں کا انتظام ، مسافروں کے لئے سہولت اور مالگواری کا ہر طرح سے انتظام تھا ۔ اس در کے ایک جانب علمائے مدنیات اپنے اپنے تختوں پر متمکن ہیں ۔ ایک تخت پر حضرت ابوحامد محمد غزالیؒ ہیں جن کے پاس ان کی اعلیٰ اور کثیر تصانیف دھری ہیں ، ان کی ''احیاء العلوم'' میں اسلامی تمدن سے کافی بحث کی گئی ہے ایک تخت پر حضرت شیخ احمد بن عبدالاحد فاروقیؒ ہیں ۔ آپ اکبر اور جہانگیر کے ہم زمانہ تھے ، ان کے زمانے میں تصوف ، الحاد میں مبدل ہوگیا تھا ۔ خود پرستی ، شاہ پرستی کا زور تھا ۔ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور یہ یادگارِ فاروق اعظمؓ نہایت پامردی سے حمایتِ دین پر قائم رہا ۔ آپ کے فیضِ تربیت سے لاکھوں آدمی اب تک سیراب ہورہے ہیں ۔ آپ کے پاس ''مکتوباتِ شریف'' کی تین جلدیں دھری ہوئی ہیں ۔ ایک چھوٹے سے تخت پر ''ابن خلدون'' ہے ، جس کے پاس ''تاریخ اسلام'' اور ''مقدمہ'' رکھے ہوئے ہیں ۔ مقدمہ میں اصولِ تمدن اور فلسفہ تاریخ پر کافی بحث موجود ہے اور ایک چھوٹے سے تخت پر احمد بن عبدالرحیم المعروف بہ شاہ ولی اللہؒ دہلوی بیٹھے ہوئے ہیں جن کے پاس ''حجتہ اللہ البالغہ'' دھری ہے ۔ یہ کتاب فلسفۂ اسلام سے بھری ہے ۔ ان کے پاس ''ازالتہ الخفاء عن احوال الخلفاء'' بھی ہے جو ہے تو تاریخ مگر اس سے تمدنِ اسلام پر بھی خوب روشنی پڑتی ہے ۔

آگے ایک اور در پر یہ کتبہ کندہ ہے :-

اَنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۔ وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِالرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَہٗ شَیْطَانًا ۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ ۔ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۔ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ وَّ زِیْنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌ بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۔

ذرا باریک خط میں یہ کتبہ بھی موجود ہے :

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ ۔ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَالَا یَعْنِیْہِ ۔ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ ۔ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ ۔ یہ درتہذیبِ نفس کا ہے ۔ اس کے پاس ایک تخت پر حضرت عبدالرحمٰن بن عمر اور ایک پر حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں ، یوں تو اس در کے پاس بہت سی واجب التعظیم ہستیاں موجود ہیں مگر خصوصیت سے چند حضرات کے نام بیان کئے جاتے ہیں ۔

ایک تخت پر امام ابو حامد محمد غزالیؒ ہیں ، ان کے پاس ''احیاء العلوم'' اور ''کیمیائے سعادت'' وغیرہ کثیر تصانیف ہیں ۔ ''احیاء العلوم'' کی چار جلدیں ہیں ۔ ایک میں عقائد و معارف ہیں ۔ ایک جلد میں سیاستِ مدن وتہذیبِ نفس ہے ۔ ایک جلد میں منجیات ہیں اور ایک جلد میں مہلکات ۔ ایک اور تخت پر حضرت غوثِ اعظم سیدی عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ تشریف رکھتے ہیں ۔ اور ان کے ہاتھ میں ''فتوح الغیب'' اور ''فتحِ ربانی'' ہے ۔ ایک کرسی پر جلال الدین دوانیؒ ہیں ، اور ان کے پاس ''اخلاقِ جلالی'' ہے ۔ اس کے تین حصے ہیں ۔ ایک میں سیاستِ مدن ، ایک میں سیاست و انتظام خانہ داری اور ایک میں تہذیبِ نفس ۔ دوانی نے عقائد جلالی اور دیگر کتب میں فلسفۂ اسلام اور علمِ کلام پر بھی کافی مباحث لکھے ہیں اور کئی کرسیوں پر بہت سے تہذیبِ نفس کے معلّم ہیں ۔

ایک اور در ہے جس پر حسبِ ذیل کتبہ ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۔ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ ۔ اَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۔ وَفِیْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۔ سَنُرِيْهِمْ اٰيَاتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۔

ذرا باریک خط میں یہ بھی ہے:

اَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَتْهَا الْعَرَبُ قَوْلُ لَبِيْدٍ "اَلَا كُلُّ شَیْءٍ مَاخَلَااللّٰهَ بَاطِلُ"۔

یہ موحدین کا در ہے۔ یہاں کے حاضرین کئی قسم کے ہیں۔ بعض بڑے زور وشور سے توحید کی تعلیم دیتے ہیں، بعض اصحاب، عظیم الشان کتابوں کے مصنف بھی ہیں، اور بعض کے فیضِ تربیت اور حسنِ صحبت سے لوگ موحد ہوجاتے ہیں۔ یہاں ایک بڑے تخت پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں اور ان کی زبانِ مبارک سے نکل رہا ہے: مَارَأَيْتُ شَيْئًا اِلَّا وَرَأَيْتُ اللّٰهَ قَبْلَهٗ۔ (میں نے کسی شئی کو دیکھا تو شئے سے پہلے خدا کو دیکھا) آپ کے متعلق رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''مُردے کو چلتا پھرتا دیکھنا ہو تو ابوبکر کو دیکھو''۔ نیز یہ بھی ارشاد ہوا کہ: ''جس چیز سے خدا نے میرا شرحِ صدر کیا ہے اس سے میں نے ابوبکر کا بھی شرحِ صدر کیا''۔

ان کے تخت کے اطراف قادریہ، نقشبندیہ اور شطاریہ کے تخت ہیں۔

ایک اور تخت پر حضرت علی ابن ابی طالبؓ جلوہ گر ہیں، اور وہ فرماتے ہیں: ''سَلُوْنِیْ اُجِبْكُمْ'' (مجھ سے مانگو میں دوں گا) آپ کے بارے میں رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''میرا گوشت علی کا گوشت ہے اور میرا خون علی کا خون''۔

آپ کے اطراف قادریہ، چشتیہ، رفاعیہ، اکبریہ، سہروردیہ، شاذلیہ اور بدویہ کے تخت ہیں۔ ان تختوں کے پاس اور دوسری محترم ہستیوں کے تخت بھی ہیں۔ جیسے حضرت حسن بصری، حضرت معروف کرخی، حضرت جنید بغدادی، حضرت بایزید بسطامی، حضرت داؤد طائی، حضرت سہل بن عبداللہ تستری، حضرت کمیل بن زیاد، حضرت ذوالنون مصری، حضرت ابوالقاسم قشیری۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے زمانہ میں بیرونی مصنفین کی کتابوں کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔ فقط ان کی توجہِ عالی اور قوتِ قلبی سے لاکھوں بلکہ کروڑوں آدمیوں نے زلالِ توحید سے سیرابی حاصل کی۔ ان تختوں کے پاس خصوصیت سے قابلِ ذکر شیخ محی الدین ابن العربیؒ ہیں اور ان کے پاس ''فتوحات مکیہ''۔ اور ''فصوص الحکم'' وغیرہ کتابیں ہیں۔ ایک تخت پر مولانا جلال الدین رومیؒ بیٹھے ہیں اور ان کے پاس ''مثنوی شریف'' رکھی ہے۔

ایک اور در پر یہ کتبہ ہے:

يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ ۔ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ ۔ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۔ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۔ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِاللّٰهِ ۔

ذرا خفی خط میں یہ بھی کندہ ہے:

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ وَاَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ ۔ یہ درِ عشق ومحبت کا در ہے، اس در سے جو پانی آرہا ہے اس کا

ایک گھونٹ بھی پی لینا، پینے والے کو مستِ الست کردیتا ہے، جو اس کا پانی پیتے ہیں، ان میں سے بعض عاشق کہلاتے ہیں اور بعض معشوق، کچھ محب ہوتے ہیں اور کچھ محبوب۔ کوئی چاہتا ہے اور کوئی چاہا جاتا ہے۔ غرض آیت یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ سے معلوم ہوتا ہے کہ محبِ خدا محبوبِ خدا بھی ہوتا ہے اور محبوبِ خدا محبِ خدا بھی مگر دونوں میں امتیاز صرف یہ ہوتا ہے کہ جو چیخا چلّایا وہ عاشق کہلایا اور جس نے ضبط کیا، صبر وسکون سے بیٹھا وہ معشوق۔

اس در کے پاس ایک تخت ہے جس پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں، دوسرے تخت پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تیسرے پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، اور چوتھے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ جلوہ فرما ہیں۔ ایک اور تخت پر امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ، ایک پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، ایک تخت پر حضرت اویس قرنی بھی ہیں۔ ایک تخت پر حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے اَحَدْ، اَحَدْ کا نعرہ مار رہے ہیں۔ اس در کے پاس سینکڑوں تخت بچھے ہوئے ہیں اور یہ سلسلہ انشاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا، تاہم چند تخت نشینانِ ولایت کے نام بیان کردیئے جاتے ہیں۔

سیدی عبدالقادر جیلانی، سیدی شیخ شہاب الدین عمر سہروردی، سیدی خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی، سید احمد الکبیر الرفاعی، سیدی ابوالعباس احمد بدوی۔ سیدی بہاء الدین محمد النقشبند، سیدی ابوالحسن علی شاذلی، سیدی جلال الدین مولانا روم، سیدی محی الدین محمد بن علی ابن العربی، سیدی بدیع الدین شاہ قطب المدار، سیدی علاء الدین علی صابر، سیدی نظام الدین محبوبِ الٰہی، سیدی خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ رحمہم اللہ۔

اس کے پاس ہی ایک اور در ہے جس پر یہ آیت کندہ ہے:

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ○ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ ○ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ○

ذرا باریک خط میں یہ بھی لکھا ہوا ہے:

وَمَا تَقَرَّبَ اِلَيَّ عَبْدِيْ بِشَيْءٍ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ اَدَآءِ مَا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ وَلَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى اُحِبَّهٗ فَاَذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا وَ رِجْلَهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا وَاِنْ سَاَلَنِيْ اَعْطَيْتُهٗ وَاِنِ اسْتَعَاذَنِيْ اَعَذْتُهٗ۔

یہ درعبدیت کا ہے۔ اس در کے لوگ عبدیت سے ممتاز ہیں اور صاحبِ قرب فرائض۔ یہ بے ارادہ جیتے ہیں، مردہ بدستِ زندہ، زندہ رہتے ہیں۔ خدا کو دینا ہوتا ہے تو ان کے ہاتھ سے دیتا ہے، کچھ کام لینا ہوتا ہے تو ان کے ہاتھوں سے لیتا ہے۔ ہر شخص کو، ہر چیز کو اس کا حق دینا ان کا کام ہے۔ اقتضائے وقت کے مطابق عمل کرنا ان کا شیوہ ہوتا ہے۔ تحتِ امر رہنا ہمیشہ ان کے پیشِ نظر رہتا ہے، ایسے لوگ عامۃ الناس سے ایسے ملے جلے رہتے ہیں کہ ان کا دوسروں سے امتیاز کرنا مشکل ہے کھاتے پیتے ہیں، شادی بیاہ کرتے ہیں ہنستے بولتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی زبان پر یہ شعر ہوتا ہے

دل کسی سے نہ لگا دست فشاں سب سے رہے
عمر بھر قیدِ تعلق سے ہم آزاد رہے (حسرت صدیقی)

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس در سے سیراب ہونے والے محبّ بھی ہیں ، محبوب بھی ہیں اور بندے بھی ، مگر ایک گونہ خصوصیتِ بندگی کی وجہ سے ممتاز سمجھے جاتے ہیں ۔

اس در کے پاس کئی تخت بچھے ہوئے ہیں ، ایک تخت پر خلیفۂ رسول اللہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ، ایک پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ، ایک پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ، ایک پر حضرت علی رضی اللہ عنہ ، ایک پر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور ایک پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں ۔ پاس ہی ایک تخت پر حضرت سیدی عبدالقادر جیلانی ہیں اور دوسرے کئی تختوں پر وہ سب حضرات بھی جلوہ فرما ہیں جن کے اسماءِ گرامی توحید اور عشق و محبت کے بیان میں گزر چکے ہیں ۔

غرض سینۂ محمدیؐ بہت کشادہ ہے اس میں جو کچھ ہے اس کو قیامت تک بیان کرو ، تم بیان کرو ، ساری دنیا بیان کرے مگر وہ نہ کبھی ختم ہوا ہے نہ ہوگا ۔ تم ختم ہوجاؤ گے اور دنیا ختم ہوجائے گی ۔

اعجاز القرآن

معجزہ : خدائے تعالیٰ کی مرضی و نامرضی کے سمجھنے سے انسانی عقل قاصر ہے ، لہذا خدائے تعالیٰ اپنے اوامرونواہی ایک عالی استعداد غیر معمولی فطرت والے انسان پر نازل فرماتا ہے جس کو رسول یا پیغمبر کہتے ہیں ۔ اس کی اصولی تعلیم اس کے مکارمِ اخلاق ، بندگانِ خدا کی اصلاح ، اس کی بے غرضی ، اس کی انسانی ہمدردی ، اس کی راست بازی ، اس کی صداقت کے بہترین دلائل ہیں ، مگر خدائے تعالیٰ مزید تائید اور اذعان و یقین کی خاطر پیغمبروں کی معجزات سے تائید فرماتا ہے ۔

معجزہ مناسبِ اُمّت : پیغمبروں کے زمانے میں اُمّت کو جس کام میں مہارت ہوتی ہے اسی فن سے ملتا جلتا معجزہ عطا ہوتا ہے کیونکہ فنی مہارت کی وجہ سے وہ انسانی کام اور خدا کے کام میں تمیز کرسکتے ہیں ۔ جس فن میں کسی کو مہارت نہ ہو اُس کے اصول و مبادی سے واقف نہ ہو ، اس کی رائے ناقابلِ اعتداد اور غیر موثق رہتی ہے ۔

موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ساحروں اور کاہنوں کا زور تھا تو ان کو عصا اور ید بیضا عطا کیا گیا ۔ عند المقابلہ فرعون اور اس کے اہلِ دربار کو سحر اور اعجازِ موسوی میں تمیز مشکل ہوگئی مگر ساحر ، جو اس فن میں ماہر تھے فوراً پکار اُٹھے : اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ رَبِّ مُوْسٰی وَ هَارُوْنَ ۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں اطباء کا زور تھا تو حضرت عیسیٰ کو معجزہ عطا کیا گیا : جذامی ، کوڑھی کو اچھا کرنا ، مُردوں کو جلانا ، مٹی کی چڑیاں بنانا اور ان میں دم عیسوی پھونک کر زندہ کرکے اُڑا دینا ۔

دینِ ابدی و معجزہ ابدی : چونکہ گزشتہ زمانے کے پیغمبر خاص خاص قوموں اور محدود زمانوں کے لئے معبوث ہوئے تھے تو ان کے معجزے بھی وقتی تھے ۔ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کافتہ الناس کے لئے معبوث ہوئے ہیں ، آپ کا دین قیامت تک رہنے والا ہے تو ان کو ہزارہا معجزات ، گوناگوں خوارق عادات کے علاوہ جن کی روایت حدِ تواتر کو پہنچتی ہے ، قرآن شریف ایک ایسا دائمی معجزہ عطا کیا گیا ، جو اس دائمی دین کی تائید کرتا رہے گا ۔

وجہِ اعجازِ قرآن : قرآن شریف کس امر میں معجزہ ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

صرفہ : نظام جو بڑا ادیب ہے اور فلسفی بھی، کہتا ہے کہ قرآن کے جواب دینے کی قوت اللہ تعالیٰ نے حضرتؐ کے اہل زمانہ سے سلب کرلی تھی۔ اس کے خیال میں قرآن شریف کا مثل ممکن تھا مگر سب لوگوں سے وہ قوت ہی سلب کرلی گئی تھی تو جواب کیونکر دیا جاسکتا تھا۔ اس کا خیال بالکل غلط ہے کیونکہ اس طرح قرآنِ مجید، معجزہ نہ ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ کا فصحاء و بلغاء سے جواب کی قوت سلب کرلینا معجزہ ہوا۔ افسوس کہ اتنے بڑے ادیب پر قرآن کی حقیقت نہ کھلی، ورنہ قرآن کی ایک ایک سورۃ، ایک ایک آیت پر سردھنتا، قربان ہوتا۔ غالباً وہ قرآن شریف کو سہلِ ممتنع سمجھ کر اس ورطے میں غوطے کھا رہا ہے کہ قرآن کا مثل ممکن ہے۔ مگر یہ امکان کبھی فعلیت میں نہیں آتا۔

یہ ہم نے بیان کیا ہے کہ پیغمبر کی اُمّت جس فن میں ماہر ہوتی تھی اسی جنس کا معجزہ پیغمبروں کو دیا جاتا تھا۔ حضرت رسالت مآبؐ اس قوم میں پیدا ہوئے جس کو اپنی فصاحت و بلاغت کا بڑا دعویٰ تھا۔ وہ خود کو عرب یعنی فصیح اور دوسروں کو عجم یعنی گونگا کہتی تھی لہذا قرآن شریف کی فصاحت و بلاغت معجزہ بنائی گئی۔

لاریب، ہم قرآنِ مجید کو فصاحت و بلاغت میں معجز اور واضح معجز سمجھتے ہیں، مگر اس کے ساتھ یہ بھی جانتے ہیں کہ قرآنِ مجید، تمام جہان کے لئے داعی الی الحق ہے۔ ہر صاحبِ فن ٹھنڈے دل سے قرآن پر غور کرے گا تو قرآن اسی کے اعتبار میں معجز بن کر چمکے گا۔ فقیر نے چند وجوہِ اعجازِ قرآن کو "تحفہ فقیر" میں نظم کیا ہے جو ہدیۂ ناظرین ہیں۔ آئندہ اس سے تفصیلی بحث کی جائے گی۔

مرضی و نامرضیِ خدا ظاہر کرتی رسالت ہے
دینِ محمد ہے توحید سارے جہاں کو دعوت ہے
ایک خدا کو سب پوجیں سرِّ ختم نبوت ہے
وجہِ اعجازِ قرآں حضرت کی امیت ہے
ماضی و مستقبل کی خبر مملو جس میں صداقت ہے
زیر و زبر کا فرق نہیں کیا قرآں کی حفاظت ہے
سارے منتر ہوگئے ہیچ کیسی اثر میں قوت ہے!
نغمہ اور الفاظ سلیس نیز کمالِ فصاحت ہے
کمی زیادت اور تغییر ناممکن وہ بلاغت ہے
پست و بلند نہیں اس میں ایک ہی اس کی حالت ہے
اسلوبِ قرآن ہے اور اور حدیث کی حالت ہے
جس نے دیکھا قرآں کو وہ تو محوِ حیرت ہے
شانِ خدائی ظاہر ہے لہجہ میں کیا سطوت ہے

قرآں نے سب دینوں میں کچھ نہیں چھوڑی وقعت ہے
کرتے دھرم کی ہیں اصلاح جن میں قرآنیت ہے
سارے جہاں کو زیر کیا
کیا قوت کیا عظمت ہے (حسرت صدیقی)

اُمّیتِ رسُولِ کریمؐ: حضرتؐ کے زمانے میں تعلیم کا رواج اور لکھنے پڑھنے کی واقفیت ہی کم تھی۔ نہ مدارس تھے نہ مکاتب، خال خال کوئی مذہبی پیشوا لکھنا پڑھنا جانتا تھا۔ بعض تجارت پیشہ یا سردارانِ قوم کچھ کچھ کتابت سے واقف تھے۔ پھر حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ ابھی شکمِ مادر ہی میں تھے کہ حضرتؐ کے والدِ ماجد عبداللہ کا انتقال ہوگیا، چھ سال کے تھے کہ والدہ ماجدہ بی بی آمنہ کا بھی انتقال ہوگیا، پھر آٹھ سال کے تھے کہ جدِّ امجد عبدالمطلب کا بھی انتقال ہوگیا۔ پھر تعلیم و تربیت کرتا تو کون کرتا۔ مگر نہیں، اللہ ان کا محافظ و مربی تھا اور وہی علمِ لدنی سے آپ کو سرفراز کرنے والا تھا، کوئی شخص ٹھنڈے دل سے غور کرے کہ جس شخص کو کسی نے تعلیم نہ دی ہو، جس کا کوئی تربیت کرنے والا نہ ہو، جس کا ماحول تاریک ہو، ہر طرف جہل کی گرم بازاری ہو، وہ شخص اپنے ہاتھ میں مشعلِ ہدایت لے کر نکلتا ہے اور سارے عالم کی کایا پلٹ دیتا اور شرک و کفر کی تاریکی کو کافور کردیتا ہے۔ روئے زمین کے بڑے بڑے ادیان و مذاہب کو تقویم پارینہ منوا دیتا ہے۔ بڑی بڑی ریاستوں اور سلطنتوں کے قوانین کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیتا ہے اور خود ان زبردست سلطنتوں کو پامالِ سم ستوران کردیتا ہے، کیا یہ اعجاز نہیں ہے؟ کیا خدا کا ہاتھ جب تک اس کی پشت پر نہ ہو کوئی ہے جو ایسا ناقابلِ انکار کام کرسکتا ہے۔؟ تاریخِ عالم اس کی ایک بھی مثال دکھا سکتی ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں!

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْ مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۔ (العنکبوت آیت ۴۸)
فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔ (البقرة آیت ۲۳)

حفاظتِ قرآن: دنیا میں کوئی مذہبی یا غیر مذہبی کتاب ایسی نہیں جس کی حفاظت قرآنِ مجید کے برابر کی گئی ہو، ہندوؤں کے وید، پارسیوں کی ژندیا دساتیر بلکہ تورات و انجیل، تواتر تو کجا خبر احاد سے بھی ثابت نہیں ہوسکتیں۔ قرآن شریف کی حالت یہ ہے کہ زمانہ نبوت سے اب تک لاکھوں اس کے راوی، اس کے حافظ، اس کے قاری چلے آرہے ہیں۔ کوئی شہر تو کیا کوئی قصبہ ایسا نہیں جس میں چند جید حافظ نہ ہوں۔ کیا مجال، کوئی حافظ تراویح میں ایک کلمہ کے عوض دوسرا کلمہ پڑھ دے، یا زیر زبر ہی کی غلطی کردے اور سامع اس کو لقمہ نہ دے۔ یہ تو فاش اغلاط ہیں، قاری صفاتِ حروف کی بھی تنقید کرتا ہے، کب چھوڑتا ہے اگر کوئی قلقلہ یا ہمس نہ کرے یا مدطویل و متوسط و طبعی میں تمیز نہ کرسکے یا بے محل تفخیم یا ترقیق کردے، یا اخفاء کی جگہ اظہار یا ادغام کردے، کب جائز رکھتا ہے۔ قرآن شریف میں کتنے الف ہیں، کتنے با، تا۔ سب شمار کئے ہوئے ہیں۔ غرض کہ قرآن شریف کی حفاظت کا وعدہ خدا نے کیا اور کس ناقابلِ انکار طریقہ سے اس کو ثابت کیا۔ دنیا میں اسلام ہی باقی رہنے والا دین ہے تو اس کا منبع، اس کی مقدس آسمانی کتاب اتنی اہمیت بھی رکھتی ہے۔ جو چیز محفوظ ہی نہ ہو، جس کی صحت کا پتہ نہ ہو، جس کی روایت ہی مسلسل نہ ہو، کس برتے پر اس کی تبلیغ کی جاسکے گی اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۔

قرآن کی غیب گوئی : یہ بات ظاہر ہے کہ آدمی کو نہ ماضی کا علم ہوتا ہے نہ مستقبل کا ، وہ تو صرف وہی جانتا ہے جو اس کی آنکھوں کے سامنے آئے یعنی اس کا علم مشاہدات تک محدود ہے ، مزید برآں یہ کہ وہ مشاہدات ہی کو الٹ پلٹ کرتا ہے کچھ انہیں سے استنباط کرتا ہے ۔ اخبار بالغیب مادی انسان کا کام نہیں ، جب تک خدا کا ہاتھ بیچ میں نہ ہو ، یہ کام نہیں ہوسکتا ۔ قرآن شریف میں وہ قصص بھی بیان کئے گئے ہیں جن سے حضرتؐ کا تمام خاندان ناآشنا تھا اور ایسی پیشن گوئیاں بھی ہیں جو اب تک برابر صحیح اور درست اترتی آئی ہیں ۔

قصص : حضرت آدمؑ ، دادی حوا اور ابلیس کا قصہ ۔ ہابیل قابیل کا واقعہ ۔ حضرت نوحؑ ، حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیل و لوط و اسحاق و یعقوب و یوسف علیہم السلام کے قصص ۔ حضرت صالحؑ و قوم ثمود ، حضرت شعیبؑ و اہلِ مدین و ایکہ ، حضرت داؤد و سلیمانؑ ، حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ اور فرعون و ہامان اور بنی اسرائیل اور قارون کے حالات و دیگر انبیاء کے حالات ، ذوالقرنین ، قوم سبا ، اصحاب الاخدود کہف و رقیم اور اصحاب رس کے قصص و حالات بالتفصیل بیان کئے گئے ہیں ، حضرت کے اہلِ زمانہ مخالفین نے بھی ان کو تسلیم کیا ۔

پیش گوئی : قرآن شریف میں بہت سی پیشین گوئیاں ہیں ، نمونے کے طور پر چند یہاں ذکر کی جاتی ہیں :

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْيُسْلِمُوْنَ ۔ (الفتح ۔ ۱۶)

"(اے پیغمبر) دیہاتی عرب جو (سفر حدیبیہ سے) رہ گئے ہیں ان سے کہہ دو کہ تم بڑے لڑنے والوں (یعنی فارس و روم) کے مقابلے کے لئے بلائے جاؤ گے تو تم ان سے لڑتے رہوگے ، یہاں تک کہ وہ مسلمان ہوجائیں گے"۔

روم و فارس کی لڑائیاں حضرت ابوبکر صدیق ، عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت میں ہوئیں ، تو یہ خلافتِ شیخین کی بشارت ہے ۔

الٓمّٓ ۔ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ (الروم ۔ ۱تا۳)

قریب کے ملک (یعنی فارس) میں رومی (جو نصاریٰ ہیں اہلِ فارس سے جو آتش پرست ہیں) مغلوب ہوگئے ہیں لیکن یہ لوگ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب چند سال میں (پھر اہل فارس پر) غالب آجائیں گے ۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا ، اور یہ واقعہ ، تاریخ پیش گوئی کا بڑا زبردست معجزہ ہے ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس وعدۂ الٰہی کی صحت پر یقین کرکے ایک سردار قریش سے مراہنہ کیا ، وعدہ الٰہی سچا ہوا ۔ اور ابوبکر صدیقؓ کامیاب ۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۔ عنقریب اس جماعت کو ہزیمت ہوگی اور پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے ۔ یہ شکستِ اہلِ بدر کی پیشگوئی تھی جس کو اللہ نے پورا کیا ۔ (القمر ۔ ۴۵) ۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ ۔ (الفتح ۔ ۲۷)

"بے شک اللہ نے اپنے رسول کو واقعی سچا ہی خواب دکھایا تھا کہ انشاء اللہ تم (مسلمان) مسجدِ حرام میں بے خوف وخطر (باطمینانِ تمام) داخل ہوں گے (وہاں جاکر) تم (کچھ تو) سر منڈوائے ہوئے ہوں گے اور (کچھ) بال کترائے ہوئے

ہوں گے ۔ یہ آیت فتحِ مکّہ کی پیش گوئی ہے جس کو اللہ نے پورا کیا ۔

فصاحت و بلاغت : سب سے پہلے قرآن شریف کی نغمگی اور سلاست پر غور کرو ، قرآن شریف کے الفاظ کچھ ایسے نفیس مخارج کے حروف سے مرتب ہیں ، اور قرآن شریف میں ایسی سلاست و روانی ہے کہ نہ پڑھنے والے کی زبان پر گراں ہوتے ہیں نہ سننے والے کے کان پر ۔ اتنی ضخیم کتاب ، اتنا بڑا حجم اور اس میں ایک لفظ بھی ثقیل یا متنافر نہیں ۔ دوسرے شعراء اور خطباء کے کلام میں یہ بات کہاں ؟ ایک تجربہ مجھے ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ دوسروں کو بھی اس کا تجربہ ہوگا یا غور کرنے کے بعد اس کا تجربہ ہوجائے گا کہ بعض حضرات جو اپنی مادری زبان میں بات کرنے میں ہکلاتے ہیں ، وہ جب قرآن شریف پڑھتے ہیں تو زبان کو بالکل رکاوٹ نہیں ہوتی بلکہ ان کی زبان ، صاف زبان والوں سے بھی قرآن پڑھنے میں تیز چلتی ہے ۔ مجھے میرے کئی دوستوں پر اس کا تجربہ ہوا ہے ، خود میری زبان میں عقدہ ہے مگر قرآن شریف پڑھتا ہوں تو زبان صاف چلتی ہے ۔ یہ قرآن شریف کی سلاست اور حسنِ مخارج کی کافی دلیل ہے ۔

بعض بالکل جاہلوں کو دیکھا گیا ہے کہ قرآن شریف اور دوسرے ادعیہ کو پڑھتے ہوئے سنا تو قرآن شریف کے متعلق کہا کہ اس کا پڑھنا بڑا ہی اچھا معلوم ہوتا ہے ۔ بعض اَن پڑھ حضرات ایسے بھی تھے کہ قرآن کو دوسری عبارتوں سے تو کیا ، حدیث شریف سے بھی تمیز کرتے تھے ۔ ایک جاہل عربن نے قرآن شریف کو پڑھتے دیکھا تو پاس آ کر بیٹھ گئی اور ہمہ تن گوش ہوکر سننے لگی ۔ کسی نے پوچھا : یہ کیسا کلام ہے ؟ کہا میں تو جاہل ہوں کیا بتاؤں ، مگر اتنا ضرور کہوں گی کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک طبق ہے جس میں حلوا ہے ، نیچے شہد ہے اوپر مسکہ ہے ۔

قرآن کے معجز ہونے کا کون ادراک کرسکتا ہے ؟ واضح ہو کہ قرآن شریف متعدد اعتبار سے معجز ہے ۔ ان میں سے بعض اعتبار تو ایسے ہیں جن کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے جیسے قرآن شریف کے الفاظ کا نغمہ اور اس کی دل کشی ۔ حضرت رسول مقبول ﷺ کا اُمی ہونا ، اور پھر ایسی بے مثل اور عجیب و غریب کتاب کا لانا جو دین و دنیا کے ہر قسم کے امور میں منبعِ ہدایت ہے ، یا قرآن شریف میں ماضی اور مستقبل کے اخبار یعنی اظہارِ مغیبات وغیرہ وغیرہ ۔ اب رہا قرآن شریف کا فصاحت و بلاغت کی رو سے معجز ہونا ۔ وہ ماہرین اور صحیح المذاق اہلِ زبان کو تو بالبداہت معلوم ہوجاتا ہے اور دوسروں کو غور و فکر اور استدلال سے ، دوسروں کے کلام سے مقابلہ کرنے سے ، اصولِ معانی و بیان و بدیع اور اسالیب کلام سے واقف ہونے سے ممکن ہے ۔

قرآن کی کتنی مقدار معجز ہے ؟ بعض کہتے ہیں کہ پورا سورہ قرآن کا معجز ہے ، ایک دو آیتیں حدِ اعجاز کو نہیں پہنچتیں ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سورہ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ یا اس کا مماثل یعنی تین آیتوں کی مقدار بھی معجز ہے ۔

اسلُوب : امرأ القیس کے دیوان میں دو چار مختلف اشعار ان لوگوں کے لگادیں جو اس کے ہم پایہ ہیں تو ممکن ہے ، مگر مسلسل دو چار سے زیادہ اشعار ہرگز نہیں ملاسکتے ۔ کسی نے ابن المقفع سے کہا کہ آپ طویل قصیدے نہیں کہتے تو اس نے کہا کہ جاہلیت کا رنگ قائم رکھنا سخت مشکل ہے ۔

کوئی قرآن شریف اور حدیث شریف کو ملا کر دیکھے، حدیث کا اسلوب، قرآن کے اسلوب سے ہرگز نہیں ملتا۔ جو لوگ اسالیبِ کلام سے واقف ہوتے ہیں وہ فوراً کہہ دیتے ہیں یہ شعر، امرأ القیس کا ہے یا زہیر کا، زمانہ جاہلیت کا ہے یا ان لوگوں کا جنھوں نے اسلام اور جاہلیت دونوں کو پایا ہے یا یہ کہ یہ شاعر عہدِ بنی امیہ کا ہے یا بنی عباس کا یا بالکل زمانۂ حال کا۔ پھر یہ کہ یہ شاعر بغداد کا ہے کہ شام کا، حجاز کا ہے یا مصر کا، عرب کا ہے یا عجم کا۔ اگر ایک شعر سے پورا علم نہیں ہوسکتا تو دو چار شعر کے بعد تو امتیاز ہو ہی جاتا ہے، اردو داں بھی سمجھ لیتے ہیں کہ یہ شعر سوداؔ کا ہے یا میرؔ کا، ذوقؔ کا ہے یا غالبؔ کا، داغؔ کا ہے یا امیرؔ کا۔ ہر زبان کے نقادِ سخن شعراء و نظماء کے کلام میں امتیاز کرتے ہیں۔ اعلیٰ شعر کو ادنیٰ سے جدا کرتے ہیں۔ جہلِ مرکب، ہٹ دھرمی، بے جا مخالفت اور بات ہے۔ ذوقِ سلیم نہ رکھنے والے معرضِ بحث میں نہیں۔ صاحبِ ذوق، کلامِ عالی سنتا ہے اور پہروں بلکہ دنوں اس کا مزا لیتا ہے۔ ایسے صاحبِ ذوق، عرب بلکہ عجم پر بھی بلاشبہ قرآن کا اعجاز، فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ احادیث شریف کے کمالِ فصاحت و بلاغت میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔ جس کی نسبت اس بہترین اور گرامی ترین ہستی کی طرف ہو جس کا ارشاد ہے: اُوْتِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ مگر قرآن شریف کچھ اور ہی شئے ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف حضرت رسولِ مقبولؐ کا کلام نہیں، اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

الغرض ہمارے سامنے صدیقِ اکبرؓ، فاروقِ اعظمؓ، مظہر العجائبؓ کے خطب ہیں۔ اللہ اور بندے میں جو فرق ہے وہی قرآن اور ان کے کلاموں میں ہے۔ خطبِ ابن نباتہ، مقاماتِ بدیعی یا حریری اور دوسروں کے کلام کی حقیقت ہی کیا ہے۔ ایک نادان کہتا ہے کہ حریری بھی اعلیٰ درجہ کی فصاحت کا مالک ہے، حقیقۃً اس نے کلامِ فصحاء دیکھا ہی نہیں، اس کو ڈھلی ہوئی اور سوہن کی ہوئی چیز میں تمیز نہیں، اس کو زندہ اور مردہ میں فرق نہیں۔ شریف مرتضیٰ کا کلام حریری سے زیادہ رتبہ رکھتا ہے۔ بدیعی کے اچھے فقرات کے سامنے پوری حریری دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔

فطرت اللہ: دودھ کے اجزا معلوم ہوگئے، پانی، گھی، شکر، نمک اور کیا کیا، ذرا ان کو ملا کر دودھ تو بنادو، ناممکن۔ بہتر یا تہتر عناصر دریافت کرلئے گئے۔ اب کیا ہے۔ سب کچھ معلوم ہوگیا۔ ذرا ان عناصر کو جوڑ کر تتلی کا پر، تو بنادو، ذرا گلاب کے پھول کی ایک پنکھڑی ہی تو بنادو۔ ناممکن۔ مادہ، عناصر کا پیدا کرنا تو ایک طرف، ذرا خدا کی دی ہوئی کوئی صورت ہی تو بنادو۔ ناممکن، تمہارا کام آرٹی فشل، مصنوعی۔ خدا کا کام نیچرل، فطری۔ اپنی قدرت کا عجز، مادہ اور مادیات میں آزما چکے۔ اب ذرا تم جو بولتے ہو، وہی الفاظ لو، اور ان سے قرآن کی سورت کا ایک مثل بنادو۔ غیر ممکن، خارج از قدرت، بناؤ گے بھی تو وہی آرٹی فشل، مصنوی، ناقص، کہاں تصویر، کہاں صاحبِ تصویر، کہاں مردہ، کہاں زندہ۔

اَلفِیلُ مَا الفِیل وَما اَدرٰکَ ماالفِیلُ لَہٗ خُرطُومٌ طَوِیلٌ وَذَنَبٌ وَّبِیلٌ۔

کیا یہ ''اَلْقَارِعَۃُ'' کا جواب ہے؟ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ۔ خانہ عقلت خراب! کیوں مسخرہ بنتا ہے۔ کیوں اپنے آپ پر لوگوں کو ہنساتا ہے۔ جس طرح خدا کا فعل معجز ہے اسی طرح اس کا قول بھی معجز ہے۔ تصویر یا مجسمہ بنا کر چڑیا کو دھوکا نہیں دے سکتے تو ان مہملات و واہیات سے، خرافات سے ہم کو دھوکا دے گا: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ ہرگز نہیں، یہ سب الفاظ بلا معنیٰ ہیں، یہ تنِ بے جان ہے، مردار ہے، جا اور اس کو خاک میں دبا آ، خدا کا کام بندے کے کام سے بالکل علیحدہ ہے۔ بالکل ممتاز ہے، اعجاز ہے اعجاز!

خدائی لہجہ : شاعر یا منشی جس درجہ کا ہوتا ہے اسی درجہ کا اس کا کلام ہوتا ہے ۔ ایک غمگین آدمی کے کلام سے غم ظاہر ہوگا ۔ ایک سپاہی کے کلام سے شجاعت ٹپکے گی ۔ متنبّی سیف الدولہ کے ساتھ خود بھی جنگ میں شریک رہتا تھا تو اس کے قصیدے کا زور ہی الگ ہے ۔ شعراءِ جاہلیت کے اشعار میں بے ساختگی ، سادگی اور صداقت ہے ، متمدن شعراء کے کلام میں صنائع و بدائع ہیں ، جن میں بناوٹ اور تکلف نمایاں ہے ۔ خدا کے کلام کا لہجہ اور قوت ہی الگ ہے ۔ اسی طرح پیغمبر اور بزرگانِ دین کا کلام الگ ہوتا ہے ، ادباء ، نمائشی لوگوں کا کلام جُدا جُدا ۔ صاحبِ فراست و عقلِ سلیم پہچان لیتا ہے کہ یہ کلام ، کلامِ بشر سے ماوراء ہے مَا هٰذَا مِنْ كَلَامِ الْبَشَرِ ۔

یکسانی : بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہر زبان میں ایک بڑا شاعر ہوجاتا ہے جس کی مثال مستقبل نہیں لاسکتا ۔ تو کیا وہ بھی کلام اللہ ہوجائے گا ۔ عربی میں امرأ القیس ، فارسی میں فردوسی ، اُردو میں میر تقی میرؔ یا آج کل غالب پرستوں کے پاس غالب یا بعض کے پاس میر انیسؔ یا یونانی میں ہومر اور انگریزی میں شیکسپیئر ۔

اس شخص کو سمجھنا چاہیے کہ ان شعراء کی جو تعریف کی جارہی ہے وہ بحیثیتِ مجموعی ہے ، ان کی تعریف اس پیمانے پر نہیں ہے کہ کوئی ان کے تین شعر کے برابر بھی نہیں کہہ سکتا ۔ امرأ القیس کی کمزوریوں کو دیکھنا ہو تو اعجاز القرآن دیکھو ، غالب کا تمام دیوان چھان مارو ان میں سے چند ہی چوٹی کے شعر نکلیں گے ۔ سوداؔ ، داغؔ ، میرؔ کے کلام میں بھی چند اچھے شعر نکل سکتے ہیں ۔ مرزا دبیرؔ کے کلام میں چند بند بلکہ چند مرثیے ایسے ہیں جو میر انیسؔ کے بعض مراثی اور بند سے اچھے ہیں ۔ فردوسی ، نظامی ، سعدی ، خسرو ، جامی ، مولانا روم ، ان کے کلام میں اعلیٰ درجہ کے شعر بھی ہیں ، اوسط درجہ کے اور معمولی بھی ، ان میں سے کسی پر کسی کو ایسی ترجیح نہیں ہے کہ دوسرے کے چند شعر بھی ان کے اشعار کے برابر یا اعلیٰ نہ نکلیں ۔

مجھے انگریزی تو آتی نہیں ، مگر سنتا ہوں کہ شیکسپیئر کا ماخذ ، تاریخ اور دوسروں کے ڈرامے ہیں ۔ صرف دو ڈرامے اس کے ذاتی ہیں اور ان میں وہ کھو گیا ہے ۔ نیز ان کے کلام میں یکسانی کہاں ، عمر کے بڑھنے سے زمانے کے بدلنے سے ان ڈراموں میں تغیر آتا گیا ہے ، پھر نقادانِ سخن کی قدر اندازی سے بے چارے کے پرخچے اُڑ گئے ہیں ۔ اس کے سانٹ (sonnet) سے ملٹن کے سانٹ (sonnet) کچھ کم نہیں ۔ نفسِ فصاحت کے لحاظ سے بیکنؔ بھی ایک مسلمہ استاد ہے ، کون کہتا ہے کہ بیکن کی نثر شیکسپیئر کی نظم سے کم ہے ۔ بہرحال اگر شیکسپیئر اچھا ہے تو بیکن اور ملٹن بھی اچھے ہیں ۔ بن جان سن بھی اس کی ٹکر کا ہے ۔ یہ نہیں کہ شیکسپیئر کے سامنے سب ہیچ ہوگئے ہیں ۔ لبید نے جو شعراءِ سبعہ معلقہ میں سے ایک ہیں مسلمان ہوکر قرآن ہی پڑھتے اور اس پر سر دھنتے رہے ، شعر کہنا چھوڑ دیا ۔

جان سن اور ہومر کے متعلق بعض محققین نے لکھا ہے کہ کہیں ہومر نے اچھا لکھا ہے تو کہیں جان سن نے ، دنیا کے تمام شعراء اور خطباء میں کوئی ایسا نہیں جو دوسروں پر اتنی فوقیت رکھتا ہو کہ کسی کا ایک حصہ بھی اس کے کسی حصہ کے برابر نہ ہو ، اور اس کا تمام و کمال کلام ایک درجہ پر ہو یا اس کے دو قولوں میں تناقض نہ ہو ، یا اس کے کلام میں تغیر ممکن نہ ہو ۔ قرآن شریف کی یہ حالت ہے کہ اس میں سے ایک حرف نہ نکل سکتا ہے نہ زیادہ ہوسکتا ہے ، نہ جملے کی تبدیلی ہوسکتی ہے نہ ایک لفظ کی جگہ اس کا مترادف ہی رکھا جاسکتا ہے ۔

قرآن شریف کی تاثیر: حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ سے لڑنے نکلے تھے، راستہ میں بہن کے گھر پہنچے۔ بڑے اصرار سے قرآن مانگا کہ دیکھیں، سورۂ طٰہٰ پڑھی تو دل میں اتر گیا۔ باطل کی تائید کے لئے چلے تھے۔ فاروقِ اعظم بن کر نکلے۔ عتبہ قریش کا ایک بڑا سردار تھا حضرت نے قرآن سنایا تو دونوں ہاتھ ٹیک دیئے اور لگا جھومنے اور آنسو بہانے۔ ولید نے سنا تو کہا: اِنَّ عَلَيْهَا طَلَاوَةً وَ فِيْهَا حَلَاوَةً ؛ اس پر تازگی اور اس میں حلاوت ہے۔ ابوجہل نے پوچھا کہ اتنے بڑے سردار ہوکر ایک بچہ کی باتوں میں آگئے اور تعریف بھی کرنے لگے، عربوں پر تمہاری اس تعریف کا بُرا اثر ہوگا، تم کو قرآن کی ہجو اور اس پر اعتراض کرنا چاہیے۔ ولید نے کیا کہا؟ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَ قَدَّرَ۔ اس نے سوچا اور اٹکل دوڑائی۔ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ: اس کو خدا کی مار، کیسی اٹکل دوڑائی۔ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ۔ پھر اس کو خدا کی مار، کیسی اٹکل دوڑائی، کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ ثُمَّ نَظَرَ ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ ؛ پھر غور کیا (مگر کوئی بات دل کو نہ ٹھکی) پھر تیوری چڑھائی اور برا سا منہ بنالیا۔ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ۔ پھر پیٹھ پھیرلی (اور اعتراض نہ کرنے کو اپنے لائق نہ سمجھا) اور شیخی میں آگیا۔ فَقَالَ اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ پھر کہنے لگا یہ تو بس جادو ہے جو نقل کیا جاتا رہے گا۔ کہیں رکتا نظر نہیں آتا۔

کوئی اس کے جواب پر غور کرے کہ اس نے زبان داں فصیح و بلیغ ہونے کے لحاظ سے قرآن کی فصاحت و بلاغت پر کیا اعتراض کیا کچھ نہیں، بس چلتا جادو کہہ دیا۔ ظاہر ہے کہ انسان جب کسی چیز کو طاقتِ بشری سے خارج دیکھتا ہے تو کہتا ہے یہ تو جادو ہے۔ طاقتِ بشری سے خارج تو اس نے مان ہی لیا۔ ہاں معجزہ کے عوض جادو کہہ دیا۔ کیا وہ جادوگر تھا؟ جادو کی حقیقت سے واقف تھا، کچھ نہیں، جس فن کا وہ تھا، جس کا وہ ماہر تھا اس میں تو وہ مان گیا کہ قرآن کا مثل طاقتِ بشری سے خارج ہے، جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔

ایک اور نوعِ تاثیر ہے جو ظلماتِ مادیت میں پھنسے ہوئے شخص کو نظر نہیں آتی، اور وہ قضائے مقصد و دفعِ امراض اور دفعِ مَسِ خبائث ہے۔ اس کے لئے بونی کی شمس المعارف، مرقع شریف اور دیگر کتب دیکھو، ان عملیات میں سب سے اعلیٰ اور قوی الاثر عمل، آیاتِ قرآنیہ کا ہے۔ میں ایک علمی آدمی ہوں، تعلیم میرا کام ہے مگر دن بھر میں کتنے لوگوں کو جن کو میں کوئی آیت مبارکہ بتا دیتا ہوں فائدہ ہوتا ہے۔ ہزار تاثیر کی ایک تاثیر یہ ہے کہ اس وقت قرآن شریف کی تعلیم کے تاثیر سے تیس بتیس کروڑ آدمی حلقہ بگوش اسلام ہیں۔

مسلمانوں کی غفلت کی وجہ ہے کہ قرآن کی تبلیغ کا برابر انتظام نہیں ورنہ قرآن نور بن کر آنکھوں میں گھستا ہے اور روح بن کر دل و دماغ میں بستا ہے۔ میرے پاس تو قرآن کا مقصدِ اعظم اور اس کا اعجازِ مجسم، تعلیم ہے۔ ارسالِ رُسل کی غایت، تعلیم ہی ہے۔ دوسرے سب توابع ہیں، مگر قرآن کے مقصد کے توابع بھی دوسروں کے مقاصد کے مقابل اعجاز ہی اعجاز ہیں۔

مخارجِ حُروف

امام جزری کے یہ اشعار یاد کرنے سے مخارج اور صفاتِ حروف میں امتیاز کرسکتے ہیں۔

مَخَارِجُ الْحُرُوْفِ سَبْعَةَ عَشَرَ عَلَى الَّذِىْ يَخْتَارُهٗ مَنِ اخْتَبَرَ

حروف کے مخارج سترہ ہیں ۔ ان لوگوں کے خیال کے مطابق جو تجربہ کار ہیں اور اس کو پسند کرتے ہیں ۔ یہ بات یاد رکھو کہ ایک مخرج سے دو آوازیں اور دو مختلف مخارج سے ایک آواز نہیں نکل سکتی ۔ امام جزری نے جو کچھ فرمایا ہے وہ تقریباً یہ ہے :

فَاَلِفُ الْجَوْفِ وَاُخْتَاهَا وَهِیْ حُرُوْفُ مَدٍّ لِلْهَوَآءِ تَنْتَهِیْ

الف اور اس کی دونوں بہنیں یعنی ''و'' ماقبل مضموم اور ''ی'' ماقبل مکسور ، جوف یعنی اس خلو سے نکلتے ہیں ، جو ناف سے ہونٹوں تک ہے ، اور ہوا ہی پر ختم ہوتے ہیں ۔

ثُمَّ لِاَقْصَی الْحَلْقِ هَمْزُهَاءُ ثُمَّ لِوَسْطِهٖ فَعَیْنٌ حَاءُ

حلق کے تین حصے کئے گئے ہیں ۔ اقصٰی حلق یعنی انتہائی حصہ ناف کی طرف کا ، یہاں سے دو حرف نکلتے ہیں ۔ ''ھمزہ'' اور ''ھاء'' اور بیچ حلق سے ''ع'' اور ''حاء'' نکلتے ہیں ۔

اَدْنَاهُ غَیْنٌ خَاؤُهَا وَالْقَافُ اَقْصَی اللِّسَانِ فَوْقُ ثُمَّ الْكَافُ

اَسْفَلُ وَالْوَسْطُ فَجِیْمُ الشِّیْنُ یَا وَالضَّادُ مِنْ حَافَتِهٖ اِذْ وَلِیَا

اَلْاَضْرَاسُ مِنْ اَیْسَرَ اَوْ یُمْنَاهَا وَاللَّامُ اَدْنَاهَا لِمُنْتَهَاهَا

منہ کے جانب قریب سے ''غ'' اور ''خا'' نکلتے ہیں اور ''ق'' زبان کے انتہائی حصہ یعنی حلق کے قریب مقام سے اور زبان کے اوپر کے حصے سے نکلتا ہے اور کاف ۔ ق کے مخرج سے اسفل یعنی کچھ اوپر ۔ بہ نسبت ''ق'' کے ''ک'' ذرا اندر سے نکلتا ہے ۔ زبان کے وسط یعنی درمیانی حصے سے ''ج'' اور ''ش'' اور ''ی'' ماقبل مفتوح نکلتے ہیں اور ''ض'' زبان کے حافہ یعنی کنارے سے جب کہ وہ داڑھوں سے ملے ہوئے ہوں ، خواہ سیدھی جانب سے یا بائیں جانب سے یعنی زبان کے کنارے کو داڑھوں سے لگائیں تو ''ض'' نکلتا ہے خواہ سیدھی طرف لگائیں یا بائیں طرف مگر بائیں طرف زیادہ سہولت ہوتی ہے اور ''ل'' زبان کے اندر کے حصے سے آخر تک یعنی ''ل'' زبان کی نوک اور اوپر کی داڑھوں کے مسوڑھوں سے نکلتا ہے ۔

وَالنُّوْنُ مِنْ طَرْفِهٖ تَحْتُ اجْعَلُوْا وَالرَّاءُ یُدَانِیْهِ لِظَهْرٍ اَدْخُلُ

''نؔ'' کا مخرج ''لؔ'' کے مخرج سے اور اندر ہے اور رؔا اس کے قریب ہے ۔ غرض کہ ''لؔ'' اور ''نؔ'' اور ''رؔا'' یہ سب زبان کی نوک اور اوپر کے دانتوں کے مسوڑھوں سے نکلتے ہیں ۔

وَالطَّاءُ وَالدَّالُ وَتَا مِنْهُ وَمِنْ عُلْیَا الثَّنَایَا وَالصَّفِیْرُ مُسْتَكِنْ

فِی السِّیْنِ وَالصَّادِ كَذَا مِنْ حَرْفِ زَا مِنْهُ وَمِنْ فَوْقِ الثَّنَایَا السُّفْلٰی

طؔا اور دؔ اور تؔا زبان کی نوک اور اوپر کے دانتوں سے اور صفیر یعنی سیٹی چھپی ہوئی ہے ۔ سؔ ۔ صؔ اور زؔ میں جو زبان کی نوک اور سامنے کے نیچے کے دانتوں کے اوپر سے نکلتے ہیں ۔

وَالظَّاءُ وَالذَّالُ وَثَا لِلْعُلْیَا بِالْجِدِّ مِنَّا تَسْتَوِیْ فِیْهَا الْاَدَا

اور ظؔا اور ذؔ اور ثؔا ثنائے علیا یعنی اوپر کے چار دانتوں سے نکلتے ہیں ۔

مِنْ طَرَفَیْهِمَا وَمِنْ بَطْنِ الشَّفَهْ فَالْفَامَعَ الْحُرُفِ الثَّنَایَا الْمُشْرِفَهْ

اور فا ان کے دونوں جانب ہونٹ کے اندر کے دانتوں کے کناروں کے ساتھ ۔

لِلشَّفَتَيۡنِ وَاوٌ بَا وَمِيۡمُ   وَغُنَّةٌ مَخۡرَجُهَا الۡخَيۡشُوۡمُ

دونوں ہونٹوں سے واؔؤ باؔ اور میؔم نکلتے ہیں، اور غنہ کا مخرج خیشوم یعنی ناک کے اندر ہے۔

صفاتِ حُروف

صِفَاتُهَا جَهۡرٌ وَّرِخۡوٌ مُّسۡتَفِلۡ   مُنۡفَتِحٌ مُّصۡمِتَةٌ وَّالضِّدُّ قُلۡ

صفاتِ حروف حسبِ ذیل ہیں:

(۱) مہموسہ کی ادائی میں سانس جاری رہتا ہے۔ ہلکی سی ہائے مختفی کی سی آواز معلوم ہوتی ہے۔ اس کے مقابل (۲) مجہورؔہ ہے۔ اس کی ادائی میں سانس بند ہوجاتا ہے۔ (۳) شدؔیدہ کی ادائی قوت سے ہوتی ہے، اس کے مقابل (۴) رخؔوہ ہے اس کی ادائی میں نرمی ہوتی ہے۔ (۵) مستعلیؔہ کی ادائی میں زبان تالو کی طرف اُٹھتی ہے۔ اس کے مقابل (۶) مستفلؔہ ہے۔ اس کی ادائی میں زبان نیچے رہتی ہے۔ (۷) مطبقؔہ اس میں زبان تالو سے بہت ہی نزدیک ہوجاتی ہے۔ (۸) منفتحہ اس کے مقابل ہے۔ اس میں زبان تالو سے ذرا دور رہتی ہے۔ (۹) مذلقہ ان حروف کی ادائی کے وقت سہولت اور تیزی سے حروف ادا ہوجاتے ہیں۔

ہم نے اصل صفات اور ان کے اضداد دونوں بیان کردیئے ہیں۔ اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ حروف ہیں کون کون سے۔

مَهۡمُوۡسُهَا فَحَثَّهُ شَخۡصٌ سَكَتۡ   شَدِيۡدُهَا لَفۡظُ اَجِدۡ قَطٍّ بَكَتۡ

مہموسؔہ حروف کا مجموعہ ان حروف (فحثہ، شخص، سکت) میں ہے۔ شدؔیدہ کے الفاظ (اجد قط بکت) ہیں۔

وَبَيۡنَ رِخۡوٍ وَّشَدِيۡدٍ لِنۡ عُمَرۡ   وَسَبۡعُ عُلۡوٍ خُصَّ ضَغۡطٍ قِظۡ حَصَرَ

رخؔوہ اور شدؔیدہ کے درمیان متوسطؔ حروف کا مجموعہ (لن عمر) ہے، اور سات مستعلیہ ہیں جن کا مجموعہ (خص ضغط قظ) ہے

وَصَادُ ضَادُ طَاءُ ظَاءُ مُطۡبِقَةۡ   وَفَرَّ مِنۡ لُبِّ حُرُوۡفُ الۡمُذۡلِقَةۡ

صاؔد، ضاؔد اور طاؔء مطبقہ ہیں، اور (فرمن لب) کا مجموعہ حروف مذلقہ ہیں۔

صَفِيۡرُهَا صَادٌ وَزَاءٌ سِيۡنٌ   قَلۡقَلَةٌ قُطۡبُ جَدٍّ وَّاللِّيۡنُ

صؔ، سیؔن اور زاؔء ان تینوں حروف میں صفیر یعنی سیٹی ہے۔ حروفِ قلقلؔہ کا مجموعہ (قطب جد) ہے۔ اس کی ادائی میں زبان کو جھٹکا لگتا ہے اور سانس بند ہوجاتا ہے۔ قاری کو چاہیے کہ استاد سے ان حروف کی ادائی سیکھے اور ہر ایک حرف کو اس کے مخرج اور صفات خاصہ کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش کرے۔ خصوصاً جب کہ آخر کا حرف مشدد ہو جیسا قَـــبٌّ لوگ سہل انگاری کرتے ہیں اور مشدد حرف اور اکیلے حرف میں فرق نہیں کرتے۔

وَاوٌ يَاءٌ سَكَنَا وَانۡفَتَحَا   قَبۡلَهُمَا وَالۡاِنۡحِرَافُ صَحِّحَا

لین کے حروف واؤ، یائے ساکن ماقبل مفتوح ہیں جیسے سَوۡءٌ ۔ سَيۡفٌ۔

فِي اللَّامِ وَالرَّاءِ بِتَكۡرِيۡرٍ جُعِلۡ   لِلتَّفَشِّي الشِّيۡنُ ضَادُ اِسۡتَطِلۡ

اور انحراف، لاؔم میں ہے یعنی لؔ کی ادائی میں زبان مخرج میں کچھ پلٹ جاتی ہے اور راؔء میں تکرار ہے مگر زبان خوب

حرکت کرتی ہے اسے روکنا چاہیے اور ش میں تفشی ہے۔ یعنی زبان پر شؔ خوب پھیلتی ہے اور ضؔ کا مخرج بڑا ہی لمبا ہے کیونکہ پوری زبان کے کنارے اور ایک طرف کے پورے داڑھوں سے ادا ہوتا ہے۔

(۱)

ا ۔ با ۔ تا ۔ ثا ۔ جا ۔ حا ۔ خا ۔ دا ۔ ذا ۔ را ۔ زا ۔ سا ۔ شا ۔ صا ۔ ضا

طا ۔ ظا ۔ عا ۔ غا ۔ فا ۔ قا ۔ کا ۔ لا ۔ ما ۔ نا ۔ وا ۔ ھا ۔ ءا ۔ یا ۔

(۲)

ا ۔ ابْ ۔ اتْ ۔ اثْ ۔ اجْ ۔ احْ ۔ اخْ ۔ ادْ ۔ اذ ۔ ار ۔ از ۔ اسْ ۔ اشْ ۔ اصْ ۔

اض ۔ اطْ ۔ اظ ۔ اع ۔ اغ ۔ افْ ۔ اقْ ۔ اکْ ۔ ال ۔ ام ۔ ان ۔ او ۔ اهْ ۔ ای ۔

(۳)

منْ ا ۔ منْ با ۔ منْ تا ۔ منْ ثا ۔ منْ جا ۔ منْ حا ۔ منْ خا ۔ منْ دا ۔ منْ ذا ۔ منْ رّا ۔

منْ زا ۔ منْ سا ۔ منْ شا ۔ منْ صا ۔ منْ ضا ۔ منْ طا ۔ منْ ظا ۔ منْ عا ۔ منْ غا ۔

منْ فا ۔ منْ قا ۔ منْ کا ۔ منْ لّا ۔ منْ مّا ۔ منْ نّا ۔ منْ وّا ۔ منْ ھا ۔ منْ ءا ۔ منْ یّا ۔

صاحبو! ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ قرآن شریف میں زیر، زبر، کس زمانے میں لگائے گئے ہیں ۔ میں نے کہا حجاج بن یوسف کے زمانے میں ۔ انہوں نے کہا: اگر زیر زبر غلط لگائے جائیں تو کیا معنٰی نہیں بدل جائیں گے؟ میں نے کہا قرآن شریف کا پڑھنا کتابت پر موقوف نہیں ہے ۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے اب تک ''عَنْ فلان بن فلان'' سننے پر موقوف ہے ۔ آپ کے خیال میں قرآن آنکھوں سے پہنچتا ہے اور ہمارے خیال میں کانوں سے، روایت کے علاوہ تلفظ، مخارجِ صفات حروف، یہ سب کچھ استاد ہی سے سننے پر موقوف ہیں ۔

میں اپنے طالبِ علموں کو تین پٹیاں حسبِ متذکرہ بالا صاف کرواتا ہوں ۔ پہلی پٹی ا ۔ بَا ۔ تا وغیرہ، اس سے مخارجِ حروف خوب صاف ہوجاتے ہیں ۔

دوسری پٹی ا ۔ اب ۔ ات وغیرہ اس سے حروف کی صفات کے ادا کرنے میں بڑا فائدہ ہوتا ہے ۔

تیسری پٹی مَن ا ۔ مَن بَا ۔ من تا وغیرہ جس سے اظہار، ادغام، اخفا کی مشق ہوجاتی ہے، اس میں حسبِ ذیل علامتیں لگاتا ہوں'' '' اخفا کی علامت، تشدید'' ّ '' ادغام کی علامت ہے، نون ساکن بَا سے پہلے مؔ سے بدل جاتی ہے جسے قلب کہتے ہیں ۔ ''غ'' غنہ کی علامت ہے، ''بغ'' ادغام بلاغنہ کی علامت ہے ۔ ''ظ'' اظہار کی علامت ہے ۔ ''را'' کے متعلق ترقیق کے لئے ''ر'' کی علامت اور تفخیم کے لئے ''فخ'' کی علامت ہے ۔ مدِ متوسط کے لئے دو کا ہندسہ دیتا ہوں، اور مدِ طویل کے لئے تین/۳ کا ہندسہ ۔

میں عادتاً طلبہ سے اول ''اَلَمْ تَرَ کَیْفَ'' (سورہ فیل) سے آخر تک کئی دن تک سنتا رہتا ہوں ۔ جب وہ اچھا پڑھنے

لگتے ہیں تو ''والضُّحٰی'' سے آخر تک چند روز تک سنتا رہتا ہوں ۔ پھر پارۂ عم کئی روز تک سنتا رہتا ہوں ۔ اس عرضِ مدت میں طالبِ علم اچھی طرح پڑھنے لگتا ہے اور کافی مشق ہوجاتی ہے۔ پھر قرآنِ مجید شروع سے آخر تک سنتا ہوں ۔

صاحبو! لفظِ اللہ سے پہلے فتح یا ضمہ ہوتو لؔ کو پُر یعنی موٹا یا مفخم پڑھنا چاہئیے ۔ جیسے قَالَ اللّٰہُ ۔ یَقُوْلُ اللّٰہُ اگر لفظ اَللّٰہُ سے پہلے زیر یا کسرہ ہوتو اس کو باریک، مرقق پڑھنا چاہئیے ۔ جیسے لِلّٰہِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ ۔

صاحبو! رؔا پر زبر یا پیش ہوتو اس کو پُر یعنی موٹا پڑھنا چاہئیے، جیسے رَسُوْلُ ۔ رُسُلٌ ۔ اگر رؔا ساکن ہوتو اس سے پہلے حرف کو زبر یا پیش ہوتو اس کو بھی پُر یا موٹا پڑھنا چاہئیے ۔ مثلاً اَرْسَلَ ۔ اگر رؔا ساکن ہو اور اس کے ماقبل بھی ساکن ہوتو اس سے پہلے حرف کو دیکھنا چاہئیے اور یہ دو ساکن، حالتِ وقف میں ہوتے ہیں جیسے نَارْ ۔ نُوْرْ ۔ جب رؔا کو زیر ہوتو اس سے پہلے حرف پر زبر یا پیش ہوتو اس رؔاء کو حالتِ وقف میں موٹا پڑھیں گے، جیسے شَرِّ ، بُرِّ اور وصل کی حالت میں خود اس کی حرکت کا اعتبار کرکے باریک پڑھیں گے ۔ اگر رؔا ساکن ہو اور اس سے پہلے حرف کو زیر ہو اور بعد کا حرف مستعلیہ یا مطبقہ یعنی ''وَسَبْعُ عُلْوٍ'' میں کا کوئی ایک حرف ہو اور مطبقہ یعنی ص ، ض ، ط ، ظ میں کا کوئی ایک حرف ہوتو رؔاء کو موٹا پڑھنا چاہئیے جیسے فِرْقَطٍ مِرْصَادٍ ۔ قِرْطَاسٍ مستعلیہ حروف میں سے کوئی حرف اگر دوسرے کلمہ میں ہوتو رؔاء کو باریک ہی پڑھنا چاہئیے جیسے لَا تُصَعِّرْ خَدَّکَ ؛ لفظ فِرقٍ میں یعنی جب ق کو زیر ہوتو موٹا پڑھنا بھی جائز ہے اور باریک بھی ۔

اگر رؔاء ساکن ہو اور اس سے پہلے کا حرف بھی ساکن ہو اور اس سے پہلے کے حرف کو زیر ہوتو باریک پڑھنا چاہئیے ۔ جیسے سِحْرٍ ۔ حِجْرٍ ۔ رؔاء کو کسرہ عارضی ہوتو رؔاء کو موٹا پڑھنا چاہئیے ۔ جب رؔاء کو پیش یا زیر ہو اور اس سے پہلے یائے ساکن ہوتو ملانے میں موٹا اور حالتِ وقف میں باریک پڑھا جائے گا جیسے خَیْرٌ ۔ خَیْرٍ ۔

قرآن کے متن پر علاماتِ تجوید

قرآن کے متن پر حسبِ ذیل علاماتِ تجوید لگائی گئی ہیں ۔ جن سے قرآن کے صحیح اور مطابق قواعدِ تجوید پڑھنے میں مدد ملتی ہے :-

(خ) علامتِ اخفاء : نونِ ساکن کو دراز کرتے ہیں تاکہ بعد کے حرف میں وہ مخفی ہوجاتے جیسے مَنْ قَالَ ۔

(ظ) علامتِ اظہار : نونِ ساکن کو ایسا واضح اور مختصر طور سے ادا کریں کہ بعد کے حرف کی بو تک نہ آئے مثلاً مِنْ عِلْمٍ ؛ یہ علامت چھ حروفِ حلقی یعنی ء ۔ ھ ۔ ع ۔ ح ۔ غ ۔ خ سے پہلے دی جاتی ہے ۔ بعض دفعہ نون ساکن کے سوائے دوسرے حرفوں پر بھی یہ علامت دی گئی ہے، مقصد یہ ہے کہ اس حرف کو واضح کرکے پڑھا جائے اور بعد والے حرف میں غلطی سے ملا نہ دیا جائے جیسے لَقَدْ جَاءَ کُمْ کہ لوگ غلطی سے لَقَجَّآءَ کُمْ پڑھ دیتے ہیں ۔ جو غلط ہے ۔

(غ) علامتِ غنہ : ''یرملون'' کے حروف سے پہلے نونِ ساکن کو بعد کے حرف میں ادغام بھی کرتے ہیں اور غنہ بھی بجز حروف لؔ اور رؔا کے ۔ نیز میمؔ ساکن کو باؔ سے پہلے غنہ کرتے ہیں ۔ مگر غنہ ہے کیا ؟ حرف کی ادائی کے وقت ناک میں سے آواز نکالنا، جیسے مَنْ یَّقُوْلُ ۔ مِنْ یَّوْمٍ ۔

(بغ) علامتِ ادغام بلاغنہ : یہ حروفِ لؔ اور رؔا میں ہوتا ہے ۔ مثلاً : وَلَمْ یَکُنْ بغ لَّہٗ ۔ مُحَمَّدٌ بغ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔

(م) علامتِ قلب : نونِ ساکن باؔ سے پہلے میم میں منقلب ہوجاتا ہے مثلاً اَنْۢبِیَآءَ ۔

(۴) علامتِ مدِّ طویل : یہ اس لئے دی جاتی ہے کہ لوگ مدِّ طویل اور مدِّ متوسط میں فرق نہیں کرتے جیسے الٓـمّٓ۔ مدِ طویل تین الف کے برابر ہوتا ہے اور مدِّ متوسط دو الفوں کے برابر۔

(×) علامتِ چلیپا: بعض دفعہ الف یا ہمزہ مطلقاً پڑھا نہیں جاتا مثلاً لَاۡ اِلَی اللّٰہِ تُحۡشَرُوۡنَ میں الف اُوۡلُوا اور اُوۡلٰٓـئِکَ میں واو۔

( ) علامتِ ہمزۂ وصل : یہ ہمزہ ، وصل میں گرجاتا ہے اور ابتداء میں پڑھا جاتا ہے۔ جیسے وَ اُتُوۡنِیۡ میں اِیۡتُوۡنِیۡ اور وَ اۡتُمِنَ اُوۡتُمِنَ ہوگا۔

(٥) علامتِ بیضہ: بعض دفعہ الف وقف میں پڑھا جاتا ہے اور وصل کی حالت میں پڑھا نہیں جاتا۔ جیسے اَنَـاۡ میں بحالتِ وقف الف پڑھا جائے گا ، اور بحالتِ وصل صرف فتحہ۔ اسی طرح سَـلٰسِلَاۡ وَاَغۡلٰـلًاۡ میں وقف کی حالت میں الف پڑھا جائے گا اور وصل کی حالت میں صرف فتحہ رہے گا اور الف پڑھا نہ جائے گا جیسے سَلٰسِلَ اور اَنَ۔

(ٮ) تشدید: قرآن شریف میں ایک جگہ یَلۡهَثۡ ذٰلِکَ ہے یعنی بحالتِ وقف ثَا رہتا ہے اور وصل کی صورت میں ثَا ذال میں مدغم ہوجاتا ہے اس لئے ذال پر تشدید (ٮ) دے دی جاتی ہے۔ اسی طرح ایک مقام پر اَلَمۡ نَخۡلُقۡكُّمۡ میں ك پر تشدید دی جاتی ہے اور ق پڑھا نہیں جاتا۔

(شم) علامتِ اشام: قرآن شریف میں ایک جگہ اشام واجب ہے مثلاً مَالَکَ لَا تَـاۡمَنَّـا اس لفظ کی ادائی میں ''ن'' پر اشامِ ضمہ ضروری ہے۔ اس کی علامت ''شم'' ہوتی ہے۔

(ے) علامتِ امالہ: جس میں یائے مجہول کی آواز نکلتی ہے مثلاً بِسۡمِ اللّٰہِ مَجۡرٖ ھَا وَمُرۡسَاهَا۔

قرآن کی روایت وحفاظت

اب ہم قرآن کی روایت اور اُس کی حفاظت کے متعلق گفتگو کریں گے۔ رسولِ خداﷺ کی عادت تھی کہ آزاد لوگوں کے سوائے بھی جو اسیرانِ جنگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے اُن کو آزاد کرکے مختلف مقامات میں متعین فرماتے کہ عام لوگوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔ خصوصاً قرآن شریف ، جو سب سے زیادہ اہم ہے ، اس کی تعلیم دیں۔ اس طرح قرآن شریف عام مسلمانوں میں شائع و ذائع ہوگیا۔ خود حضرتؐ کے زمانے میں قرآن کے سینکڑوں حافظ تھے۔ قرآن شریف کی روایت کرنے والے ، سبع قراءات والے اور عشرہ قراءات والے تھے اور اب بھی ہیں اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ جو لوگ قرآن میں کمی زیادتی کے مدعی ہیں وہ بلا تحقیق منافقوں اور دشمنانِ اسلام کے خیالات بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ''ہم نے قرآن اتارا، اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں''۔

جھوٹی روایتیں گھڑنے والے اصل میں قرآن کے'' وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ '' پر ایمان نہیں رکھتے۔ دنیا کی مذہبی کتابیں رکھنے والے متواتر تو کجا ، خبرِ آحاد سے بھی اپنی ایک روایت کو ثابت نہیں کرسکتے۔ تورات ، انجیل ، متعدد اوقات میں ، ظالم بادشاہوں کے زمانہ میں ، مثلاً بخت نصر کے زمانے میں ، جلا دیئے گئے۔ کسی کو کچھ یاد رہ گیا تو اس نے لکھ لیا۔ ان آسمانی کتابوں کو دیکھو۔ اصل کتاب تو کیا ملے گی ، اور اس کا ثبوت کیا دیں گے ، ان ترجموں کو بھی دیکھو، مختلف زمانوں میں ہر تھوڑے عرصہ کے بعد

ان کی اصلاح کی جاتی ہے۔ ان کتابوں میں کیا کیا ناقابلِ قبول روایتیں ہیں۔ معصوم پیغمبروں پر کس قدر جھوٹ باندھا گیا ہے۔ مثلاً لوط علیہ السلام کی نرینہ اولاد نہ تھی، تو اُن کی بیٹیوں نے اُن کو شراب پلا کر ناجائز اولاد حاصل کی۔ استغفراللہ!

قرآن کو دیکھو ابتداء سے لے کر اب تک ایک لفظ کی کمی زیادتی نہیں۔ مزید حفاظت اس طرح کی گئی کہ تراویح میں قرآن شریف پڑھا جاتا ہے، ذرا بھی غلطی ہوتی ہے تو سامع لقمہ دیتا ہے کہ صحیح یہ ہے۔ سبع اور عشرہ کی روایت چاہتے ہو، تو میرے دوست قاری کلیم اللہ حسینی اور قاری روشن علی صاحب سے اس کی روایت حاصل کرو۔ میں تو صرف حیدرآباد دکن کا ذکر کررہا ہوں۔ روئے زمین پر ہزارہا بلکہ لاکھوں حافظ ہیں، قراء ہیں جو قرآن شریف کی روایت اور حفاظت کر رہے ہیں۔ فقیر عبدالقدیر کو قرآن شریف حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور ابی بن کعبؓ سے پہنچا ہے۔ جس کی روایت موجود ہے، اور پچاس سال سے لوگ میرے پاس قرآن شریف پڑھتے ہیں اور اس کی روایت کرتے ہیں۔ قرآن شریف کی حفاظت تو اس طرح کی گئی ہے کہ زیر زبر تو کجا، تلفظ اور مخارج کی بھی غلطی باقی نہیں رہتی۔

اچھا سبع اور عشرہ میں جو کچھ اختلاف ہے، یہ کیسے ہے؟

بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عربوں کے مختلف قبیلے تھے، اور اب بھی ہیں۔ ہر ایک قبیلے کے پڑھنے میں تھوڑا تھوڑا فرق تھا، ہر ایک قبیلہ والا اپنی زبان کے مطابق پڑھتا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کے ایسے پڑھنے کو جائز رکھا۔ مگر یاد رکھو ان سب قراءتوں سے معنٰی میں کوئی تغیر نہیں آتا۔ نیز رسول اللہ ﷺ ہر رمضان میں جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن شریف کو دہراتے۔ اسی واسطے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اُنْزِلَ الْقُرْاٰنُ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ''۔

صاحبو! سبع کا لفظ عربی زبان میں کثیر اور متعدد کے معنٰی میں ہے۔ جو حضرات سبع کے لفظ پر اڑے ہوئے ہیں ان کی اس کے بیان کرنے میں مختلف رائیں ہوگئی ہیں، جن کی تعداد چالیس سے بھی زیادہ ہے۔

قرآن شریف میں ''سَبْعَ سَنَابِلَ'' اور سَبْعَةُ اَبْحُرٍ ''سَبْعَةِ اَیَّامٍ'' بھی ہے۔ ''سَبْعَ لَیَالٍ'' بھی ہے۔ سَبْعٌ کے معنٰی اگر متعدد اور کثیر کے لیں تو اس کے نبھانے میں کوئی دقت اور دشواری نہیں۔

کیا وجہ ہے کہ دوسری اور قراءتوں اور روایتوں سے زیادہ حفصؒ کی روایت مشہور ہوگئی ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ حفصؒ کی قراءت میں قریش کی زبان سے جو فصیح ترین زبان ہے بہت کم فرق ہے۔

صاحبو! قرآن شریف کا اگر صحیح تلفظ نہ کیا جائے تو معنٰی کچھ کے کچھ ہوجاتے ہیں مثلاً اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کی بجائے اگر اَلْهَمْدُ ہائے ہوز سے پڑھا جائے تو معنٰی ہوں گے: ''آگ بجھانا اللہ کے لئے ہے''۔ اگر عَالَمِیْنَ کو اَلَمِیْنَ یعنی بجائے عین کے ہمزہ سے پڑھا جائے تو اس کے معنٰی تو رنج والم کے ہوں گے۔ رَحْمَان اور رَحِیْمْ تو بے معنٰی ہیں۔ نَعْبُدُ کو اگر نَابُدُ پڑھیں تو معنٰی بھاگنے اور کراہت کرنے کے ہوں گے۔ نَسْتَعِیْنُ کو اگر نَسْتَائِنُ پڑھیں تو اس کے معنٰی رنج اور تکلیف کے ہوں گے۔ ضَآلِّیْن کو آ سے پڑھیں تو معنٰی ہے: ہدایت کرنے والے، یعنی ان کا راستہ نہ بتا جو ہدایت کرنے والے ہیں۔ میرے دوست پروفیسر الیاس برنی نے اس مسئلہ کو بہت تفصیل سے بیان کیا۔

اُصولِ تاویل

واضح ہو کہ بعض مسائل میں معنٰی الفاظ کے تابع ہوتے ہیں اور بعض میں الفاظ معنٰی مقصود بالذات ہوتے ہیں۔ نقلیات

یعنی قرآن و حدیث و قانون میں لفظ مقدم ہے ، الفاظ سے جیسے معنٰی نکلتے ہیں وہی مراد لئے جاتے ہیں ۔ فلسفہ میں معنی مقدم ہیں ۔تقلیات میں تقسیماتِ اربعہ کا جاننا ضروری ہے ۔

تقسیمات الفاظ و معانی کے لحاظ سے تقلیات کی چار قسمیں ہیں :

(۱) باعتبارِ وضعِ لغت ۔ خاص ، عام ، مشترک ، ماوّل ۔

(۲) باعتبارِ استعمال ، معنائے وضعی وغیر وضعی میں ۔ حقیقت ، مجاز ، صریح ، کنایہ ۔

(۳) باعتبارِ ظہور و خفائے معنٰی ، جن کو متقابلات کہتے ہیں ۔

باعتبارِ ظہور ۔ ظاہر ، نص ، مفسر ، محکم

باعتبارِ خفاء ۔ خفی ، مشکل ، مجمل ، متشابہ

(۴) باعتبارِ کیفیتِ دلالت ۔ عبارۃ النص ، اشارۃ النص ، دلالۃ النص ، اقتضاء النص ۔

خاص وہ لفظ جو معنائے واحد کے لئے وضع کیا گیا ہو ۔

خاص کی تین قسمیں ہیں : (۱) خاصِ شخص (۲) خاصِ نوع (۳) خاصِ جنس ۔

(۱) خاصِ شخص : جو بہت سے افراد پر صادق نہ آئے ، جیسے زید ۔ اسی کو منطقی ، جزئی حقیقی کہتے ہیں ۔

(۲) خاصِ نوع : وہ کلی جو متحد الاغراض افراد پر صادق آئے ، جیسے مرد ، عورت ۔ منطقیین کے پاس ایک حقیقت اور ماہیت کو نوع کہتے ہیں ، جیسے انسان ۔

(۳) خاصِ جنس : وہ کلی جو مختلف الاغراض افراد پر صادق آئے جیسے ، انسان منطقیین کے پاس جنس وہ کلی ہے جو مختلف ماہیتوں پر صادق آئے جیسے حیوان ۔

حکمِ خاص قرآن کے لفظِ خاص پر عمل کرنا ضروری ہے ۔ خاص میں کسی طرح بیانِ تفسیر کی احتیاج نہیں ۔ وہ خود ظاہر و واضح ہوتا ہے ۔ اگر قرآن کے خاص کی مخالفت خبرِ واحد یا قیاس سے ہوتی ہے اور ان کے جمع کرنے سے خاص کے حکم میں کوئی تغیر نہ آتا ہو تو دونوں پر عمل ہوگا ورنہ خاصِ قران پر عمل ہوگا جو متواتر اور یقینی ہے ۔

مثلاً قرآن میں ہے : فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰن اور خبرِ واحد میں لَاصَلٰوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ہے پس مطلق قراءت فرض ہوگی اور قراءتِ سورہ فاتحہ واجب ہوگی نہ کہ فرض ۔

عام جو ایک سے زیادہ چیزوں کے لئے بوضعِ واحد موضوع ہو اور وہ غیر محصور ہو ، جیسے مُشْرِكُوْنَ يَا مُسْلِمُوْنَ اور مِنْ مَّا (جو شخص ، جو چیز) اور كُلٌّ وغیرہ ۔

عام دو قسم پر ہے : (۱) غیر مخصوص (۲) مخصوص ۔

(۱) عام غیر مخصوص : جس میں سے کوئی شئے خاص نہ کی گئی ہو ۔

حکمِ عام غیر مخصوص : ایسا عام ، خاص کی طرح قطعی ہے ، اس پر عمل لازم ہے ۔ قرآن کے عام کی خبرِ واحد یا قیاس سے تخصیص صحیح نہیں ۔ ہر قسم کے خطاب کے عموم میں حضرت ﷺ بھی داخل ہیں ۔

اگر یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ ، یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ کے ساتھ خطاب کیا گیا ہوتو اس میں اُمّت بھی داخل ہے۔
اگر پیغمبر کسی اُمّتی کو خطاب کرے تو حنفیہ کے پاس عام نہ ہوگا ، دوسرے ائمہ کے پاس عام ہے۔ جمع کو جمع کی طرف مضاف کریں تو پہلی جمع کا عدم دوسری جمع کے احاد میں ہر ایک کے مقابل نہیں ہوتا۔ مثلاً اَمْوَالِھِمْ تو اس کے معنٰی ہر ایک قسم کے مال کے نہیں ہیں۔ عام کسی مدح یا ذم کا متضمن ہوتا ہے تو حنفیہ کے پاس تمام افراد کو شامل ہوتا ہے جیسے: اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ۔ اگر شارع کسی حکم کو کسی علّت سے معلل کردے، مثلاً شراب کی علّت سکر بتائی ہوتو اس کو معیّن کے لئے عمومِ قیاسی سمجھا جائے گا۔

(۲) عام مخصوص وہ عام جس کے حکم سے بعض افراد علٰحدہ ہوجائیں تو اس خصوص کو عام کا تخصص کہتے ہیں۔ جیسے فَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ کے حکم سے وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ اسْتَجَارَکَ فَاَجِرْہُ پس فَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ عام مخصوص ہے۔ تخصص کبھی مجمل یا نامعلوم ہوتا ہے، جیسے اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۔ رِبٰوا مجمل ہے۔ حدیث میں اس کی گونہ تفصیل ہے۔

واضح ہو کہ قرآن مجمل ہوتو اس کی تفصیل حدیث سے، اور حدیث مجمل ہوتو اس کی تفصیل قیاس سے ہوتی ہے۔
تخصص، عام میں داخل نہ ہونے کے اعتبار سے مثل استثناء کے ہے اور مستقل وعلٰحدہ ہونے کے لحاظ سے مثل ناسخ کے ہے۔
عامِ مخصوص خواہ معلوم ہو یا نہ ہو ظنی ہے مگر واجب العمل ہے۔
عامِ بعد تخصیص بھی بقیہ افراد کے لئے حقیقت ہے۔
قرآن کے عام مخصوص کی تخصیص خبرِ احاد و قیاس سے ہوسکتی ہے۔

اگر عام کا صیغہ جمع یا اسم جمع کا ہوتو تین فرد باقی رہنے تک تخصیص ہوسکتی ہے جس عام کا صیغہ جمع یا اسمِ جمع کا نہ ہوتو ایک فرد باقی رہنے تک تخصیص ہوسکتی ہے۔ اگر جمع میں تین افراد نہ رہیں یا اسمِ جنس میں ایک فرد بھی نہ رہے تو یہ نسخ ہوگا نہ کہ تخصیص

مشترک | وہ لفظ جو مختلف وضع سے متعدد معانی کے لئے وضع کیا گیا ہو۔
عمومِ مجاز جائز ہے اور عمومِ مشترک جائز نہیں۔
لفظِ مشترک سے وقتِ واحد میں کئی معنٰی نہیں لئے جاسکتے اگر ایک معنٰی معین ہوجائے تو پھر دوسرا معنٰی نہیں لیا جاسکتا۔
بعض دفعہ لفظِ مشترک کے ایک ایسے مجازی معنٰی لئے جاتے ہیں جو حقیقت پر بھی صادق آتے ہیں اس کو ''عمومِ مجاز'' کہتے ہیں جو جائز ہے کیونکہ اس وقت مجاز ہی مقصود ہوتا ہے۔
عمومِ مشترک یعنی مشترک سے کئی حقیقی معنٰی مراد نہیں لئے جاسکتے۔

ماوّل | لفظِ مشترک کے متعدد معانی میں سے ایک معنٰی مجتہد کی غالب رائے سے متعین ہوجائے تو وہ ماوّل ہے۔
حکم ماوّل: وہ ظنی ہے مگر واجب العمل ہے۔
ہم حقیقت ومجاز کی تعریف اور احکام سے پہلے دلالت کے اقسام بیان کرتے ہیں۔

دلالت مطابقی | لفظ کا پورے معنائے موضوع لہ، پر دلالت کرنا ہے۔

دلالتِ تضمنی لفظ سے پورے معنائے موضوع لہ، کے ضمن میں جز کا سمجھ میں آنا دلالتِ تضمنی ہے۔

دلالتِ التزامی لفظ سے خارج، مگر لازمِ معنی کا سمجھ میں آنا دلالتِ التزامی ہے۔

حقیقت لفظ کا معنئ موضوع لہ، میں مستعمل ہونا۔

مجاز لفظ کا معنائے غیر موضوع لہ، میں کسی قرینہ اور علاقہ سے مستعمل ہونا۔

علاقہ مجاز، مشابہت و مجاورت ہے جس میں علاقہ مشابہت ہو وہ استعارہ ہے۔ جس میں علاقہ مجاورت ہو وہ مجازِ مرسل ہے

استعارہ میں تین چیزیں ہوتی ہیں: وجہ شبہ، مستعار، مستعارلہ۔

مستعارلہ، یا مشبہ بہ، جس سے تشبیہ دی جاتی ہے، جیسے اسد (شیر)۔

مستعار یا مشبہ، جس کو تشبیہ دی جاتی ہے۔ جیسے زید جو شجاع ہے۔

وجہ شبہ، وہ وصف، جو مشبہ و مشبہ بہ میں پایا جاتا ہے، جیسے شجاعت۔

یہ اصطلاح، علمائے بیان کی ہے۔ علماءِ اصول کے پاس استعارہ و مجاز ہم معنٰی ہیں۔

علمائے اصول کے پاس علاقۂ تشبیہ کو اتصالِ معنوی اور مجازِ مرسل کو اتصالِ صوری کہتے ہیں۔

اتصالِ صوری، سبب و مسبب، علت و معلول، جزء و کل وغیرہ میں ہوتا ہے۔

علت و معلول میں تلازم رہتا ہے اس لئے علت کہہ کر معلول، اور معلول کہہ کر علت مراد لے سکتے ہیں۔ جیسے شراء و ملک کہ شراء علت ہے اور ملک معلول۔ پس شراء کہہ کر ملک اور ملک کہہ کر شراء مراد لے سکتے ہیں۔

سبب مسبب کا محتاج الیہ ہے۔ مسبب، سبب کا محتاج الیہ نہیں۔ اس لئے سبب کہہ کر مسبب مراد لے سکتے ہیں۔ مسبب کہہ کر سبب مراد نہیں لے سکتے جیسے طلاق و آزادی۔ پس آزادی سے طلاق مراد لے سکتے ہیں۔ طلاق سے آزادی مراد نہیں لے سکتے۔ پس اگر کوئی اپنی زوج سے کہے: میں نے تجھ کو آزاد کیا اور طلاق مراد لی تو ہوسکتا ہے اور لونڈی سے کہے میں نے تجھ کو طلاق دی اور آزادی مراد لی، تو صحیح نہیں۔

حکمِ حقیقت و مجاز: حقیقت کے لئے قرینہ کی ضرورت نہیں۔ مجاز کے لئے قرینہ کی ضرورت ہے۔ ایک لفظ سے ایک استعمال میں معنئ حقیقی و مجازی مراد نہیں ہوسکتے۔

حقیقت کی تین قسمیں ہیں: (۱) متعذر (۲) متروک (۳) مستعمل۔

(۱) متعذر، جس کا سمجھ میں آنا دشوار ہے (۲) متروک، جس کو محاورہ میں ترک کردیا گیا ہو۔

(۳) مستعمل، جو محاورہ میں مستعمل ہو۔

اگر حقیقی معنٰی متعذر یا متروک ہوں تو مجازی معنٰی لئے جائیں گے۔ اگر حقیقت و مجاز دونوں مستعمل ہوں یا حقیقت کثیرالاستعمال ہو تو حقیقت اولٰی ہے۔ اگر حقیقت مستعمل ہو مگر مجاز، متعارف یعنی کثیر الاستعمال ہو تو امام کے پاس حقیقت اولٰی ہے، اور صاحبین کے پاس مجازِ متعارف اولٰی ہے صحتِ مجاز کے لئے معنئ حقیقی کا ممکن ہونا شرط ہے، اگر حقیقت ممکن نہیں تو کلام، لغو ہے۔

قرائنِ مجاز : (۱) عادۃً لغوی معنٰی متروک ہوں۔

(۲) سیاقِ کلام، مرادِ حقیقت سے اباء و انکار کرے۔

(۳) قصد و ارادہ کلام ترکِ حقیقت پر دلالت کرے۔

(۴) محلِ کلام، حقیقی معنٰی سے اباء و انکار کرے۔

صریح و کنایہ صریح: وہ واضح معنی ہے جس پر لفظ بلا قرینہ دلالت کرے۔ حکم صریح کے لئے نیت ضروری نہیں۔

کنایہ: وہ غیر واضح معنے جس کے سمجھنے کے لئے قرینہ کی ضرورت ہو، حقیقتِ متروکہ (مہجورہ) کنایہ میں داخل ہے۔ مجازِ متعارف صریح میں داخل ہے۔

حکمِ کنایہ: کنایہ کے لئے نیت یا دلالتِ حال کی ضرورت ہے۔

متقابلات

ظاہر، نص، مفسّر، محکم ۔ جو کلام ظاہر المراد ہو، وہ قابلِ تاویل ہوگا یا نہ ہوگا۔ اگر نا قابلِ تاویل ہو اور ظہور، محض الفاظ سے ہو تو ظاہر ہے۔

اگر ظہور معنی لفظ کو سیاقِ عبارت سے بھی تائید ہوتی ہو تو نص ہے۔

جو کلام قابلِ تاویل ہو تو وہ یا تو نا قابلِ نسخ ہوگا یا قابلِ نسخ ہوگا۔ اگر قابلِ نسخ ہو تو مفسر ہے۔ اگر نا قابلِ نسخ ہو تو محکم۔

خفی، مشکل، مجمل، متشابہ ۔ جو کلام خفی المراد ہو اور وجہِ خفا نفسِ لفظ نہ ہو بلکہ لفظ کے سوا کوئی عارضی سبب ہو تو خفی اگر خفائے مراد نفسِ لفظ سے ہو تو یا تو قرائن میں غور و تامل سے خفا دور ہوسکتا ہوگا یا نہ ہوگا۔ اگر غور و تامل سے وہ خفا دور ہوسکتا ہو تو مشکل ہے۔ اگر ہمارے تامل سے خفا دور نہ ہوسکتا ہو تو یا تو تفسیر کی اُمید ہوگی یا نہ ہوگی۔ اگر تفسیر کی اُمید ہو تو مجمل ہے اور تفسیر کی اُمید نہ ہو تو متشابہ ہے۔

حکمِ ظاہر ظاہر پر علم و عمل قطعاً واجب ہے۔

ہر حکم کا بلا وجہ وجیہ محتملِ مجاز ہونا صرف احتمالِ عقلی ہے جو غیر معتبر ہے لہذا ظاہر کی قطعیت و وجوب پر نرا احتمالِ مجاز کوئی اثر نہیں ڈال سکتا۔

حکمِ نص نص پر علم و عمل واجب ہے مگر عقلاً عام، محتملِ تخصیص ہے اور حقیقت، محتملِ مجاز مگر چونکہ یہ احتمال بھی دلیل سے ناشی نہیں لہذا نص کی قطعیت پر کوئی اثر نہیں ڈالتا۔

حکمِ مفسّر مفسر پر علم و عمل قطعاً واجب ہے۔ مفسر میں احتمالِ عقلی نسخ کا ہے۔

حکمِ محکم محکم واجب الیقین اور واجب العمل ہے: اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ○

ترجیح بوقتِ تعارض۔ تعارض کی صورت میں ظاہر پر نص کو، نص پر مفسر کو، مفسر پر محکم کو ترجیح ہوگی۔

حکمِ خفی خفی کے معنٰی دریافت کرنے میں تفتیش کرنی چاہیئے کہ یہ خفا اور عدمِ ظہور آیا معنٰی کی زیادتی سے ہے جیسے طرار (کیسہ بر) میں چوری کے معنٰی کی زیادتی ہے، یا معنٰی کی کمی سے، جیسے نباش یعنی کفن چور میں عدم حفاظت کی وجہ سے چوری کے معنٰی کی کمی ہے تو معنٰی کی زیادتی کی صورت میں حکم متعلق ہوگا اور کمی کی صورت میں حکم متعلق نہ ہوگا۔

حکمِ مشکل مرادِ متکلم یعنی مرادِ خدا اور رسول پر اعتقاد رکھنا، پھر سیاق وسباق اور قرائن وغیرہ میں کافی تامل کرنا تاکہ معنٰی ظاہر ہوجائیں۔

حکمِ مجمل اللہ کی مراد پر ایمان رکھے۔ شارع کے کلام سے بیان کو طلب کرے۔ مجمل کا بیان گو نہ مفصل ہوتا ہے جیسے لفظ صلوٰۃ کی تفسیر۔ بعض دفعہ مجمل کا بیان بہ ہرگونہ مجمل رہتا ہے اور تفصیل کے لئے تلاش اور غور کی ضرورت ہوتی ہے۔

حکمِ متشابہ اللہ کی مراد پر ایمان رکھے۔ اور اس پر کہ حضرت ﷺ کو متشابہات کے معنٰی معلوم تھے اور ہم کو بھی قیامت کے دن معلوم ہوجائیں گے، قدیم بزرگوں کا یہی طریقہ تھا۔

جب معتزلہ اور مجسمیہ وغیرہ بدعتیوں سے کام پڑا تو متاخرین نے بھی متشابہات کی مناسب تاویل شروع کردی۔

بیان: مبہم، مجمل، مشکل کلام، محتاجِ بیان رہتا ہے۔

بیان، مقصود کے ظاہر کرنے کا نام ہے۔ کبھی بیان اس کلام کو کہتے ہیں جس سے مقصود ظاہر کیا جائے۔

وجوہ بیان پانچ ہیں: تفسیر۔ تقریر۔ تغییر۔ ضرورت۔ تبدیل۔

بعض لوگ بیانِ تبدیل کو نسخ کہتے ہیں۔ بعض لوگ استثناء کو بیانِ تغییر اور شرط کو بیانِ تبدیل کہتے ہیں اور نسخ کو اقسامِ بیان میں شریک نہیں کرتے۔

قرآن کا بیانِ تفسیر وتقریر، خبرِ واحد سے جائز ہے مگر تغییر، خبرِ واحد سے جائز نہیں کیونکہ خبرِ واحد، قرآن سے قوت میں کم ہے اس لئے خبرِ واحد سے حکمِ قرآن میں تغیر نہیں ہوسکتا۔

وقتِ ضرورت وعمل سے بیان کی تاخیر جائز نہیں۔ ہاں وقتِ خطاب سے بیانِ تقریر وتفسیر کی تاخیر جائز ہے۔

بیانِ تفسیر بعض دفعہ کلام کی مراد بوجہ کلام کے مجمل یا مشترک یا خفی یا مشکل ہونے کے واضح نہیں ہوتی۔ اس کی توضیح کا نام تفسیر ہے۔

بیانِ تقریر بعض دفعہ کلمہ یا کلام کے معنٰی ظاہر ہوتے ہیں مگر ان میں مجاز یا خصوص کا احتمال باقی رہتا ہے۔ پس بیانِ تقریر سے ایسی تاکید کی جاتی ہے کہ احتمال، غیر کا رفع ہوجائے۔

بیانِ تغییر جس سے لفظ کے ظاہر معنٰی میں تغیر آجائے وہ بیانِ تغییر ہے۔

بیانِ تغییر میں مغیر کا متصل اور کلامِ غیر کا مستقل ہونا ضروری ہے۔

بیان تغییر کے کئی اقسام ہیں :-

شرط ۔ استثناء ۔ صفت ۔ غایت ۔ قرینہ ۔ مجاز ۔

استثناء مستثنٰی منہ سے مستثنٰی کی مقدار نکالنے کے بعد جو کچھ باقی رہے اس کو بیان کرنا مقصود ہو ۔

شرط لغت میں موقوف علیہ کو کہتے ہیں ۔

شرط دو طرح پر ہے : (۱) وہ امر خارجی جس پر شئے موقوف ہو مگر اس پر حکم مرتب نہ ہو ۔

(۲) وہ شئے جس پر حکم مرتب ہو ۔

پہلے معنٰے کے لحاظ سے انتفاءِ مشروط ہوتا ہے ۔ دوسرے معنٰی کے لحاظ سے انتفاءِ شرط سے انتفاءِ مشروط ضروری نہیں ۔ کیونکہ ممکن ہے کہ کسی اور شرط سے مشروط ہو کر پایا جائے ۔

شرط دو قسم پر ہے : (۱) عقلی (۲) شرعی ۔

(۱) شرطِ عقلی : جس کے شرط ہونے کا حکم عقل نے کیا ہو، جیسے وجودِ عرض کے لئے وجودِ جوہر شرط ہے ۔

(۲) شرطِ شرعی : جس کو شرع نے مشروط کیا ہو، جیسے نماز کے لئے وضو ۔

شرط بھی خصصاتِ متصلہ سے ہے جو چیز شرط پر متعلق ہوتی ہے وہ اس وقت تک سببِ حکم نہیں بنتی جب تک شرط نہ پائی جائے پس ۔ معلق بالشرط کا وجود شرط کے وقت سبب بنے گا ، وقت سے پہلے نہ بنے گا ۔ شرط موجود نہ ہونے تک معلق بالشرط اپنے عدمِ اصلی کے سبب سے معدوم رہتا ہے نہ کہ عدمِ شرط کی وجہ سے تعلیق ، ملک یا سببِ ملک سے وابستہ ہوتی ہے ۔

تغییرِ حکم بہ صفت صفت دو طرح کی ہے :

(۱) جو ذات کی قید ہو ۔

(۲) جو اتفاقی ہو ۔ پس صفت سے بھی حکم میں تغییر ہوتی ہے ۔

صفت کے تین درجے ہیں : ادنٰی ۔ اوسط ۔ اعلٰی ۔

ادنی ۔ وہ صفت جو قیدِ اتفاقی ہو اور اس سے غرض متعلق نہ ہو، جیسے رَبَآئِبُكُمُ الّٰلاتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ میں "فِیْ حُجُوْرِكُمْ" قیدِ اتفاقی ہے ۔

اوسط ۔ وہ صفت جو شرط کے معنٰی میں ہو، جیسے مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ میں "مُؤْمِنَات" بطورِ شرط ہے ۔

اعلی ۔ وہ صفت جو علت کے معنٰی میں ہو، جیسے السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ اہلِ اصول کے پاس علت کے انتفاء سے معلول کا انتفاء ضروری نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ معلول دوسری علت کے ساتھ پائے جائے ۔ اعلٰی کا جب یہ حال ہے تو دوسری صفات کے انتفاء سے معلول کا انتفاء کیونکر لازم آئے گا ۔

تغییر بغایت | غایت دوطرح پر ہے۔

(۱) یہ کہ فعل کے کسی چیز یا کسی جگہ پر منتہی ہونے پر دلالت کرے اور وہ چیز یا مکان اس حصہ سے باہر ہو۔

(۲) یہ کہ وہ چیز یا مکان اس حصہ سے باہر نہ ہو۔

اگر غایت (یعنی انتہائی حد) مغیا سے (یعنی اس چیز سے جس کی انتہا ہوتی ہے) علحدہ بذاتِ خود قائم ہو اور معنٰی کے وجود کی محتاج نہ ہو، تو معنٰی میں داخل نہ ہوگی۔ مثلاً گھر اس دیوار سے اس دیوار تک ہے تو دونوں دیواریں خارج ہوں گی۔

اگر غایت بنفسہ قایم نہ ہو تو اس کی دوصورتیں ہیں:

(۱) اگر غایت کو صدرِ کلام یعنی ابتدائی حصہ کلام شامل ہوگا تو وہ غایت، مغیا کے حکم میں داخل ہوگی اور اس کا حکم اپنے ماسوا کے اخراج کے لئے ہوگا جیسے اِلَی الْمَرَافِقِ تو ہاتھ دھونے میں کہنیاں داخل ہوں گی۔

(۲) اگر صدرِ کلام میں غایت شامل نہ ہو یا اس کے شامل ہونے میں شبہ ہو تو مُـغَیَّـا میں غایت داخل نہ ہوگی۔ اور حکم اس حدتک ممتد ہوکر رہ جائے گا: ''اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی اللَّیْلِ'' تو رات روزہ میں داخل نہ ہوگی۔

بیانِ ضرورت | گو بیانِ ضرورت کے لئے کوئی دلالت کرنے والا لفظ نہیں ہے مگر مقتضائے کلام کی ضرورت سے وہ بیان حاصل ہوتا ہے۔ بیانِ ضرورت کی چار قسمیں ہیں جن میں سکوت، خود مراد پر دلالت کرتا ہے۔

(۱) بیان ایسا واضح ہو کہ مثل کلام کے ہو، مثلاً کیا زید آیا؟ کے جواب میں صرف ''آیا''۔

(۲) متکلم کا حال، بیانِ مراد پر دلالت کرے مثلاً باکرہ کا سکوت اطلاعِ نکاح پر حکم میں اذن کے ہے۔

(۳) دھوکہ کے دفع کے لئے مثلاً شفیع کا سکوت اطلاعِ بیع پر حکم میں اذن کے ہے۔

(۴) دفعِ طولِ کلام کے لئے مثلاً پانچ سو دو روپے بہ عوض پانچ سو روپے اور دو روپیہ کے ہوں گے۔

بیانِ تبدیل یا نسخ | اگر ایک زمانہ میں اقتضائے مصلحت سے ایک حکم دیا گیا ہو اور دوسرے زمانے میں مصلحت بدل جانے کی وجہ سے دوسرا حکم دیا گیا ہو تو پہلا حکم منسوخ اور دوسرا ناسخ ہے۔ منسوخیت کا محل ممکن ہے کہ عقل ہو، پس جو حکم عقلی یا واجب لذاتہ ہو جیسے ایمان یا ممتنع لذاتہ ہو جیسے کفر، وہ منسوخ نہیں ہوتا جو تابید اور دوام پر دلالت کرے جیسے نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔

اب کوئی حکم منسوخ نہیں ہوسکتا کیونکہ رسولِ اکرم ﷺ کا انتقال ہوچکا ہے جو ناسخ کے بیان کرنے والے تھے۔

دوام، صریح لفظ سے ثابت ہوتا ہے یا دلالت سے۔

اگر ایک خاص وقت کے لئے ایک حکم دیا گیا تھا اور وقت کے گزر جانے کے بعد وہ حکم اُٹھ گیا تو اس کو نسخ نہیں کہتے۔ عمل سے پہلے بھی حکم کا نسخ ہوسکتا ہے۔ ضعیف، قوی کا ناسخ نہیں ہوسکتا لہذا قیاس، اجماع کا، اجماع، خبرِ احاد کا اور وہ خبرِ متواتر کا یا قرآن کا ناسخ نہیں ہوسکتا۔

اکثر کا قول ہے کہ قرآن کا نسخ ، خبرِ متواتر سے جائز ہے۔

نص کا کوئی وصف جاتا رہنا بھی نسخ ہی کی ایک قسم ہے۔ مثلاً کسی نص کے عموم یا اطلاق کا جاتا رہنا بھی نسخ ہی ہے۔

احادیثِ مشہورہ سے قرآنِ مجید پر زیادتی جائز ہے۔ خبرِ متواتر و مشہور کے سوائے دوسرے سے زیادتی جائز نہیں ، نہ خبرِ واحد سے نہ قیاس سے۔

نسخِ حکم بغیر بدل کے بھی جائز ہے۔

ایک حکم کا نسخ دوسرے ایسے حکم سے جو اوّل سے کمتر یا برابر بلکہ سخت تر ہو تو بھی جائز ہے۔

حملِ مطلق و مقید | نصِ مطلق و مقید کے وارد ہونے کی پانچ صورتیں ہیں :

۱۔ غیرِ حکم میں وارد ہوں ، مثلاً اسباب و شروط میں تو مطلق کا حمل مقید پر نہ ہوگا۔

۲۔ ایک ہی حکم ایک ہی حادثہ میں وارد ہو تو مطلق کو مقید پر حمل کیا جاتا ہے۔

۳۔ مطلق و مقید ایک ہی حکم میں وارد ہوں اور حادثے دو ہوں ، تو حنفیہ کے پاس مطلق کا حمل مقید پر نہ کیا جائے گا۔

۴۔ ’’ حادثہ ایک ہو اور حکم دو ہوں ! تو حنفیہ کے پاس مطلق کا حمل مقید پر نہ ہوگا۔

۵۔ دو حکم دو حادثوں میں وارد ہوں تو مطلق کا حمل باتفاق مقید پر نہ ہوگا۔

مفہوم | امام شافعیؒ کے پاس مدلولِ مطابقی و تضمنی کو منطوق اور مدلولِ التزامی کو مفہوم کہتے ہیں۔

مفہوم کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ **مفہوم موافق** : مسکوت عنہ نفی و اثبات میں منطوق کے حکم میں ہو۔

۲۔ **مفہومِ مخالف** : مسکوت عنہ اس حکم میں منطوق کے مخالف ہو۔

مفہومِ مخالف کی شرط یہ ہے کہ:

(۱) منطوق کا ذکر بطریقِ عادت کے نہ ہو۔

(۲) مفہومِ مخالف منطوق سے اولیٰ یا اس کے مساوی نہ ہو۔

(۳) منطوق کسی سوال کے جواب میں نہ ہو۔

(۴) کسی حادثہ کی بناء پر نہ ہو۔

(۵) نہ اس لئے ہو کہ سامعِ ناواقف ، اس حکم سے واقف ہو جائے۔

مفہومِ مخالف کے اقسام | (۱) مفہومِ لقب (۲) مفہومِ عدد (۳) مفہومِ وصف (۴) مفہومِ شرط۔

حنفیہ کے پاس کسی شئے کے بیان سے دوسرے کی نفی نہیں نکلتی۔ سب سے قوی تر چیز شرط و علت ہے مگر ہوسکتا ہے کہ

ایک علت وشرط نہ پائی جائے تو معلول ومشروط دوسری علت یا شرط کے ساتھ پایا جائے۔

متعلقاتِ نصوص جس سے الفاظ کے معنٰی پر دلالت کرنے کی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔متعلقاتِ نصوص چار ہیں:

(۱) عبارۃ النص (۲) اشارۃ النص (۳) دلالۃ النص (۴) اقتضاء النص۔

عبارۃ النص وہ حکم جو معنیِ لفظ وسیاق ومقصودِ کلام سے ثابت ہو۔

اشارۃ النص وہ حکم جو الفاظِ کلام سے بغیر زیادت کے ثابت ہو مگر سیاق اس کے لئے نہ ہو چونکہ اشارہ میں سیاق مدد نہیں دیتا لہذا بہ نسبت عبارت کے اشارہ میں خفاء مراد ہے، عبارت و اشارہ دونوں لفظ سے ثابت ہوتے ہیں لہذا ان میں عموم بھی ہوتا ہے خصوص بھی۔عبارت و اشارہ میں تعارض ہو تو عبارت کو اشارہ پر ترجیح ہے۔

دلالۃ النص الفاظ سے ایک حکم نکلتا ہے۔اس کی علّت ایسی واضح ہوتی ہے کہ ہر زبان داں اس کو سمجھتا ہے۔ کسی قیاسِ فقہی و اجتہاد کی ضرورت نہیں۔نیز قیاسِ فقہی ظنی ہے اور دلالۃ النص قطعی ہے۔اس سے حدود و کفارات تک ثابت ہوتے ہیں دلالۃ النص کی مثال وَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ تافیف یعنی اُف کہنے کی علّت ایذا رسانی ہے۔

دلالت بغیر واسطہ کے ثابت ہوتی ہے اور اشارہ بواسطہ علت کے، دلالت غیر مقصود ہوتی ہے اور اشارہ مقصود۔

دلالت و اشارۃ النص میں تعارض ہو تو بعض کہتے ہیں کہ قوی تر کو ترجیح ہے اور بعض کے پاس علی العموم اشارہ کو ترجیح ہے

اقتضاء النص وہ تقدیر ہے جو نص کی تصحیح کے لئے کی جاتی ہے کیونکہ بغیر مقتضاءِ نص کے معنٰی متحقق نہیں ہوسکتے۔

اشارۃ النص بھی قطعی ہے۔وقتِ تعارض اشارہ کو اقتضاء پر ترجیح ہے۔اقتضاء النص کو عموم نہیں کیونکہ وہ لفظ نہیں اقتضاء النص، بقدرضرورت مانا جائے گا۔

تاویلِ وجودی اکثر لوگ باہم اختلاف کرتے ہیں، ایک شخص ایک قسم کا وجود مانتا ہے اور دوسرا دوسری قسم کا۔کسی قسم کا وجود نہ ماننا تو تصریح انکار ہے۔اعلیٰ قسم کا وجود جب تک محال ثابت نہ ہو، ادنیٰ قسم کا وجود مان لینا، انکار نہیں ہے، مگر ایک قسم کا جہل و تعدی ضرور ہے۔

امام محمد غزالیؒ نے اعلیٰ وجود کے محال نہ ہونے کے وقت ادنیٰ درجے کے وجود کے قائل کی تکفیر کی ہے۔

وجود کی کئی قسمیں ہیں:

(۱) وجودِ خارجی یا عینی یا شہادی یا ذاتی

(۲) وجودِ خیالی یا حسی

(۳) وجودِ عقلی

(۴) وجودِ شبہی

(۵) وجودِ مجازی

وجودِ مجازی کی دو قسمیں ہیں :

(۱) مجازِ عقلی

(۲) مجازِ لغوی

وجودِ خارجی ہمارے ذہن، حس اور عقل سے خارج ذاتِ شے کا وجود مثلاً زید ہے، یعنی خارج میں اپنی ذات سے ہے۔ ہم نے ذاتِ زید کو دیکھ کر اس کو موجود فی الخارج ادراک کیا ہے۔

وجودِ خارجی یا ذاتی بھی دو قسم کا ہے :

(۱) ایک لذاتہ یعنی دوسرے سے مستفاد نہیں بلکہ خود بخود بے واسطہ ہے مثلاً خدائے تعالیٰ موجود ہے۔

(۲) دوم بواسطہ: ممکنات و مخلوقات کا وجود لذاتہ نہیں ہے بلکہ قدرت و خلق و امرِ الٰہی سے موجود ہے مثلاً زید ہے یعنی خدا کے پیدا کرنے سے یا مثلاً نورِ شمس ہے یعنی لذاتہ اور قسم منور ہے یعنی مستفاد نورِ شمس سے ہے۔ وہ جو للذات و بالذات ذاتِ حق میں منحصر ہے۔

وجودِ خیالی یا حسی یعنی ہم خارج میں زید کو دیکھ کر اس کے فوٹو اور صورت کو اپنے حاسہ میں لاتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ حواسِ خمسہ ظاہری سے تمام صورتیں حسِ مشترک میں جو ایک خاص قوت ہے، جمع ہوجاتی ہیں اور ہم کو نظر آتی اور محسوس ہوتی ہیں۔ بہر حال جب حسِ مشترک سے التفات ہٹ جاتا ہے تو یہ صورتیں اس کے خزانہ میں جس کو خیال کہتے ہیں، مخزون و جمع ہوجاتی ہیں۔ پھر جب دوبارہ التفات کرتے ہیں تو پھر حسِ مشترک میں واپس آ کر پھر نظر آتی ہیں مثلاً ہم نے زید کا ایک زمانے کے بعد خیال کیا اور اس کی صورت، خیال سے حسِ مشترک میں آ کر نظر آ گئی۔

خیال دو قسم کا ہے: (۱) خیالِ متصل، ہمارا اپنا خیال

(۲) خیالِ منفصل، عالم کا خیال جس کو عالمِ مثال کہتے ہیں۔

یہ ہمارا خیال، ہمارے تحتِ قدرت ہے جب چاہیں دیکھ لیں اور عالمِ مثال ہمارے تحتِ قدرت نہیں، خواب میں خیالی صورتیں نظر آتی ہیں۔ اگر یہ خیالی صورتیں خود ہم سے پیدا ہوتی ہیں تو یہ خواب اضغاثِ احلام یعنی واہی تباہی خواب ہے، اگر عالمِ مثال سے صورتیں نظر آئیں تو ''رؤیاءِ صادقہ'' ہے۔

بعض دفعہ خود ہمارا تخیل، قوی ہوکر نہ صرف ہم کو بلکہ دوسروں کو بھی نظر آتا ہے۔ ہمارے شخصی خیال سے عالمِ مثال کو ایک ربط ہے۔ ہمارا شخصی خیال ایک نقطہ پر جم جاتا ہے تو عالمِ مثال جلد منکشف ہوجاتا ہے۔ اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے ہمارا مضمون ''عالمِ مثال'' رسالہ ''حکمت اسلامیہ'' میں ملاحظہ ہو۔

وجودِ عقلی صور و خیال و خصوصیات سے مجرد ہوکر ایک کلی و مطلق و مجرد معنٰی کا وجود، وجودِ عقلی یا وجودِ مجرد کہلاتا ہے مثلاً غضب ایک قوت ہے کہ دفعِ اعداء اور ان پر غلبہ حاصل کرتی ہے۔ ہمارے غضب میں اس قوت کے اظہار کے وقت خونِ دل بہ غرضِ انتقام جوش کرتا ہے اور چہرہ سرخ ہوجاتا ہے۔ غضبِ کلی میں جوشِ خونِ دل کو دخل نہیں۔ پس غضب اللہ میں جوشِ خونِ دل نہیں ہے، بلکہ اس کی حقیقت ہے جو لوازم جسمِ بشری سے پاک ہے اور جس کے لئے وجودِ خیالی نہیں بلکہ وجودِ عقلی ہے۔

وجودِ شبہی ایک شئے سے اس کا شبیہ مراد لینا یا یوں سمجھو کہ ایک شئے کا اس کے شبیہ و مشابہ کی صورت میں نظر آنا، مثلاً حضرت ﷺ نے علم کو دودھ کی صورت میں دیکھا یا مثلاً قہر کو کسی نے آگ کی صورت میں دیکھا، یا غضب کو شیر کی صورت میں یا طاعون کو ہاتھی کی صورت میں، یا اسماء وصفاتِ الٰہی کو بعض بعض تشبہی صورتوں میں۔ پس قہرِ خدا کا وجودِ شبہی آگ ہے۔ وجودِ شبہی میں سے اس کی حقیقت کی طرف راہ نکال لینا، تشبہی خواب یا کشف کی تعبیر دینا لیاقت کا کام ہے۔ اگر کسی نے یہ کہا کہ قہرِ الٰہی قیامت میں آگ کا تمثل لیتا ہے تو بالکل صحیح ہے یا کسی نے قہرِ الٰہی کو آگ کہا یا آگ کی حقیقت، قہرِ الٰہی بتائی تو بھی بالکل درست ہے، یا کسی نے حجرِ اسود کے یمین اللہ ہونے کے یہ معنٰی بتائے کہ جس طرح ہاتھ بغرضِ تعظیم چوما جاتا ہے اسی طرح بغرضِ تعظیمِ شعائرُ اللہ حجرِ اسود چوما جاتا ہے، اس لئے حجرِ اسود کو یمین اللہ کہنا درست ہے۔ غرض کہ وجودِ شبہی میں ایک قسم کا استعارہ ہوتا ہے جو لوگ واقف ہیں خوب سمجھتے ہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہے، اور جو کچھ ہورہا ہے، وہ سب عینِ ثابت کی تشبیہات و تمثیلات ہی ہیں۔

وجودِ مجازی کسی علاقہ کی وجہ سے ایک شئے سے اس کا متعلق مراد لیا جائے مثلاً کسی نے کہا کہ ایسی زور کی بارش ہوئی کہ پرنالے بہ رہے تھے، تو پرنالے کی طرف بہنے کی نسبت اس کے مجاور (یعنی قریب کی چیز پانی) کی وجہ سے ہے۔ پس اس نسبتِ مجازی کی وجہ سے ہم پرنالے کے بہنے کے منکر نہیں۔ دیکھو" یَاهَامَانُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا " میں بناء کی نسبت ہامان کی طرف کی گئی ہے کیونکہ وہ حکم دینے والا تھا" وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ " میں عدمِ علم کی نسبت اللہ کی طرف ہے حالانکہ وہ حضرت ﷺ کی صفت ہے اس علاقہ سے کہ حضرت ﷺ خلیفۃ اللہ اور رسول ہیں۔ میں ان تمام مباحث کو یہاں اس مختصر مقدمہ میں بہ تفصیل نہیں بیان کرسکتا۔ بالجملہ اعلیٰ درجہ کا وجود جب تک ممکن ہو ادنیٰ قسم کا وجود نہ لینا چاہئیے۔ اپنے جہل و ناواقفیت کی وجہ سے جس طرح انکار درست نہیں اسی طرح تاویلِ بعید بھی بعید عن الحق ہے۔

واضح ہو کہ قرآن شریف کا امر، وجوب اور فرضیت پر دلالت کرتا ہے۔ اس کے خلاف، اباحت کے لئے قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے جیسے" اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا " یعنی جب احرام کھول دو، شکار کرسکتے ہو، اور اب شکار کرنے کی ممانعت باقی نہیں اسی طرح نہی یعنی امتناعی حکم کے لئے حرمت ہے، کراہت کے لئے قرینہ کی ضرورت ہے۔

مسئلۂ عدمِ نسخِ قرآن

اب مسئلۂ عدمِ نسخِ قرآن کے متعلق کچھ توضیحات دیئے جاتے ہیں: نَسَخَ الشَّیءَ یَنْسَخُهٗ نَسْخًا : اَزَالَهٗ اس نے شئے کو زائل کردیا۔ یُقَالُ نَسَخَتِ الشمسُ الظِّلَّ وَالشَّیْبُ الشَّبَابَ اَیْ اَزَالَهٗ : دھوپ نے سائے کو، بڑھاپے نے جوانی کو زائل کردیا: وَنَسَخَتِ الرِّیْحُ اٰثَارَ الدَّارِ وَغَیَّرَتْهَا : ہوا نے گھر کے آثار کو کھنڈر و متغیر کردیا۔ وَفُلَانٌ الشَّیْءَ اَبْطَلَهٗ ؛ اور فلاں نے اس شئے کو باطل کردیا: وَاَقَامَ شَیْئًا اٰخَرَ مَقَامَهٗ اور ایک دوسری شئے کو اس جگہ قائم کردیا۔

قرآن شریف کی آیتوں اور احکام کے منسوخ ہونے میں اختلاف ہے۔ قرآن شریف کے تمام ادیان و ملل اور جاہل اقوام کے رسوم و عادات و احکام کے ناسخ ہونے میں، ان میں تغیر پیدا کرنے میں نہ ہم کو نہ کسی اور کو کوئی اختلاف ہے۔ ان مفسرین کے اختلافات کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض کے پاس آیاتِ احکام میں سے آدھے ناسخ و منسوخ ہیں، چنانچہ اس موضوع پر بڑی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ابن العربی نے اس تعداد کو گھٹایا۔ حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ نے منسوخ آیتوں کی تعداد ۲۱ تک مانی۔ حضرت شیخ احمد بن عبدالرحیم شاہ ولی اللہؒ نے صرف (۴۔۵) تک مانی۔

میرے خیال میں قرآن کا کوئی حکم، کوئی آیت منسوخ نہیں۔ شاہ صاحب نے ان (۲۱) آیتوں کے نسخ کے جو جوابات دیئے ہیں ان کی تفصیلی شرح میں نے ایک مستقل رسالہ میں کی ہے۔ اس موقع پر صرف غلط فہمی کے اسباب، مجمل طور پر بیان کروں گا اور ان پانچ آیتوں کو بھی نسخ کے جھگڑے سے نکال لوں گا جن کو شاہ صاحب بھی منسوخ ماننے پر مجبور ہوئے تھے۔ اس طرح ان کے علمی خاندان کا ایک شخص ان کے مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دے گا۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔

قدیم زمانے میں نسخ کے معنٰی تغیر کے لئے جاتے تھے۔ پچھلی آیت کے حکم میں کچھ تغیر دیکھتے تو کہہ دیتے، یہ آیت اس آیت کی ناسخ ہے۔ اصولِ فقہ میں پہلی آیت کے حکم کو باطل کرنا اور اس کے عوض دوسرا حکم قائم کرنا نسخ ہے۔ اور اس وقت عامۃ الناس نسخ کے یہی معنٰی لیتے ہیں۔ اس کے بعد واضح ہو کہ مفسرین کے اس قدر کثیر التعداد آیتوں کے منسوخ ماننے کے کیا اسباب ہوئے؟

۱۔ قرآن شریف سے زمانہ جاہلیت کے رسوم و عادات یا سابقہ مذاہب کے حکم موقوف کردیئے گئے ہوں، یا ان میں تغیر کیا گیا ہو، تو سابقین کہہ دیتے ہیں کہ یہ آیت ناسخ ہے، مگر غور کیجئے کہ یہ آیت کیا کسی آیت و حکم قرآنی کی بھی ناسخ ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہمارے زیر بحث تو آیات و احکامِ قرآنی کی منسوخیت ہے نہ کہ سابقہ رسوم و عادات اور احکام کا منسوخ ہونا۔

۲۔ بعض وقت ایک عام حکم دیا جاتا ہے اور خاص حالات پر خاص حکم دیا جاتا ہے۔ اگر عام حکم کے ساتھ ہی وہ خاص حکم ہو تو اس کو استثناء کہتے ہیں، اور اگر کسی دوسرے موقع پر خاص حکم دیا جائے تو اس کو تخصیص کہتے ہیں۔ استثناء اور تخصیص کو عام حکم کا ناسخ کہنا درست نہیں، تعزیراتِ ہند و دکن کے شروح میں مستثنیاتِ عامہ بیان کئے گئے ہیں، تو کیا اس سے تمام تعزیرات کا یک قلم منسوخ شدہ ہونا ماننا پڑے گا؟ ہرگز نہیں۔

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا، کیا اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ کا حکم منسوخ ہوگیا؟ ہرگز نہیں۔

۳۔ قوانین، مختص المقام بھی ہوتے ہیں اور مختص الوقت بھی۔ وقت گزرنے کے بعد وہ وقتی حکم باقی نہیں رہتا کیونکہ اتنے ہی وقت کے لئے وہ حکم دیا گیا تھا، نہ کہ وہ حکم منسوخ ہوگیا۔ مثلاً چار روز کے لئے کرفیو آرڈر جاری ہوا تھا، مدت گزرنے کے بعد وہ حکم باقی نہیں رہا۔ اس صورت میں یہ کہنا کہ وہ حکم منسوخ ہوگیا، درست نہیں بلکہ ختمِ مدت کی وجہ سے وہ حکم باقی نہیں رہا۔ اب میں عدمِ نسخ پر ایک اہم آیت پیش کرتا ہوں جو اس مسئلہ پر نہایت روشنی ڈالے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتَابٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۔

اور یاد کرو جب ہم نے تمام پیغمبروں سے عہد لیا تھا۔ ہم نے تمہیں کتاب اور حکمت عطا فرمائی ہے۔ پھر تمہارے پاس ایک رسول آئے، تمہارے پاس جو کتاب ہے اس کی تصدیق کرتا ہے تو تم ضرور اس پر ایمان لاؤ اور اس کی نصرت و مدد کرو، پھر ارشادِ الٰہی ہوا، کیا تم نے اس کا اقرار کرلیا اور اس کا ذمہ لے لیا؟ سب نے عرض کیا، بے شک ہم نے اقرار کرلیا۔

ذرا اس آیت پر غور فرمایئے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے انبیاء کے ادیان وقتی تھے، جب خاتم النبیینؐ مبعوث ہوئے تو ان کا وقت ختم ہوگیا۔ اس تحقیق پر تمام انبیاء کے ادیان بھی منسوخ نہیں ہوتے بلکہ ان کا وقت نہ رہا اس لئے وہ احکام بھی باقی نہیں رہے۔

۴۔ بعض دفعہ ایک دائمی حکم دینا مقصود ہوتا ہے مگر عمل یا اجتناب میں آہستہ آہستہ سختی بڑھائی جاتی ہے، یہاں تک کہ حکمِ مقصود پر عمل کرنے کی لوگوں میں قابلیت پیدا ہوجائے، یہ کمالِ حسنِ تعلیم و تربیت ہے، ہمارے خیال میں ان ابتدائی مراحل کو منسوخ نہ کہنا چاہئیے۔ بلکہ اصل حکم کا توطیہ و تمہید سمجھنا چاہئیے۔ اصل مقصود وہ حکم سمجھا جائے گا جو ہمیشہ کے لئے دیا جائے گا۔ مثلاً شراب دفعتاً حرام نہیں کی گئی۔ پہلے کہا گیا کہ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى: یعنی شراب پئے ہوئے نماز کے قریب نہ جاؤ، پھر کئی مرحلوں کے بعد شراب حرام کی گئی۔ پس لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوة کا حکم منسوخ نہیں ہوا بلکہ وہ حرمتِ شراب کا مقدمہ اور تمہید تھا۔ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ روسی لوگ بُت پرست تھے، ان کا وفد، تحقیقِ مذہب کے لئے جب قسطنطنیہ پہنچا تو مذہبِ اسلام ان کو پسند آیا۔ نواہی میں شراب پینا بھی تھا۔ روسی وفد نے کہا: ہم سرد ملک کے رہنے والے ہیں بغیر شراب کے آرام سے نہیں رہ سکتے۔ علماء نے ترکِ شراب پر شد و مد سے تاکید کی، جس کا نتیجہ روسیوں کا نصرانی ہوجانا تھا۔ اگر کفر کے مقابل نشہ سے خاموش ہوجاتے، بڑے شر کے مقابل چھوٹے شر کو اختیار کرلیتے تو اتنی بڑی قوم اسلام کے ہاتھ سے نہ نکل جاتی اللہ تعالیٰ چاہتا تو ایک ہی دفعہ میں شراب کو حرام کردیتا مگر نہیں، اس نے بمراحل رفتہ رفتہ اس کو حرام فرمایا۔

علماء اسلام کو بھی چاہئیے کہ نومسلموں کو پہلے توحید کی، پھر دوسرے اہم ارکان کی تعلیم دیں۔ پھر رفتہ رفتہ ایک ایک حکم کا پابند بنائیں۔ ابھی غریب مسلمان ہوا، اس کی ختنہ بھی کروا ڈالی۔ فرض نمازوں کے ساتھ سنتوں کی بھی تاکید کی۔ روزوں کے ساتھ تراویح بھی لگادی۔ ان سب باتوں کی پابندی آہستہ آہستہ کروائی جائے۔ فرض کے برابر سنن و نوافل کو اہمیت نہ دی جائے۔ غریب نومسلم پر اللہ رحم کریں۔

۵ ۔ پیغمبر کا حکم فرض بھی ہوتا ہے اور مباح کی بھی اجازت دی جاتی ہے ۔ پہلے ایک حکم ، فرض ہی کیوں سمجھا جائے کہ بعد میں اس کی منسوخیت کو ماننا پڑے ۔ یا یوں سمجھو کہ بعض احکام قانونی ہوتے ہیں اور بعض احکام اخلاقی ۔ اخلاقی حکم کو قانونی مانا ہی کیوں جائے کہ اس کی منسوخیت لازم آئے ۔ اخلاقی حکم کی خلاف ورزی پر قانون گرفت نہیں کرتا ۔

۶ ۔ بعض وقت ایک جملہ کے دو معنٰے ہوتے ہیں ۔ متکلم کا ایک مقصد رہتا ہے اور لوگ اس کے ایک جدا معنٰی سمجھتے ہیں ۔ متکلم دوبارہ صاف الفاظ میں اپنے مقصد کو ظاہر کرتا ہے ، لوگ سمجھتے ہیں کہ پہلا حکم منسوخ ہوگیا ۔ حالانکہ پہلا اور دوسرا حکم دونوں ایک ہیں ، لوگوں کے سمجھنے میں غلطی ہوتی ہے ۔

۷ ۔ بعض دفعہ ایک خاص واقعہ کے متعلق حکم دیا جاتا ہے اور قید اتفاقی رہتی ہے ، ایک دوسرے جملہ میں وہ قید اتفاقی نہیں رہتی ، بلکہ عام حکم رہتا ہے جو مقصود و مدارِ حکم ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ مقید حکم منسوخ ہوگیا ۔

۸ ۔ بعض دفعہ ایک خاص امر کے متعلق حکم دیا جاتا ہے اور لوگ اس امر پر دوسرے امور کو قیاس کر کے اس حکم کو متعدی کرتے ہیں حالانکہ امرِ اول میں خصوصیات ہوتے ہیں جن کی بناء پر حکم دیا گیا ہے اور وہ حکم دوسروں کے لئے متعدی نہیں ہوسکتا ، لہذا امرِ اول میں جو قیاسات کئے جارہے ہیں ان کے خلاف حکم دیا جاتا ہے ۔ اس طرح ان کے قیاسات غلط اور قیاس مع الفارق ثابت کئے جاتے ہیں ، اور لوگ سمجھتے ہیں کہ پہلا حکم منسوخ ہوگیا ۔

۹ ۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ مدنی آیتوں سے جو غلبۂ اسلام کے زمانہ میں اتریں ، مکّی آیتیں منسوخ کردی گئیں ، ذرا کوئی غور کرے رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں ، ان کا دین ایک مخصوص زمانہ کے لئے نہیں ہے ، قیامت تک رہنے والا ہے ۔ کیا مسلمان ہمیشہ غلبہ میں رہے ، یا غلبہ میں ہیں ؟ کیا تمام ممالک کے مسلمانوں کی ایک ہی حالت ہے ، ہرگز نہیں ، ہرگز نہیں ، ترکوں اور افغانوں کی مدنی حالت ہے ۔ عراق و شام و فلسطین والوں کی اور ، اب تو ایران کی بھی مکّی حالت ہے ۔ ہر ایک کے لئے اس کے مناسب آیت و حکمِ قرآن ہے ۔ حالت بدل گئی تو حکم بھی بدل گیا لہذا مکّی آیتیں بھی منسوخ نہیں بلکہ مدینہ والوں کے مناسب حال نہیں ، کیا مدینہ میں جب آیتِ سیف اتری تو مکّہ والوں نے اس پر عمل کیا ؟ کیا اس آیت پر عمل نہ کرنے سے وہ سب عاصی تھے ؟ ہرگز نہیں ، زمانہ گردش میں رہتا ہے ۔ بعض مدنی آیتوں پر عمل کرنا ، اصولی آیات وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ اور لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا کے خلاف ہوتا ہے ۔ پس مکّی آیتیں اپنے مقام پر بحال ہیں اور مدنی اپنے مقام پر ۔

اب میں پہلے ان دو اہم آیتوں کے متعلق بحث کرنا چاہتا ہوں جن سے مسئلہ ناسخ و منسوخ کے سمجھنے میں فائدہ ہوگا ۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْنُنْسِھَانَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْھَآ اَوْمِثْلِھَا ؛ لفظ اٰیَۃٌ کے معنٰی ہیں نشانی یا علامت اور کلام اللہ کا ایک فقرہ بھی ہے ، لوگ اس آیتِ شریف کے معنٰی لیتے ہیں ہم کسی آیتِ قرآنی کو منسوخ نہیں کرتے یا بھلا نہیں دیتے مگر اس سے بہتر آیتِ قرآنی یا اس کی مثل آیت لاتے ہیں ۔

محلِ غور یہ ہے کہ قرآن تو بوعدۂ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ محفوظ ہے ۔ ابتداء سے اب تک لاکھوں حافظ چلے آرہے ہیں ، پھر کب اور کونسی آیت بھلائی گئی ؟ قرآن شریف کی ایک آیت سے بہتر دوسری آیت لانے کے معنٰی

سمجھنا بھی بالکل نامناسب ہے لہذا اس کے صحیح معنٰی ہمارے خیال میں یہ ہیں ۔ ہم اپنے آثارِ قدرت ، اپنی نشانیاں اگر دور کرتے یا متغیر کرتے ہیں ، یا امتدادِ زمانہ کی وجہ سے بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کے برابر دوسری نشانیاں لاتے ہیں دیکھو آثارِ قدرت کے تازہ بہ تازہ جلووں کا سلسلہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اس ترجمہ پر کوئی غبار نہیں ۔ یہ آیت مسئلہ ناسخ ومنسوخ کی اصل ہے ، جان ہے ۔ قرآن شریف کو دیکھئے 'ایۃ' بہ معنی آثارِ قدرت اور نشانی سے بھرا پڑا ہے : لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا ۔ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۔ فَاْتِ بِاٰيَةٍ ۔ اِنَّ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۔ وَفِى الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۔ ابنِ حزم ظاہری ثبوتِ نسخ میں فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کا گذر ایک قاضی کے پاس سے ہوا ۔ آپ نے قاضی سے سوال فرمایا کیا تم ناسخ کو منسوخ سے ممتاز کرتے اور سمجھتے ہو؟ قاضی نے کہا : جی نہیں ۔ حضرت علیؓ نے فرمایا ۔ تم خود بھی ہلاک ہوئے ، اور دوسروں کو بھی تم نے ہلاک کیا ۔ میں عرض کرتا ہوں کہ قدیم محاورے میں نسخ کے معنٰی تغیر کے تھے جیسا کہ بیان کیا گیا ۔ پس حضرت علیؓ کے ارشاد کے معنٰی یہ ہیں کہ کیا تم ان آیات کو جانتے ہو جس سے کسی عام آیت کی تخصیص ہوتی ہو یا اس سے چند لوگ مستثنٰی ہوں ۔

آیتِ دوم "کافرون" کی سورت میں ہے : لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۔ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۔ اس کے یہ معنٰی لئے جاتے ہیں کہ تم کو تمہارا مذہب مبارک ہو ، ہم کو ہمارا مذہب مبارک ، نہ تم ہم کو تبلیغ کرو نہ ہم تم کو تبلیغ کرتے ہیں ۔ عیسٰی بدینِ خود ، موسٰی بدینِ خود ۔ اور پھر یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت ، آیتِ سیف سے منسوخ ہے ۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اسلام تو ہمیشہ تبلیغی مذہب رہا اور رہے گا اسلام میں بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ہے يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ ہے ۔ اسلام میں عدمِ تبلیغ کا حکم کبھی نہیں دیا گیا ۔

دیکھئے دین کے معنٰی اگر جزا کے لئے جائیں تو کوئی خرابی پیدا ہی نہ ہوگی ۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے معنٰی مالکِ روزِ جزا کے ہیں لہذا لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ کے معنٰی ہیں تم کو تمہارے اعمال کی جزا ، اور ہم کو ہمارے اعمال کی جزا ضرور ملے گی ۔ یہ حکم نہ کبھی منسوخ ہوا ہے نہ کبھی منسوخ ہوگا ۔ پورے سورہ کے معنٰی ہیں :

"اے پیغمبر! تم کہہ دو : اے منکرو تم جن کی پوجا کرتے ہو ، میں ان کی پوجا نہیں کرتا ، اور میں جس کی عبادت کرتا ہوں تم اس کی عبادت نہیں کرتے ، میرا طریقۂ عبادت جدا ہے ، تمہاری پوجا کا طریقہ علحدہ ہے ، تم کو تمہارے اعمال کی سزا ضرور ملے گی ، اور مجھ کو میرے اعمال کی جزا ضرور ملے گی" ۔

اب میں ان آیتوں سے بحث کرتا ہوں جن کو حضرت شاہ ولی اللہ بھی منسوخ ماننے پر مجبور ہوئے ۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨالْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۔ فرض کیا گیا ہے ، تم پر جب تم میں سے کسی ایک کے پاس موت آجائے ، اگر کچھ مال چھوڑے ، وصیت کرنا ماں باپ اور رشتہ داروں کے لئے مناسب طور پر ، یہ حکم پرہیزگاروں پر لازم ہے ۔

لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت ، حدیث لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ سے منسوخ ہے ، میں عرض کرتا ہوں کہ بھلا قرآن شریف کی

آیت اس خبرِ احاد سے کیونکر منسوخ ہوگی، لہذا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ نہیں۔ یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ (اللہ تم کو اولاد کے متعلق وصیت کرتا ہے) سے یہ آیت منسوخ ہے، اور حدیث لَا وَصِیَّۃَ لِوَارِثٍ اس نسخ کو بیان کرتی ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اصل یہ ہے کہ مختلف اقوام میں ترکہ کے متعلق مختلف احکام و وصیتیں ہوتی ہیں۔ بعض کے پاس مرنے والا جس کے لئے جو وصیت کرے قابلِ نفاذ ہے۔ بعض کے پاس صرف بڑا بیٹا وارث ہوتا ہے، بعض کے پاس ترکہ میں عورتوں کو کچھ حصہ نہیں ملتا۔ اللہ تعالیٰ پہلی آیت میں یہ تکلیفیں اٹھا کر جننے پالنے والے ماں باپ اور دیگر رشتہ داروں کے متعلق فرماتا ہے کہ وہ بالکل محروم نہیں ہوسکتے، ان کے متعلق کچھ نہ کچھ وصیت کرنی ضروری ہے۔ گویا کہ یہ آیت، آیتِ توریث کی تمہید ہے پھر خدائے تعالیٰ سب کے حصے مقرر فرماتا ہے، غیر وارث، قرابت دار مثلاً پوتا جس کا باپ مرگیا ہو، بیٹے کے ہوتے محروم ہے نواسہ یا نواسی جس کی ماں مرگئی ہو، بیٹی کے ہوتے محروم ہے۔ ان کے لئے اور دیگر امورِ خیر کے لئے باپ بھی ثلثِ مال سے وصیت کرسکتا ہے مگر جن کے حصے اللہ نے مقرر کئے ہیں، اللہ نے جن کے لئے وصیت کی ہے، ان کے لئے مرنے والوں کو وصیت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس میں ناسخ و منسوخ کی بحث ہی کیا ہے۔ ایک آیت میں بعض رشتہ داروں کی اہمیت بتلائی گئی ہے اور دوسری آیت میں ان کے حصے خود اللہ تعالیٰ نے متعین فرما دیئے ہیں۔

۲۔ اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَۃٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ اگر تم میں بیس صابر سپاہی ہوں تو وہ اپنے سے دس گنے کافروں پر غالب آجائیں گے، اگر تم میں سے سو ہوں تو ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں یہ آیت بعد کی آیت سے منسوخ ہے، بعد کی آیت یہ ہے:

اَلْاٰنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنْکُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِیْکُمْ ضَعْفًا فَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَۃٌ صَابِرَۃٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔

"اب اللہ نے تم سے تخفیف کردی اور جان لیا کہ تم میں ضعف ہے، اب اگر تم میں سے سو صابر ہوں تو دوسو پر غالب آجائیں گے اور ہزار ہوں تو دو ہزار پر غالب آجائیں گے"۔

میرے خیال میں پہلی آیت کے مخاطب وہ لوگ تھے جو فنِ سپہ گری میں ماہر تھے۔ ذاتی شجاعت میں ممتاز تھے، دل میں جوشِ ایمان تھا، خدا پر اعتماد تھا۔ اس طرح ان میں ہر طرح کی قدرت تھی۔ اور دوسری آیت کے مخاطب بعد کے لوگ تھے۔ سابقین کا ایمان، ان کی شجاعت، ان کی سپہ گری بعد کے لوگوں میں کہاں تھی۔ لہذا بجائے دہ (۱۰) چند کے دو چند سے لڑنے کا حکم دیا گیا۔ آیت کا دار و مدار ضعف و قوت پر ہے۔ اگر اب بھی دس مسلمان مشین گن اور بندوق سے مسلح ہوں اور سو دشمن ان سے لڑنے کو تلوار اور لٹھ لے کر حملہ کر رہے ہوں تو اس صورت میں مسلمان قوی ہیں اور ان کو سو دشمنوں کے ساتھ لڑنے سے ہرگز منہ نہ پھیرنا چاہئیے۔ علت کے بدلنے سے حکم بدل رہا ہے۔ اعلیٰ قوت کے نہ ہونے کے وقت دہ (۱۰) گنا سے کم قوت کے دونے دشمن سے نہ بھاگنا چاہئیے۔ پس ناسخ و منسوخ کی بحث ہی کب رہتی ہے۔

۳۔ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا: جنگ کو نکل کھڑے ہو، خواہ ہلکے پھلکے ہوں یا گراں بار۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت،

آیتِ لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ اور لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَآءِ سے منسوخ ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مراد خِفَافًا سے یہ ہے کہ ضرورتِ جہاد مثلاً سواری، خادمین، سامانِ خورد ونوش کی مقدار کم از کم موجود ہو، اور ثِقَالًا سے مراد یہ کہ اشیاء وافر ہوں، اب نسخ نہیں رہا۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اِنْفِرُوْا کے مخاطب عام ہیں ان سے معذورین مستثنٰی ہیں اور استثناء نسخ نہیں ہوسکتا۔

۴۔ اَلزَّانِیْ لَایَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْمُشْرِکَةً وَّالزَّانِیَةُ لَایَنْکِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْمُشْرِکٌ وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ۔ زانی نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ یا مشرکہ سے اور زانیہ سے نکاح نہیں کرتا مگر زانی یا مشرک اور یہ تو حرام ہے ایمانداروں پر۔ مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت، آیتِ وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ (نکاح کرو بے خاوند عورتوں کے) سے منسوخ ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ امام احمدؒ نے اس کے ظاہری معنٰے پر حکم دیا، یعنی زناکار عورت سے مردِ متقی کا نکاح حرام ہے بلکہ زانی یا مشرک اس سے نکاح کرسکتا ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ مسلم عورت چاہے زانیہ ہی کیوں نہ ہو، مشرک اس سے نکاح نہیں کرسکتا۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں اور دوسرے ائمہ کے پاس اس کے یہ معنٰی ہیں کہ مرتکبِ کبیرہ زانیہ ہی کا کفو ہوسکتا ہے، یعنی متقی عورت کا کفو زناکار مرد نہیں ہوسکتا۔ اگر کسی عورت نے غیر کفو سے نکاح کرلیا تو، رشتہ داروں کو نکاح فسخ کرادینے کا حق ہے۔ کیونکہ اس سے خاندان کی ذِلّت ہوتی ہے، اور فرماتے ہیں کہ زانی سے نکاح کرنا مستحب نہیں ہے۔ حُرِّمَ کے معنٰی ''مستحب نہیں'' کرنا کچھ دل کو نہیں لگتا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں ذٰلِکَ کا اشارہ زنا اور شرک کی طرف ہے نہ کہ نکاح کی طرف۔ اس تاویل پر نکاح زیرِ بحث ہی نہیں رہتا۔ فقیر کے خیال میں اس آیت سے کوئی حکم نہیں دیا گیا بلکہ ظاہر کیا گیا کہ طبعی طور پر بدکار مرد بدکار عورت ہی کی طرف توجہ کرتا ہے۔ اگر حکمِ امتناعی ہوتا تو هِیَ ہوتی اور لَایَنْکِحْ آخر کے جزم کے ساتھ ہوتا۔ مگر قرآن شریف میں تو لَایَنْکِحُ بضمہ آخر ہے۔ نیز جو عورت تائب ہوجائے وہ کَمَنْ لَّاذَنْبَ لَهٗ میں داخل ہوجاتی ہے اور اس آیت کے مصداق سے نکل جاتی ہے۔ ہاں ایسی عورت سے جو اس پیشہ کو چھوڑنا نہیں چاہتی، نکاح ہرگز دُرست نہیں، کیونکہ یہ نکاح قلتبانی ہوگا۔ نعوذ باللہ۔ یا نکاح کے لغوی معنٰی لیں یعنی جماع۔ پس معنٰی یہ ہوں گے کہ بدکار عورت سے ناجائز تعلقات بدکار مرد یا مشرک رکھ سکتا ہے، ایمان داروں کے پاس تو بدکاری حرام ہے، اس وقت ذٰلِکَ کا اشارہ زنا کی طرف ہوگا۔

۵۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىکُمْ صَدَقَةً ذٰلِکَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَاَطْهَرُ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

''اے ایمان دارو! جب تم سرگوشی کرنا چاہو رسول سے تو اس سرگوشی سے پہلے مسلمانوں کی کچھ مالی امداد کرو، خیر خیرات کرو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، پاک تر ہے۔ اگر تم نادار ہو، دینے کے لئے کچھ نہیں پاتے تو اللہ غفور، رحیم ہے۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت، بعد کی آیت سے منسوخ ہے، میں عرض کرتا ہوں کہ اس آیت سے خیرات کی فرضیت کب نکلتی ہے؟ اس میں تو خَیْرٌ لَّکُمْ وَاَطْهَرُ ہے۔ خیریت وطہارتِ صدقہ ناقابلِ نسخ ہے۔ اس میں یہ بھی تو ہے کہ

اگر تم نادار ہو تو اللہ غفور و رحیم ہے۔ آنحضرتؐ کے زمانے میں بعض نادان اپنی عزت اور بڑائی ثابت کرنے کو سرگوشی کیا کرتے اور بات کچھ اہم نہ ہوتی تو حکم دیا گیا کہ مسلمانوں کی مالی امداد کر کے خود کو پہلے ہمدردِ مسلمین تو ثابت کرو پھر پیغمبر سے سرگوشی کا ارادہ کرنا۔ پیسہ تو ہاتھ سے نہیں نکلتا اور راز کی باتیں پیغمبر کو سنانے کا دعویٰ۔ بعد کی آیت میں ہے کہ اگر پیسہ خیرات نہیں کرتے تو نماز و زکوٰۃ وغیرہ نیک کاموں سے اپنے نیک ہونے کا ثبوت دو، پھر پیغمبرؐ سے سرگوشی کرنا۔

صاحبو! اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام سے فرعون کی تبلیغ کے متعلق فرمایا: **فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا**۔ یعنی فرعون کے ساتھ نرمی سے گفتگو کرو، اسی طرح حبیبِ خدا محمد مصطفےٰ ﷺ سے فرمایا: **وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ** یعنی بہترین طریقے سے منکرین کے ساتھ مناظرہ کرو، ان کو سمجھاؤ، ان مفسرین کے پاس آیتِ سیف سے، یہ آیت اور ایسی آیتیں جو دشمنوں سے مراعات و حسنِ کلام پر دلالت کرتی ہیں، سب منسوخ ہیں، ان کو خیال کرنا چاہیئے کہ جنگ کا وقت اور ہوتا ہے اور تبلیغ و تعلیم کا وقت جدا۔ حسنِ کلام و حسنِ سلوک کا حکم ہرگز منسوخ نہیں ہوسکتا۔ جنگ کرنا خلافِ شرافت نہیں، مگر بدگوئی بیشک خلافِ تہذیب ہے، اسلام کو بدنام نہ کرو۔ اس کی تہذیب کو عیب نہ لگاؤ۔

اس سے زیادہ ظلم، ان مفسرین کے پاس ایک اور ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بعض آیتیں تھیں تو قرآن کی مگر ان کے پڑھنے کا اب حکم نہیں، اور ایسی آیت کو ثابت الحکم اور منسوخ التلاوت کہتے ہیں۔ مثلاً: **اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ اِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا**۔ یعنی بوڑھا بڑھیا زنا کے مرتکب ہوں تو ان کو سنگسار کردو۔ محصن و محصنہ یعنی شادی شدہ کی سنگساری کا حکم سابقہ مذاہب میں تھا اسلام نے اس کو باقی رکھا کوئی تازہ حکم نہیں دیا۔ مگر غیر شادی شدہ کے لئے حکمِ جَلد یعنی دُرّے مارنے کا حکم دیا۔ **اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ** میں الف لام عہدی ہے، اس سے غیر محصن و غیر محصنہ مراد ہیں۔ قرآن کے غیر محفوظ ہونے کا الزام یہود و ابنائے یہود کے وسائس سے ہے۔ اس چکر میں بعض سادہ دل علماء آجاتے ہیں، ذرا یہ بھی غور کرو کہ شیخ کے معنے بڈھے کے ہیں یا شادی شدہ کے؟ جوان بھی شادی شدہ ہوسکتا ہے اور بوڑھا بھی غیر شادی شدہ ہوسکتا ہے۔ پھر شیخ کے معنیٰ شادی شدہ کے لینا زبردستی ہے۔ اچھا شیخ کا مؤنث عَجُوْزٌ ہے یا شَيْخَةٌ۔ اِنِّيْ عَجُوْزٌ وَّ هٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا۔ شَيْخَةٌ۔ کا لفظ کسی شعر میں، کسی کتاب میں نہیں ہے، میں اس کو قرآن شریف پر ظلم سمجھتا ہوں۔ قرآن شریف متواتر ہے۔ اس سے ایک لفظ زیادہ نہیں، ایک لفظ کم نہیں۔ فقیر کو قرآنِ مجید بروایت عاصم کوفی حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے جو سب کے سب حفاظ تھے، متواتر پہنچا۔ اس معتبر و متواتر روایت کے خلاف فقیر ایک لفظ بھی غیر متواتر، احاد کا سننا نہیں چاہتا۔ قرآن شریف کو ناقابلِ اعتبار بنانے کے لئے منافقوں نے یہ فتنے پیدا کئے ہیں۔ مگر کوئی ان سے پوچھے کہ ایک روایت کی تو صحیح کرو۔ متواتر تو کجا خبرِ احاد سے بھی قرآن کے خلاف ایک حکم کا ثبوت ممکن نہیں۔ قرآن شریف محفوظ ہے۔ ابتداء سے اب تک حفاظ اور قراء اس کے تواتر کی حفاظت کرتے ہیں، اس متواتر کے مقابلے میں کوئی روایت کوئی دعویٰ ناقابلِ اعتناء ہے۔ جس کی خدا حفاظت کرے، اس میں کسی کو مقدور نہیں کہ کچھ تحریف کرسکے۔

اللہ تعالیٰ ان وسائس اور ان وساوس سے مسلمانوں کو بچائے۔ آمین۔

قرآن اور حدیث کا باہمی تعلق

صاحبو! قرآن شریف تو ہمارے پاس متواتر طور سے پہنچا ہے۔ اس کے متعلق زبان کھولنا، اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ سے انکار کرنا ہے۔ یہ لوگ تو قابلِ التفات ہی نہیں۔ کوئی مسلمان قرآن شریف کے متعلق شک وشبہ نہیں رکھتا۔ صاحبو! جو شخص یہ کہے کہ میں حدیث کو نہیں مانتا یہ مساوی ہے اس کے کہ میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کو نہیں مانتا۔ ایسے شخص سے کیا بحث، اور اس پر کیا توجہ کی جاسکتی ہے۔ مگر یاد رکھو! حدیثیں تین قسم کی ہیں۔

(۱) متواتر (۲) مستفیض (۳) احاد۔

(۱) حدیثِ متواتر: وہ حدیث ہے جس کو اتنے لوگ روایت کریں کہ عقلِ سلیم اس بات کو قبول نہ کرے کہ وہ سب جھوٹ پر متحد ہوگئے ہونگے لہذا خبرِ متواتر موجبِ یقین ہے اور اس کے خلاف میں جو روایت ہو وہ منکر ہے، ناقابلِ قبول ہے، رَد ہے۔

متواتر کی بھی دو قسمیں ہیں:

(الف) جس کے الفاظ بلاکم وکاست مروی ہوں اس کو متواتر باللفظ کہتے ہیں۔ جیسے: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ اور مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔

(ب) متواتر بالمعنٰی: وہ حدیث جس کے مختلف روایتوں کے الفاظ میں کچھ کمی زیادتی ہو مگر ایک ہی مطلب سب سے نکلتا ہو، اس کو متواتر بالمعنٰی کہتے ہیں۔ یہ بھی موجبِ یقین ہے۔ ان احادیث سے انکار، رسول اللہ ﷺ سے انکار ہے۔

(۲) مستفیض: وہ حدیث جو کئی روایتوں سے ثابت ہو مگر حدِ تواتر کو نہ پہنچے۔ ایسی حدیث اگر موجبِ یقین نہیں ہے تو اس سے ظنِ غالب تو ضرور پیدا ہوتا ہے۔

(۳) خبرِ احاد: وہ حدیث جس کی روایتیں مستفیض کی حد کو نہ پہنچی ہوں بلکہ ایک دو آدمیوں نے اس کو روایت کیا ہو۔ سارے جھگڑے خبرِ احاد ہی میں پڑتے ہیں۔ چنانچہ حضرت امام اعظمؒ سے کسی نے کہا کہ بعض حدیثوں میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ کہے، امام نے فرمایا، نہیں۔ راوی نے ایک جھوٹ کہا، پیغمبر معصوم ہوتا ہے وہ جھوٹ نہیں کہہ سکتا یعنی جھگڑا راوی سے ہے پیغمبر سے نہیں، مگر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ بعض خبرِ احاد کے غلط ثابت ہونے سے تمام احادیث ناقابلِ اعتبار نہیں ہوسکتے۔ ایسے شوشے وہ لوگ چھوڑتے ہیں جن کو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ایک صاحب، احادیث کو وحیِ غیر متلوسن کر آتش زیر پا ہورہے ہیں۔ غالباً ان کو مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى سے بھی انکار ہے۔ انھوں نے مخالفین اسلام کی کتابوں سے چند اعتراضات جمع کیے ہیں۔ وہ صحاحِ ستہ کا نام تو لیتے ہیں مگر ان کی شروح مثلاً فتح الباری عمدۃ القاری، قسطلانی، نووی اور بذل المجہود وغیرہ کو دیکھنے کی تکلیف نہیں اٹھاتے، ورنہ

ان وساوس کی ان کے دل میں گنجائش نہ ہوتی ۔ آپ سے پہلے بہت سے لوگوں نے اسلام کے خلاف بڑی بڑی کوششیں کیں اور قرآن شریف اور حدیث دونوں کو ناقابلِ اعتبار بنایا مگر کیا ہوا ؟ حق حق ہوا ، ناحق ناحق ۔ ساری کوششیں برباد ہوئیں ، بے سود ۔ اُن کو معلوم ہونا چاہئیے کہ قرآن شریف بلاشبہ بمنزلہ تعزیرات ہند کے ہے اور حدیث شریف بمنزلہ ضابطہ فوجداری کے ۔ عمل بالقرآن حدیث سے معلوم ہوتا ہے ۔ ہم نے ابھی بیان کیا کہ جو حدیث کو نہیں مانتے ان کو نہ نماز کی ترکیب معلوم ہے نہ حج کی ۔ حدیث ہی کی بدولت قرآن پر عمل کرنا آتا ہے ۔ یاد رکھو جس نے تعزیراتِ ہند کو پاس کیا ہے ضابطہ فوجداری کو بھی اسی نے پاس کیا ہے

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ قرآنِ ناطق ہیں ۔ کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْاٰنُ ۔ ضابطہ فوجداری کے غلط ثابت کرنے کے بعد تعزیراتِ ہند کے غلط ثابت کرنے میں کیا دیر لگتی ہے ۔ میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ ہر ضعیف اور موضوع حدیث کو بھی مان لو ۔ میں اس سے پہلے لکھ چکا ہوں کہ چند احادیث کے غلط یا موضوع ہونے سے مطلق حدیث میں اعتراض نہیں ہوسکتا ۔ نقادانِ حدیث رحمہم اللہ نے حدیث کی بڑی خدمت کی ہے ۔ یہ چراغ تمہاری پھونک سے نہیں بجھے گا : وَیَاْبَی اللّٰہُ اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَہٗ وَلَوْکَرِہَ الْکَافِرُوْنَ ۔ میں صاحبِ مذکور سے عرض کرتا ہوں کہ ایک سیڑھی اور کیوں نہیں چڑھ جاتے ۔ جھگڑا ہی تمام ہوجاتا ہے ۔ نہ قرآن رہتا نہ حدیث اور آپ کی مرادمن مانے حاصل ہوجاتی ہے ۔

بعض منکرانِ معجزاتِ نبوت و اسیرانِ ظلمت کدۂ مادیت اس حدیث کو پیش کرتے ہیں کہ عدم تابیرِ نخل کی وجہ سے کھجور کم لگے میں پوچھتا ہوں کہ آپ تو احادیثِ متواتر کو بھی نہیں مانتے تھے ۔ پھر کس طرح آپ کو اس خبرِ آحاد پر یقین آیا ۔ کیا آپ کی نظر سے وہ حدیث بھی گذری کہ ایک صحابی (حضرت ابو رافعؓ) نے بکری کا گوشت پکایا ۔ حضرتؐ نے فرمایا : ''دست دے'' انھوں نے دیا ۔ پھر فرمایا : ''دست دے'' انھوں نے دیا ۔ پھر فرمایا : ''دست دے'' انھوں نے عرض کیا : بکری کے دو دست ہوتے ہیں ، وہ تو میں نے دے دیئے ۔ حضرتؐ نے فرمایا : ''اگر تو دیتا چلا جاتا تو دست نکلتے چلے جاتے'' ۔ میں عرض کرتا ہوں ، اس حدیث پر آپ کو کیوں یقین نہیں آیا ۔ جیسی وہ حدیث ہے ویسی یہ بھی حدیث ہے ۔

ان صاحبوں ! کو معلوم ہونا چاہئیے کہ معجزاتِ نبوت حق ہیں ۔ کھجور کی کاشت کرنے والوں کی بے خبری نے معجزہ کو ظاہر نہیں ہونے دیا ۔ خیر ! بعض لوگ کہتے ہیں تیرہ سو برس کے عرصے میں دنیا کیا سے کیا ہوگئی ہے ۔ میں کہتا ہوں کہ اللہ نے اپنے رسولؐ کو جوامع الکلم سے سرفراز فرمایا ہے ۔ ان جوامع الکلم کو موجودہ زمانے پر منطبق کرنے کے لئے عقلِ رسا کی ضرورت ہے ۔ میرا ایمان ہے ، قرآن و حدیث ایسے ہمہ گیر ہیں کہ ہر زمانہ کے تغیرات اور مشکلات کے حل کرنے کے لئے کافی و وافی ہیں ۔

فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ ۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ ۔

اِختلافِ ائمہؒ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی :

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِ یَنَّھُمْ سُبُلَنَا۔

(العنکبوت ۔آیت ۶۹)

وَلَا تَقْفُ مَالَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْؤُلًا ۔

(بنی اسرائیل ۔آیت ۳۶)

فَسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔

(النحل ۔آیت ۴۳)

فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الابصٰر ۔

(الحشر ۔آیت ۲)

وَلَوْ رَدُّوْہُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓی اُولِی الْاَمْرِ مِنْھُمْ لَعَلِمَہُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْبِطُوْنَہٗ مِنْھُمْ ۔

(النساء ۔آیت ۸۳)

اِنْ جَآءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا ۔

(الحجرات ۔آیت ۶)

عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "اَلَّا سَئَلُوْا اِذَا لَمْ یَعْلَمُوْا فَاِنَّمَا شِفَاءُ الْعِیِّ السُّؤَالُ"۔

(رواہ ابوداؤد و ابن ماجۃ ۔مشکوٰۃ صـ ۵۵)

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّؓ قَالَ خَرَجَ رَجُلَانِ فِیْ سَفَرٍ فَحَضَرَتِ الصَّلٰوۃُ وَلَیْسَ مَعَھُمَا مَاءٌ فَتَیَمَّمَا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَصَلَّیَا ثُمَّ وَجَدَا الْمَاءَ فِی الْوَقْتِ فَاَعَادَ اَحَدُھُمَا

اللہ فرماتا ہے:

اور جو لوگ ہمارے متعلق (ہمارے احکام اور ان کے سمجھنے کے متعلق) کوشش کرتے ہیں ہم ضرور ان کو اپنے راستوں کی ہدایت اور رہبری کرتے ہیں ۔

اور جس کا تم کو علم نہیں ، اس کے پیچھے تم ہرگز نہ پڑو ، بیشک سماعت اور بصارت اور دل ، ان سب سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا ۔

پس اگر تم کو علم نہیں ہے تو اہلِ ذکر (وعلم) سے سوال کرو ۔

دلِ دانا وچشم بینا رکھنے والو ! عبرت لو (الفاظ سے معنٰی کی طرف جاؤ ۔ مجاز سے حقیقت کی طرف پہنچو ، ماخذ سے احکام نکالو ، مجمل سے تفصیل تک چلو ، اصل سے فرع نکالو ، کلی سے جزئی کا حکم دریافت کرو) ۔

اور اگر اس کو رجوع کرتے رسولؐ اور ان میں کے صاحبانِ امر کی طرف تو البتہ جانتے ان میں سے وہ لوگ جو استنباطِ مسائل کرسکتے ہیں (قیاسِ صحیح کرسکتے ہیں) ۔

اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لائے تو تم اس کی تحقیق کرو ۔ (بلا تحقیق اس کی بات کا یقین نہ کرو) ۔

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا : "کیوں نہیں پوچھ لیا جب جانتے نہ تھے ۔ بے علمی کی شفا سوال ہی تو ہے" ۔

ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ دو شخص سفر کو نکلے پھر نماز کا وقت آ گیا اور ان کے ساتھ پانی نہ تھا ۔ پس انہوں نے اچھی مٹی پر تیمم کرلیا اور نماز پڑھ لی ۔ ابھی وقت باقی ہی تھا کہ

الصَّلٰوۃَ بِوُضُوْءٍ وَلَمْ یُعِدِ الْاٰخَرُ ثُمَّ اَتَیَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَا ذَالِکَ فَقَالَ لِلَّذِیْ لَمْ یُعِدِ "اَصَبْتَ السُّنَّۃَ وَاَجْزَءَتْکَ صَلٰوتُکَ" وَقَالَ لِلَّذِیْ تَوَضَّأَ وَاَعَادَ۔
"لَکَ الْاَجْرُ مَرَّتَیْنِ"۔
(رواہ ابوداؤد والدارمی و النسائی)

ان کو پانی مل گیا، ان میں سے ایک صاحب نے وضو کرکے دوبارہ نماز پڑھ لی اور دوسرے نے نہیں پڑھی۔ پھر وہ دونوں رسولِ خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ عرض کیا، جس نے دوبارہ نماز نہیں پڑھی تھی اس سے آپؐ نے فرمایا: "تم نے سنت کے مطابق کام کیا اور تمہاری نماز تم کو کافی ہے" اور جس نے وضو کیا اور دوبارہ نماز پڑھ لی، اس سے فرمایا: "تم کو دو دفعہ اجر ملا"۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ :- اِذَا حَکَمَ الْحَاکِمُ فَاجْتَھَدَ ثُمَّ اَصَابَ فَلَہٗ اَجْرَانِ وَاِنْ حَکَمَ فَاجْتَھَدَ ثُمَّ اَخْطَأَ فَلَہٗ اَجْرٌ۔
(رواہ البخاری تجریدج ۲۔ صـ ۱۰۳)

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسولِ خدا ﷺ کو فرماتے سنا ہے۔" جب حاکم بعدِ اجتہاد وسعیِ بلیغ کے کوئی حکم کرے اور اگر اس نے صحیح حکم دیا ہے، تو اس کے لئے دو اجر ہیں (ایک کوشش کا اور دوسرے حق رسی کا) اور اگر بعد کوشش کے بھی وہ خطا کر جائے تو اس کو ایک ہی اجر ہے (یعنی اجتہاد و کوشش کا)۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَنَا لَمَّا رَجَعَ مِنَ الْاَحْزَابِ "لَا یُصَلِّیَنَّ اَحَدٌ نِ الْعَصْرَ اِلَّا فِیْ بَنِیْ قُرَیْظَۃَ"۔ "فَاَدْرَکَ بَعْضَھُمُ الْعَصْرَ فِی الطَّرِیْقِ فَقَالَ بَعْضُھُمْ لَانُصَلِّیْ حَتّٰی نَاْتِیَھَا وَقَالَ بَعْضُھُمْ بَلْ نُصَلِّیْ لَمْ یُرِدْ مِنَّا ذَالِکَ فَذَکَرُوْا ذَالِکَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمْ یُعَنِّفْ اَحَدًا مِنْھُمْ۔
(رواہ البخاری تجرید صـ ۲۲۳)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے ہم سے فرمایا۔ جب آپؐ جنگ احزاب سے واپس ہو رہے تھے: "کوئی شخص عصر کی نماز بنو قریظہ پہنچنے سے قبل نہ پڑھے"۔ بعض اصحاب کو راستہ ہی میں عصر کا وقت آ گیا پھر ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم وہاں پہنچنے سے قبل نماز نہ پڑھیں گے اور بعض نے کہا ہم نماز پڑھ لیں گے کہ حضرتؐ کا مقصد یہ نہیں ہے (بلکہ مقصد جلد پہنچنا ہے) اس واقعہ کو حضرتؐ کی خدمت میں عرض کیا گیا تو آپ نے ان میں سے کسی کو سرزنش (یا ملامت) نہیں کی۔

عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "لَا تَقَلَّبُوْا فِی الدِّیْنِ فَاِنَّ الدِّیْنَ لَا یُقَاسُ وَاَوَّلُ مِنْ قَاسَ اِبْلِیْسُ"۔
(رواہ الدیلمی عن علیؓ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دین میں قیاس آرائی نہ کرو کیونکہ دین میں بے وجہ قیاس نہیں چلتا، اور سب سے پہلے ابلیس نے قیاس لڑایا تھا"۔

عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا کہ رسولِ خدا

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ ۔ "نِعْمَ الرَّجُلُ الْفَقِیْہُ فِی الدِّیْنِ اِنِ احْتِیْجَ اِلَیْہِ نَفَعَ وَ اِنِ اسْتُغْنِیَ عَنْہُ اَغْنٰی نَفْسَہٗ ۔

(رواہ زرین مشکوٰۃ صـ ۳۶)

ﷺ نے فرمایا: "اچھا شخص فقیہ فی الدین ہے (یعنی وہ شخص جس کو امور دینیہ میں تفقہ و تدبر حاصل ہو) لوگ اس کے پاس محتاج ہوکر آئیں گے (یعنی اس سے پوچھیں گے) تو وہ نفع پہنچائے گا (مسائل سمجھائے گا)۔ اگر لوگ اس سے بے پروائی کریں گے تو خود کو پہنچائے گا" (یعنی علم کے مطابق عمل کرکے نفع اُٹھائے گا)۔

عَنْ مُعَاوِیَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ ۔ "مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّہْہُ فِی الدِّیْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِیْ"۔

(متفق علیہ)

جناب معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: "اللہ جس کے ساتھ خیر و بھلائی چاہتا ہے اُس کو دین کا فقیہ بناتا ہے (یعنی امور دینی میں غور و فکر کی توفیق عطا کرتا ہے) اور میں تو تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ ہی عطا کرنے والا ہے"۔

ان آیات و احادیث پر غور کرو کہ ان سے کیا کیا مسائل معلوم ہوتے ہیں؟ اور اختلافِ مذاق سے کس طرح استنباطِ احکام میں فرق پیدا ہوجاتا ہے؟ اور قبولِ حدیثِ ظنی میں اختلاف رونما ہوتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ عالم و جاہل دونوں برابر نہیں ہوتے۔ عالم کا بڑا مرتبہ ہوتا ہے۔ جاہلوں کا کام ہے کہ جو بات معلوم نہ ہو اس کو عالموں سے پوچھیں، ان سے سوالات کریں۔ ان پر اعتماد کریں، ان کے فتووں پر عمل کریں، بلا تحقیق کوئی بات قابلِ تسلیم نہیں ہوتی۔ علماء کو تحقیق و تدقیق کرنی چاہیئے خواہ آیاتِ قرآنی ہوں یا احادیثِ رسول ﷺ۔

مبہم و مجمل امور کی تعمیل میں کوئی صورت اختیار کی جائے تو وہ غلط نہیں ہوتی۔ اختیار تمیزی پر ایک امر چھوڑا گیا، اور اس کی تعمیل مختلف لوگوں نے اپنے اپنے اختیار تمیزی کے موافق کی، تو سب حق پر ہوں گے۔ یہ نہیں کہ ایک حق پر ہو اور سب باطل پر۔ یاد رہے کہ ایک حق پر اور سب باطل پر اسی وقت ہوں گے جب کوئی رائے واقعات پر مبنی ہو، کیونکہ جو امر مطابق واقعہ ہو "صادق" ہے اور جو مطابقِ واقعہ نہ ہو "کاذب" ہے۔ امر مبہم جو اختیار تمیزی پر موقوف ہو اس کا کوئی واقعہ و محکی عنہ ہی نہیں ہوتا تو مطابق اور غیر مطابق اور صادق و کاذب کی وہاں گنجائش ہی کہاں؟ لہذا اپنے اپنے اعتبار سے سب صحیح و دُرست ہوسکتے ہیں۔

بعض قیاسات کا ماخذ قرآن و احادیث ہوتے ہیں، وہ صحیح اور درست ہیں۔ بعض راویوں کا ماخذ نہ قرآن ہوتا ہے نہ حدیث ہی ہوتی ہے وہ درست نہیں، بعض دفعہ بعض امام قرآن و حدیث سے کسی حکم کا استنباط کرتے ہیں۔ کم فہم اس کے ادارک سے عاجز رہتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ نری رائے ہے، اس کا کوئی ماخذ نہیں ہے۔ حالانکہ ان لوگوں کی نظر اس قدر دقیق نہیں۔

یہ ایک طبعی بات ہے کہ ہر شخص اپنے اساتذہ، اپنے خاندان، اپنے شہر کے لوگوں کے حالات سے زیادہ واقف ہوتا ہے، ان ہی پر زیادہ اعتماد رکھتا ہے اور وہ دوسروں کے تفصیلی حالات سے واقف ہوتا ہے نہ ان پر اعتماد ہی کرتا ہے۔

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ ایک شخص کو کثرتِ روایت سے یقین یا ظن پیدا ہوتا ہے اور دوسرا راویوں کے ثقہ وفقیہ ہونے کو اہم سمجھتا ہے۔

امام ابوحنیفہ قرآن کے عام اور مطلق کو اس کے افراد میں یقینی سمجھتے ہیں اور حدیثِ غیر متواتر سے قرآن شریف کی نہ تعیین کرتے ہیں نہ تقیید۔ کیونکہ ان کی رائے میں موجبہ کلیہ کا نقیض سالبہ جزئیہ ہے۔ عام ومطلق قرآن کے خلاف اس کے نقیض پر عمل کرنے کو انکارِ قرآن کی تخصیص وتقیید کرتے ہیں اور اس کو حدیث کی خلاف ورزی نہیں سمجھتے۔ قرآن کی تخصیص وتقیید نہ کرنے والوں کو اہل الرائے اور مخالفِ حدیث سمجھتے ہیں وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ۔

حضرتؐ کے بہت سے اصحاب مثلاً زبیر ابن العوامؓ الفاظِ نبوی حفظ ہوتے تو روایت کرتے ورنہ نہیں، یعنی روایت بالمعنٰی کو وہ مناسب نہیں سمجھتے تھے اور بہت سے دوسرے اصحاب روایت بالمعنٰی کو جائز سمجھتے تھے۔

مالکی لوگ اہلِ مدینہ کے تعاملِ عام کے خلاف کسی دوسرے شہر کا آدمی روایت کرتا تو یہ سمجھتے کہ اس نے گویا تمام خلفائے راشدین اور مرکزِ نبوت یعنی مدینہ اور اس کے رہنے والوں کو جاہل سمجھا۔ دوسرے مذاہب والے اس کو جائز سمجھتے ہیں کہ اہلِ مدینہ بے خبر رہے ہوں اور دوسرے شہر والوں کو اطلاع مل گئی ہو۔

حضرت عمرؓ وغیرہ حضرات ہر حکم کی بابت شہادت کے نصاب کے موافق ثبوت طلب کرتے تھے۔ یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں، کی روایت کے بغیر کوئی حکم ثابت نہیں سمجھتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے کوئی حکم نبویؐ سنایا جاتا اور نصابِ شہادت پورا نہ ہوتا تو قسم دیتے اور قسم کو تکملۂ شہادت سمجھتے۔

متقدمین ائمہ کے پاس عامۃ الناس آتے اور ان سے سوال کرتے کہ اس مسئلہ میں کیا حکم ہے؟ ان کو ائمہ پر اتنا اعتماد ہوتا کہ وہ نہ قرآن پوچھتے نہ حدیث۔ امام جو حکم دیتا اس پر عمل کرتے، بعض ائمہ ہر سوال کا جواب قال اللہ وقال الرسول سے دیتے۔ متعلقہ آیات کے سوا متنِ حدیث سنا دیتے اور سند بیان نہ کرتے۔ ایسی احادیث کو "مرسل" کہتے ہیں۔ حنفی مذہب میں حدیثِ مرسل قابلِ استناد ہے چاہے سند نہ بیان کی گئی ہو مگر راوی یا امام معتمد علیہ اور موثق بہ ہو۔ محدثین، احادیثِ مرسل کو تسلیم نہیں کرتے۔ مگر بخاری شریف میں مقطوعات بکثرت ہیں۔ امام بخاری ایک حدیث کا ٹکڑا ایک جگہ لکھ دیتے ہیں مگر کسی دوسری جگہ پوری حدیث مع سند بیان کرتے ہیں۔ امام بخاریؒ استاد وشاگرد کی ملاقات کو ضروری سمجھتے ہیں، ورنہ حدیث قبول نہیں کرتے۔ امام مسلمؒ دونوں کے ہم زمانہ ہونے کو کافی سمجھتے ہیں۔ بعض حضرات صرف حدیثِ صحیح کو قبول کرتے ہیں۔ اگر تائید میں دوسری حدیث مل جاتی ہے تو اس کو صحیح لغیرہ کہتے ہیں۔

بعض ضعیف حدیث کو بھی مستحبات میں قابلِ عمل سمجھتے ہیں۔ اسی طرح ائمہ کے مختلف مذاق ہیں۔ ہر ایک اپنے مذاق کے موافق حدیث کو قبول کرتا ہے۔ کوئی امام ایسا نہیں جو بلا تحقیق، بلا شرط صرف حدیث کا نام سنتے ہی اس پر عمل کرنے کو تیار

ہوجاتا ہو۔ بلکہ فَتَبَیَّنُوْا پر عمل کر کے شرائط کے موافق حدیث تسلیم کرتے ہیں۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خلافِ حدیث عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ رسولِ خدا ﷺ اور ہمارے درمیان مختلف قسم کے راوی ہیں، ان کی تنقید ضروری ہے بھلا کوئی مسلمان فرمانِ رسول ﷺ سے سرتابی کیونکر کرسکتا ہے؟ ائمہ کو مخالفِ حدیث سمجھنا صرف زبان درازی ہے۔

صحاحِ ستہ اور دیگر کتبِ احادیث شائع وَ ذائع ہیں۔ حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی سب کے سامنے ہیں۔ ان کتبِ احادیث کی اتباع میں علماء نے شرح کی ہے۔ ان پر یہ الزام لگانا کہ باوجود احادیث کے مطالعہ کے اپنے امام کے مذہب پر اڑے رہے سخت سوءِ ظن ہے۔ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ۔

اب ذرا اس پر بھی غور کرو کہ ان چاروں ائمہ کی تقلید شخصی کی جاتی ہے یا یہ چار مذاہب، چار مکتب اور اسکول ہیں جن میں وقت بہ وقت مسائل تحقیق ہوتے رہتے ہیں۔ ثبوتِ حدیثِ صحیح اور عرف کے بدلنے، نئے حالات کے پیدا ہونے کی وجہ سے امام سے اختلاف کیا جاتا ہے۔ ہر مذہب کی فقہ و اصولِ فقہ کی کتابیں ملاحظہ فرمایئے، نہ صرف فروع میں امام سے اختلاف کیا جاتا ہے بلکہ اصول میں بھی۔ تاہم ایک مذہب میں بہ نسبت دوسرے مذہب کے افراد کی قربت اور مناسبت پائی جاتی ہے۔ مثلاً اصولی اختلاف امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر اور امام حسن بن زیاد میں بھی ہے۔ علماء و محققین کبھی امام یوسف کے قول پر کبھی امام محمد کے قول پر اور کبھی امام زفر کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں۔ تحقیق کو نری تقلیدِ شخصی سمجھنا اور کسی امام کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ احادیثِ صحیحہ کو نہیں مانتے، اپنی جہالت کا ثبوت دینا ہے۔

یہ بھی تو غور کرو کہ مسائلِ شرعیہ کے حل کرنے والے کتنے قسم کے عالم ہیں؟ ہر قسم کے عالم کے لئے کس قسم کی معلومات کی ضرورت ہے؟ عربی ادب کی بہر صورت ضرورت ہے، عربی کے لئے لغت، محاورات، نحو، صرف، معانی، بیان سے واقفیت کی حاجت ہے، قرآن شریف اور اس کے لئے تفسیر و اصولِ تفسیر کی احتیاج ہے، حدیث اور اس کے لئے اُصولِ حدیث، اسمائے رجال کا علم لابد ہے۔ فقہ اور اس کے لیے اصولِ فقہ۔ منطق۔ اجماعی مسائل و اختلافِ ائمہ سمجھنے کے بغیر چارہ نہیں۔ زمانے کے نئے نئے مسائل سے واقفیت، اسرار و مقاصدِ دین، عرف، عامۃ البلوی غرض کہ بیسیوں امور کے جاننے کے بعد کہیں ایک حکمِ شرعی معلوم کیا جاسکتا ہے۔

علماء میں بعض **مجتہدینِ مطلق** ہوتے ہیں، وہ مستقل صاحب الرائے ہوتے ہیں، ان کا ایک خاص مذاق ہوتا ہے، ان کا ایک خاص اجتہاد، خاص طرزِ استدل ہوتا ہے۔

بعض **مجتہد فی المذہب** ہوتے ہیں، استاد کا ان پر بڑا اثر رہتا ہے۔ کہیں کہیں استاد سے اصولی اختلاف بھی رکھتے ہیں۔ فروع میں اپنے اجتہاد پر رہتے ہیں۔ **مجتہد فی المسئلہ** کوئی نئی صورت پیدا ہوجائے تو اس کا جواب دے سکتے ہیں۔ احادیث پر غور و فکر کرتے ہیں۔ کوئی حدیث صحیح ثابت ہوتی ہے تو اپنے اساتذہ کے خلاف اس پر فتویٰ دیتے ہیں۔ صحیح عمل کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

اصحابِ استنباط خود قرآن و احادیث سے ذاتی تحقیق نہیں کرسکتے، مگر اپنے مذہب کے کلیات سے تفریعات کرتے ہیں۔

جزئیات کا حکم نکالتے ہیں، اصحابِ ترجیح جن میں قوتِ تمیز کم ہوتی ہے، مختلف اقوال میں سے ایک قول کو ترجیح دیتے ہیں۔

بعض مفتی کہلاتے ہیں، جو فقہ کی کتابوں سے جزئیات نکالتے ہیں۔ یہ لوگ اصل میں ناقل ہوتے ہیں، ذاتی کوشش صرف اس قدر ہوتی ہے کہ کتابوں میں سے تلاش کر کے مسئلہ کا جواب نکالتے ہیں۔ ان کے خیال میں تحقیقات و استنباط کا دروازہ بند ہوگیا ہے۔ ہر نئی بات ناجائز و حرام سمجھتے ہیں۔ یہ شافعی میں بھی ہیں، مالکی میں بھی اور حنبلی میں بھی اور حنفی میں بھی۔

صحابہؓ کے زمانہ میں اختلاف آراء ہوتا تھا مگر باہم ایک دوسرے کو باطل، بے دین نہیں سمجھتے تھے۔ ائمہ باوجود باہمی اختلافات کے ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔

افسوس! یہ کیسا زمانہ آ گیا ہے؟ آمین بالجہر اور رفع یدین کرنے والوں کی مسجد جدا، اور حنفی و شافعی کی مسجد الگ۔ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کرتے ہیں۔ آپس میں مقدمہ بازی کرتے ہیں، اور غیر مسلم حکام جو فیصلہ کریں اسے تسلیم کرتے ہیں۔

ایک دفعہ بغداد شریف میں مسجد غوثیہ میں فقیر نے مغرب کی نماز پڑھی۔ حنفیوں اور حنبلیوں کی دو جماعتیں صف کے بازو صف لگا کر بہ یک وقت نماز پڑھ رہی تھیں۔ اللہ اکبر کی آواز سن کر انسان حیران ہوجاتا ہے کہ یہ ہمارے امام کی آواز ہے یا دوسرے امام کی۔ عبدالعزیز سعودی نے ایک نماز کے لئے حنفی اور ایک نماز کے لئے شافعی، ایک کے لئے حنبلی اور ایک کے لئے مالکی امام مقرر کیا ہے اور تمام مذاہب والوں کو اسی امام کے پیچھے نماز پڑھنی ہی پڑتی ہے۔

یہ ایک طبعی بات ہے کہ نادان، دانا سے، جاہل، عالم سے پوچھتا ہے اور اس کے کہے پر اعتماد کرتا ہے اور حکم بھی یہی ہے فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ اہلِ علم سے سوال کرو اگر تم کو معلوم نہ ہو۔ دیکھو! "اِسْئَلُوْا" امر ہے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ حضرتؐ فرماتے ہیں: اَلَا سَئَلُوْا اِذَا لَمْ يَعْلَمُوْا فَاِنَّمَا شِفَاءُ الْعَيِّ السُّؤَالُ؛ کیوں نہیں سوال کیا جب جانتے نہ تھے۔ عاجز و ناواقف کا علاج سوال ہی ہے۔ دیکھو ساری دنیا میں یہی ہوتا ہے، ماہرین پر اعتماد کرتے ہیں۔ جب تک خود کو مہارت نہ ہو دوسروں کی تقلید کرتے ہیں۔ مشکلات پیش آتی ہیں اور خود کو عاجز پاتے ہیں تو فوراً تقلید کرنی ہی پڑتی ہے۔ بے علمی، پھر خود مختاری، تباہی کا موجب ہوتی ہے۔ دیکھو حساب، معمولی فن ہے مگر ایک زمانہ تک کسی استاد کے زیرِ تعلیم رہتے ہیں، اور وہ جوابات کی غلطی بتلاتا رہتا ہے تو کہیں صحیح جواب لکھنا نصیب ہوتا ہے۔ ضروری و موقوف علیہ علوم تو کچھ بھی نہیں، اور آزادی، ذاتی رائے کا ادعاء، اچھے آدمی کا کام نہیں۔ عربی کی چار سطریں صحیح نہیں پڑھ سکتے اور بن گئے اہلِ حدیث، کسی ناقص نے کہہ دیا: حدیث میں اس طرح آیا ہے، بس اس پر اعتماد کرلیا۔ نہ تحقیق نہ تدقیق، آخر تقلید کس ہوّے کا نام ہے، دوسرے پر اعتماد کرنا ہی تو تقلید ہے۔

بہر حال مجتہد کے لئے ادب، نحو، صَرف، قرآن، تفسیر و حدیث وفقہ، حدیث کے لئے اسماءِ رجال اور سیرتِ نبوی تاریخ و اصولِ حدیث، فقہ کے لئے اصولِ فقہ، محاورات و عادات و عرفِ زمانہ، اسرار و حکمِ دین سے واقف ہونا ضروری ہوتا ہے۔ ایک آدھ حدیث کی مترجم کتاب دیکھ لی، نہ راویوں کے حال سے واقف نہ ناسخ و منسوخ معلوم، نہ دیگر احادیث سے واقفیت، نہ کسی قسم کی تطبیق و استنباط کی قوت حاصل اور لگے خود کو مجتہد سمجھنے۔ خدا کو جواب دینا ہے فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ

پر عمل کر کے ٹھنڈے دل بیٹھے رہنا موجبِ امن ہے ۔ اس مقام پر کئی غلط فہمیاں ہو رہی ہیں ، کیا اب کوئی مجتہد نہیں ہوسکتا ؟ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور رحمت و فیضانِ علم کا محدود کر دینا ہے ، مگر زمانہ نبوت سے بُعد ، بدشوقی اور قلتِ وسائل کی وجہ سے نایاب ہے ۔ ذرا یہ بھی تو سوچو ، مجتہد کے کتنے اقسام اور درجات ہیں ۔

اوّل : مجتہدِ مطلق ، صاحبِ اصول ۔ اس کا طریق استنباط و استدل جدا ہوتا ہے ۔ جیسے امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمتہ اللہ علیہ ۔

دوم : مجتہد فی المذہب ۔ اس کے اصولِ استنباط وہی ہوتے ہیں جو اس کے شیخ کے ہوتے ہیں ۔ مگر مسائل میں وہ اپنے شیخ کا خلاف بھی کرتا ہے ۔ عام طور سے لوگ شاگردانِ امام کو مجتہد فی المذہب سمجھتے ہیں ۔ مگر علمِ اصولِ فقہ کا واقف جانتا ہے کہ صاحبین یعنی امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ اور امام محمد بن حسنؒ خصوصاً اصولی اختلاف بھی رکھتے ہیں ، مگر یہ کم ہے اکثر اصول میں امام کے موافق ہیں ۔

سوم : مجتہد فی المسئلہ ۔ کسی خاص مسئلہ میں صاحبِ تحقیق ہوتا ہے ، یا اگر کوئی نیا واقعہ پیدا ہو تو حکم کا استنباط کرتا ہے ۔ اس مسئلہ کا جواب دیتا ہے ۔ مجتہد فی المسائل کا ہر زمانے میں رہنا ضروری ہے ، ورنہ دین کے کام بند ہو جائیں گے ۔

چہارم : صاحبِ ترجیح ۔ مجتہدینِ سابق کے مختلف اقوال میں سے ایک کو ترجیح دیتا ہے ۔ سب کے آخر میں مفتی کا درجہ ہوتا ہے ۔ یہ اجتہاد نہیں کرسکتا ۔ کتابیں اُلٹ پلٹ کر کے کسی نہ کسی کا قول نکال دیتا ہے ۔ عام طور پر علماء ایسے ہی پائے جاتے ہیں ۔

ایک اور غلط فہمی بھی عام طور سے چھائی ہوئی ہے ۔ حنفی ، شافعی ، مالکی ، حنبلی ، تقلیدِ شخصی کرتے ہیں ۔ یہ بالکل غلط ہے ۔ یہ چار خاندان یا اسکول ہیں ۔ ہر خاندان کا مذاقِ استنباط جُدا ہے ۔ وقت بہ وقت تحقیقات ہوتی رہتی ہیں ۔ شاگردانِ امام نے بعدِ تحقیق ، اصول میں بھی مخالفت کی اور فروع میں تو بکثرت اختلاف ہے ۔ علماء نے بعدِ تحقیقات امام کی اور صاحبین کی مخالفت کی اور جُدا فتوے دیئے ۔ یہ تمام تحقیقات ایک جگہ جمع کی جاتی ہیں اور انھیں ''فتاویٰ'' کہتے ہیں ۔

اور تینوں مذاہب کا بھی یہی حال ہے ۔ ان میں بھی ہر قسم کے مجتہد اور ان کی تحقیقات ہیں ، یہ اپنا اپنا مذاق ہے ۔ خشیۃ اللہ سب میں ہے ، حق رسی کے لئے سب کوشاں ہیں ، مختلف فیہ مسائل میں جنگ و جدل اہلِ علم کا کام نہیں ۔ لِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ (ترجمہ : ہر ایک کے واسطے ایک رُخ ہے جس کی طرف وہ مڑتا ہے) تم اچھے کام کرنے کے لئے دوڑو ، اب رہ گئی تلفیق ، یعنی بلا تحقیق ایک بات ایک امام کی لے لی ، اور دوسرے امام سے دوسری بات ۔ ایسے شخص کا کام باتفاق تمام ائمہ باطل ہے یعنی اس کا بطلان اجماع مخالف سے ہے ۔ کیونکہ یہ کسی کے اصول کے موافق نہیں ۔ اس کی مثال ایسے شخص کی ہے جو ایک دوا ڈاکٹر کی ، ایک دوا ہومیوپیتھی کی ایک دوا طبِ یونانی کی ، اور ایک دوا ویدک کی ملا کر کھاتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ ان ادویہ کا مرکب ڈاکٹر کے پاس درست ہے نہ طبیب کے پاس ۔ ہر شخص کا ایک طریقِ علاج ہے اور یہ مرکب سب کے اصول کے خلاف ہے ۔ یہ جاہل بندۂ غرض ہے ، اپنی خواہشات کا غلام ہے ، وہ حقیقت میں ائمہ کا نام برائے نام لیتا ہے ۔

تصوّف

اب اس پر غور کرو کہ تصوف ہے کیا چیز ؟ خدا کی ذات اور اس کے صفات اور بندوں سے اس کا ربط کن کن علوم میں بیان کیا جاتا ہے ۔ متکلم یعنی علمِ کلام جاننے والا ان چیزوں پر عقلِ سلیم سے غور کرتا ہے ۔ صوفی بھی انھیں سے بحث کرتا ہے، مگر روحانی قوت سے ۔ خدائے تعالیٰ کی ذات اور اسماء و صفات سب قدیم ہیں ۔ ان پر عقل والے اور کشف و اشراق والے سب ہی غور کرتے ہیں ۔ اصل چیز قدیم رہتی ہے مگر بیان کرنے والے اصطلاحات مقرر کرتے ہیں ۔ ان اصطلاحات کے نئے ہونے سے اصل شئے نئی نہیں ہوجاتی ۔ ہر شخص اپنی طرز اور نظریہ سے اصطلاح بناتا ہے ۔ اللہ اور اس کے صفات کے متعلق تمام پیغمبر تقریباً ایک ہی بات کہتے ہیں ۔ جس طرح چارمینار کو جو دیکھتا ہے ایک ہی کہتا ہے کیونکہ وہ سینکڑوں سال سے جوں کا توں کھڑا ہوا ہے ۔ ہندو دیکھے، پارسی دیکھے، انگریز دیکھے ۔ جو دیکھے سب کا بیان ملتا جلتا رہتا ہے ۔ مگر سب کی قوتِ نظر ایک درجہ پر نہیں ہوتی ۔ ہر ایک اپنے حوصلہ کے مطابق سمجھتا ہے ۔ متکلم سے پوچھئے وہ کہتا ہے : خدا ایک ہے اور اس کے صفات قدیم ہیں ۔ صوفی بھی کہتا ہے کہ خدا اور اس کے صفات قدیم ہیں ۔ مثال کے طور پر ایک آیت لیجئے :- ''هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ''۔ متکلم نے اللہ تعالیٰ کے متعلق کہا وہ سب سے پہلے تھا، اس کا وجود بالذات ہے، اس کے سوا جتنے ہیں، حادث ہیں، وہ اپنی ذات کے لحاظ سے قدیم ہے، اوّل ہے اور صفات کے لحاظ سے ظاہر ہے، آخر ہے اور وہ ذات کے لحاظ سے باطن ہے، آثار کے لحاظ سے ظاہر ہے ۔ صوفی کہتا ہے هُوَ سے مراد'' ذاتِ واحد'' ہے ۔ اوّل و آخر، ظاہر و باطن، یہ سب اس کے وجود کے درجے ہیں ۔ اس کو صوفی '' وحدتِ مطلقہ'' کہتے ہیں اور'' ذات'' کو بغیر لحاظِ صفات کے'' احدیت'' کہتے ہیں اور صفات کے لحاظ سے'' واحدیت''۔

صوفی کے پاس اصل صفات سات ہیں :- حیاتؔ ۔ علمؔ ۔ سماعتؔ ۔ بصارتؔ ۔ قدرتؔ ۔ ارادہؔ ۔ کلامؔ ۔ متکلم خدا اور بندے کے ربط کے جاننے میں عاجز ہے، صوفی کہتا ہے، اصل خدا کی ذات بالذات ہے تو یہ سب بالعرض چیزیں اس سے غیر نہیں ۔ بالذات کے بغیر کوئی بالعرض موجود نہیں ہوسکتا ۔ وہ صاف صاف کہتا ہے :

یہ سب روپ تیرے، تو بہروپیا ہے تو ہر رنگ میں رہ کے سب سے جُدا ہے (حسرتؔ صدیقی)

کیا یہی معنٰی آیت هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ سے نہیں نکلتے ؟ صوفی رات دن اللہ کو یاد کرتا ہے، اور اس کو تجربہ و احساس ہوتا ہے کہ خدا کے سوا موجود بالذات کوئی اور نہیں، آخر تصوف اور کیا ہے ؟

دوسری قوموں کی معلومات کے تو '' ہادی مہدی'' اور'' ہارون رشید'' کے زمانے میں ترجمے ہوئے ۔ کیا قرآن بھی اسی زمانے میں لکھا گیا ؟ **لاحول ولا قوۃ الا باللہ** ۔

بہر حال ابتدائے زمانہ سے صوفی اور متکلم خدا کو، اس کے صفات کو، قرآن سے سمجھ رہے ہیں مگر ع

فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست

کیا مسلمانوں نے یونانیوں سے یا ہندوؤں سے یا پارسیوں سے تصوف لیا ہے ؟ یہ سب غلط ہے ۔ خدائے تعالیٰ قدیم ہے اور

اس کے سمجھنے والے بھی ہمیشہ سے موجود ہیں ۔ لوگوں کے بے تحقیق بات کہنے سے کیا ہوتا ہے ۔

ابھی ہم نے بیان کیا کہ تمام پیغمبر ذات و صفاتِ الٰہی کو جانتے تھے اور مسلمان بھی ہمیشہ سے جانتے ہیں ۔ کیا تصوف خدائے تعالیٰ کی ذات و صفات کو جاننے کے سوا کچھ ہے؟ ہرگز نہیں ۔ اس وقت تو میں نے چند اشارے کردیئے ہیں ۔ تصوف پر میرے متعدد رسالے ہیں اور انشاء اللہ جب تک میں زندہ ہوں اس پر تفصیل سے لکھتا رہوں گا ۔ یہ بات یاد رہے کہ اللہ کے نام کا اس کی تمام خصوصیات کے ساتھ کسی زبان میں ترجمہ نہیں ہوا ، پھر دوسروں سے تصوف لینے کے کیا معنے ؟ یہ خاتم النبیین کا مذہب ہے ۔ یہ ''اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ '' کی عنایت ہے ۔ مسلمانوں سے زیادہ خدا کو جاننے والا کوئی نہیں ۔ کوئی بُت پرستی کرتا ہے ، کوئی نور اور روشنی کی پوجا کرتا ہے ۔ کوئی فعل و انفعال ، باپ بیٹا ، روح القدس ، مادہ وصورت ، جیو اور خلو کا قائل ہے ۔ توحید تو صرف مسلمانوں کا حصہ ہے ۔

جس کو مزید تحقیقات کی ضرورت ہو وہ میری حسب ذیل کتابیں دیکھے :

(۱) مراۃ الحقائق (۲) حکمتِ اسلامیہ (۳) شرح وترجمۂ فصوص الحکم (۴) مکاتیبِ عرفان ۔

لغاتِ قرآنی

قرآن شریف کے لغات کے متعلق بھی دوسرے حضرات میں اختلاف ہے :-

صاحبو ! ترجمہ کرنے کے وقت میں اس پر غور کرلیتا ہوں کہ ہر لفظ کے معنٰی کیا ہیں ۔ اصل میں باعتبار مادّہ کے کیا معنے ہیں اور عام طور سے کیا معنے لئے جاتے ہیں ۔ میں ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنے لیتا ہوں ۔ اشتقاق کے لحاظ سے اور عام فہم ۔ بعض دفعہ عربی لفظ کے معنٰی اُردو کا ایک لفظ ادا نہیں کرسکتا ۔ اس واسطے کئی لفظ لکھتا ہوں کہ ان کے مجموعے سے قرآن کے معنے سمجھے جائیں ۔ میں اس بات کی بھی کوشش کرتا ہوں کہ اُردو میں اس عربی لفظ کے قریب قریب کیا الفاظ مستعمل ہیں تاکہ قرآن پڑھنے والوں کو معلوم ہوجائے کہ اس کے ہم معنٰی لفظ سے تو ہم اوّل ہی سے واقف ہیں ۔ ترجمہ کرنے میں عربی زبان کے محاورات سے ایسے معنے لیتا ہوں جو مخالفینِ اسلام کے اعتراض سے پاک ہوں اور جس سے اسلام پر کوئی کمزوری یا برائی عائد نہیں ہوتی ، مثلاً ''تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ '' لوگ اس کے معنٰی کرتے ہیں : ''ہاتھ ٹوٹیں ابولہب کے اور وہ مرجائے'' ۔ عرب لوگ کہتے ہیں : ''مَالِیْ یَدَانِ فِیْ هٰذَا الْاَمْرِ '' یعنی مجھے قوت جارحہ ہے نہ دافعہ ۔ اُردو میں کہتے ہیں ، کہ میں بے دست و پا ہوں ، یعنی بے سر و سامان ۔ میرے دونوں ہاتھ ، میری دونوں قوتیں یعنی جارحہ و دافعہ بیکار ہیں ۔ لہذا میں نے ''تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ '' کے معنے یہ کئے کہ '' ابولہب نے اسلام کے خلاف جتنی کوششیں کیں وہ سب ناکام ہوگئیں ۔ ابولہب کی جارحانہ اور دافعانہ قوتیں بیکار ہوگئیں ، آخر وہ خود بھی تباہ ہوگیا ۔ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ : کے معنٰی فتنہ انگیز ۔ جلتی آگ میں لکڑیاں ڈالنے والی کے ہیں اور فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ کے معنٰی یہ کہ اس کی شرارت اس کے گلے کا ہار ہوگئی ۔

تمام ترجمے میں میں نے اس بات کا لحاظ رکھا ہے کہ عربوں کے محاورہ کے مطابق معنے اختیار کئے جائیں ۔ اس ترجمہ اور تفسیر میں فقیر نے ممکن کوشش کی ہے کہ مخالفینِ اسلام کے اعتراضات کا جواب دے ۔ یہ کام علمِ کلام کا ہے ، زمانہ بدل

گیاہے پہلے زمانے کے معترضین باقی نہیں رہے، اس زمانے کے مخالفین جدا ہی اعتراض کرتے ہیں اور ان کے جوابات بھی ان کے لائق ہونے چاہئیں ۔ ایسے اعتراض جہاں پر ہیں میں ہرگز ان کی توجیہ نہیں کرتا، جن کی نہ ضرورت ہے اور نہ وہ معترضین اب باقی ہیں ۔ بیرونی دشمن ایک طرف، اندرونی دشمنوں نے بہت سر اُٹھایا ہے، ان کے جوابات میں نے تفسیرِ صدیقی میں دیئے ہیں ۔ خصوصیت سے سورہ فاتحہ کی تفسیر میں ۔ اندرونی مخالفین کی میں نے خوب تردید کی ہے، ایک دفعہ اندرونی مخالفین نے ایک محضر تیار کر کے گریکسن صاحب (جو حکومت حیدرآباد کے صدر المہام کو توالی اور امور عامہ تھے) کے سامنے پیش کیا ۔ صاحبِ مذکور نے پوچھا کہ انھوں نے کیا کوئی پمفلٹ لکھا ہے؟ جواب دیا ''نہیں'' کہا ۔ پھر یہ تحریر جس کی تم شکایت کررہے ہو، کہاں ہے؟ کہا گیا کہ تفسیرِ صدیقی میں ہے ۔ گریکسن صاحب نے کہا: '' وہ تفسیر میں اپنے خیالات اپنا مذہب نہ بتائے گا تو کہاں بتائے گا ۔ یہ لوگ اس کی تفسیر دیکھتے ہی کیوں ہیں؟ پھر کہا کہ ایسے مہمل محضر ہرگز میرے سامنے پیش نہ کئے جائیں ۔ اور اللہ نے مجھے مخالفین کے شر سے بچا لیا ۔

تفسیر ہذا میں، میں نے بہت سے اہم مسائل کو حل کیا ہے مثلاً جزیہ، میں اس کو جزائے حفاظت سمجھتا ہوں اور تعدد ازدواج کو مبنی بر ضرورت سمجھتا ہوں اور غلاموں کو اسیرانِ جنگ ۔ یہ سب بحثیں دیکھنے کے قابل ہیں ۔ جابجا ان مسائل کو جس قدر تحقیق سے بیان کرسکتا تھا میں نے کیا ہے ۔

صاحبو! ایک میرا خیال ہے، وہ یہ کہ زمانہ گردش کر رہا ہے ۔ مسلمانوں پر کبھی مکی حالت ہے اور کبھی مدنی ۔ جیسی حالت ویسا حکم ۔ اس زمانے میں ہم مکی حالت میں ہیں، اس وقت ''فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ کا حکم نہیں دیا جاسکتا ۔ بلکہ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ کا حکم دینا چاہیے ۔

شانِ نزول

فقیر نے تفسیرِ صدیقی میں بہت کم جگہ اسبابِ نزول بیان کئے ہیں، میں قرآن شریف کو'' مُبِيْن '' سمجھتا ہوں ۔ اس کا سمجھنا قصہ کہانیوں پر موقوف نہیں ۔ قرآن شریف کوئی تاریخی کتاب نہیں ہے ۔ کوئی واقعہ بیان نہیں کیا جاتا، مگر اس کی غرض عبرت اور نصیحت اور بری باتوں سے روکنا ہوتی ہے، قرآن شریف کا کام ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ۔ لوگ اِدھر اُدھر کے قصوں سے تفسیر کو کئی کئی جلدوں میں کردیتے ہیں ۔

ربطِ آیات

میری بڑی کوشش ربطِ آیات ہے ۔ ایک رکوع کو دوسرے رکوع کے ساتھ مرتبط کرنا ۔ قصوں کو قصوں سے ملانا ۔ اصل میں قصے تو ہیں ہی نہیں، نتیجہ خیز واقعات ہیں ۔ اس واسطے ربطِ آیات کی وجہ سے بعض بعض جگہ کچھ حذف ہے کچھ مقدر ہے ۔ عربی زبان کے لحاظ سے ان میں ربط پیدا کرنا ضروری ہے ۔ ایسا حذف قرآنی اسلوب کے لوازم سے ہے ۔ عرب لوگ جہاں حذف کیا کرتے تھے اسی طرح قرآن میں بھی کیا گیا ہے ۔ اس حذف و تقدیر کا مزہ اُسی کو ملتا ہے جو عربوں

کے طرزِ بیان اور اسٹائل سے واقف ہو، جہاں حذف کیا گیا ہے اگر محذوف بیان کردیا جائے تو وہ جملہ بالکل بھدّا ہوجائے گا، اس کا بانکپن اور حسن باقی نہیں رہے گا۔

قصصِ قرآن

قرآن شریف میں آدم علیہ السلام اور شیطان، موسٰی علیہ السلام اور فرعون کے قصّے بار بار بیان کئے گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کے قصّہ سے فضیلتِ علمی کا اظہار مقصود ہے، اور یہ بھی کہ انسان خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اس سے لغزش ممکن ہے۔ شیطان کا تکبر، اپنی خیالی برتری کی وجہ سے دوسروں کو ذلیل سمجھنا اور پھر خدا کے حکم کو بھی نہ ماننا اور یہ سمجھنا کہ خدا بھی غلطی کرتا ہے، اور اعلیٰ کے رہتے ہوئے ادنیٰ کو حکومت وعزّت دیتا ہے، چونکہ دنیا میں صبح سے شام تک یہی ہوتا رہتا ہے، اس لئے خدائے تعالیٰ آدم علیہ السلام کے قصّے کے ذریعہ آدمیوں کو عبرت دلاتا ہے۔

موسٰی علیہ السلام کے قصّے سے بہت کچھ عبرت لی جاسکتی ہے۔ مادرِ موسٰی علیہ السلام کا صاحبِ الہام ہونا، عورتوں کو جرأت دلاتا ہے کہ وہ بھی محنت کریں گی، خدا کی یاد کریں گی تو وہ بھی صاحبِ الہام ہوسکتی ہیں، مادرِ موسٰی علیہ السلام کا یقین اور اللہ پر اعتماد کیسا ہے کہ اکلوتے بیٹے کو صندوق میں ڈال کر ندی میں بہا دیا۔ وہ صندوق فرعون کے گھر پہنچا۔ فرعون کی بیوی نے بچے کو نکال لیا۔ جو خدا پر بھروسہ کرتے ہیں، ان کی اولاد کو خدا ضائع نہیں کرتا۔ فرعون جیسے سرکش بادشاہ کے گھر میں آسیہ اس کی بیوی کیسی نیک اور اچھی نکلی۔ موسٰی علیہ السلام کے قصّے میں قدم قدم پر نصیحت اور عبرت ہے۔ اسی واسطے ان کے قصّے کو بھی اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ بیان فرمایا۔

تکرارِ آیات کا فائدہ

بعض بعض جگہ ایک ہی آیت کو متعدد بار دہرایا گیا ہے۔ اس کا لطف تو ان کو ملتا ہے جو عربی کا صحیح مذاق رکھتے ہیں، مثلاً صرف سورۂ رَحمٰن کی اسی ایک آیت کو لے لیجئے "فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ"۔ ایک جاہل قرآن کا خلاصہ کرنے بیٹھا اور اس نے مکرر آیتوں اور قصوں کو نکال دیا۔ اس کا نتیجہ کیا ہوا، نہ قرآن کا اسٹائل باقی رہا اور نہ اس کا حسن۔ قرآن کی حالت یہ ہے کہ ایک لفظ کی جگہ اس کا مترادف رکھیں تو درست نہیں۔ قرآن کی عبارت میں ایک ایک لفظ اپنی جگہ ایسا جما ہوا ہے جیسا انگشتری میں نگینہ۔ ایک نگینہ کی جگہ دوسرا نگینہ نہیں رکھ سکتے۔ جہاں فعل، فاعل ہیں وہ مبتدا خبر نہیں بنائے جاسکتے۔ ایک ہی قصّے کو متعدد جگہ بیان کرنا اور ہر جگہ ایک نیا ہی لطف پیدا کرنا۔ یہ اعلیٰ درجہ کے فصیح و بلیغ کا کام ہے۔

قرآنی قسمیں

قرآن شریف میں جابجا قسمیں ہیں، کوئی قسم قرآن میں ایسی نہیں جس سے فائدہ خاص حاصل نہ ہو، بعض مفسرین نے "وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنَ" کی تفسیر میں انجیر کے خواص اور فوائد بیان کرنے شروع کردیئے،

زیتون کے خواص بیان کرنے لگے، کوہِ طور کی تعریف کرنے لگے۔ کیا یہ طب کی کتاب ہے؟ کہ دواؤں کے خواص اور فوائد بیان کئے گئے ہیں۔ باغِ تینؔ دمشق میں ہے، جبلِ زیتونؔ بیت المقدس میں ہے، کوہِ طورؔ موسیٰ علیہ السلام کے لئے تجلی گاہ کا نام ہے۔ اصل یہ ہے واؤ اور بـــا کے معنٰی ''اور'' اور'' ساتھ'' کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شہادت پیش کررہا ہے۔ قسم کیا ہے؟ شہادت ہے۔ اُردو کا ایک شاعر کہتا ہے: ع

خدا شاہد، خدا شاہد یہ کیوں کہتے ہیں وعدوں پر

لوگ کہتے ہیں: ''اللہ گواہ ہے''۔ یہ بھی قسم ہے۔ اسی طرح خدائے تعالیٰ اس سرزمین کو شہادت میں پیش کرتا ہے جہاں باغِ انجیر ہے جہاں ہابیل و قابیل کی قبریں ہیں، جہاں یحیٰ علیہ السلام کی قبرِ شریف ہے اور بعد کے زمانے میں یزید کی قبر بھی وہیں ہے۔ جبلِ زیتون اور اس کے اطراف ابراہیم علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام سب کے قبور متبرکہ ہیں۔ طور سینین بھی ایک پیغمبر (موسیٰ علیہ السلام) کے لئے اللہ کی تجلیات کی جگہ ہے۔ مکّہ شریف میں آدم علیہ السلام، اسمٰعیل علیہ السلام اور رسولِ خدا ﷺ سے یہ مقامات علاقہ رکھتے ہیں۔ حاصل یہ کہ یہ مقامات اور ان کے رہنے والے جو پیغمبروں سے ربط رکھتے ہیں اس بات کی گواہی دیں گے: ''لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ○ ثُمَّ رَدَدْنٰـهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا''۔ غرض یہ مقامات اور اس کے رہنے والے جو پیغمبروں سے علم حاصل کرچکے ہیں اس بات کی گواہی دیں گے کہ'' ہم نے انسان کو اچھا ہی پیدا کیا تھا اور بہترین طریقے سے پیدا کیا تھا مگر وہ برے کام کرکے ''اسفل السافلین'' میں پہنچ گیا، مگر اس سے وہی لوگ مستثنٰے ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اور عملِ صالح کرتے ہیں'' میں نے تمام قسموں کی وجہ اور ان کے اصل بیان سے ربط کو ظاہر کیا ہے۔

خصوصیاتِ تفسیر

اس تفسیر کی خصوصیات حسبِ ذیل ہیں:-

(۱) قواعدِ تجوید بالاختصار مع خصوصی علامات، آیات کے ساتھ ساتھ ظاہر کئے گئے ہیں جس کے ذریعہ بوقتِ تلاوت اصول تجوید کی پابندی کی جاسکتی ہے۔

(۲) یہ تفسیر نہایت عام فہم سلیس اُردو میں لکھی گئی ہے اور اس میں اس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے کہ خود عربی سے قرآن کو سمجھیں، اس لئے ہر لفظ کے جُدا جُدا معنے بیان کئے جاتے ہیں۔ ترجمہ میں اس بات کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ اصل میں یہ لفظ کس مادہ سے مشتق ہے مثلاً اِتَّقُوْا اللّٰهَ کے معنٰی خود کو غضبِ خدا سے بچاؤ۔ کیونکہ ''اِتَّقُوْا'' وَقٰی یَقِیْ، وِقَایَةٌ سے ہے جس کے معنٰی ''بچانا'' کے ہیں۔ نیز اس مادہ سے کوئی لفظ اُردو میں مستعمل ہو تو وہ بھی بیان کردیا جاتا ہے جیسے ''اِتَّقُوْا اللّٰهَ'' کے معنٰی ''خدا سے ڈرو'' اور تقویٰ اور پرہیزگاری بھی لکھ دیئے جاتے ہیں۔ نیز اس مادہ سے اگر کئی کلمے اُردو میں مستعمل ہیں تو وہ بھی بیان کردیئے جاتے ہیں: جیسے اِتَّقُوْا اللّٰهَ کے ساتھ وَقٰی یَقِیْ وِقَایَةٌ اور متقی بھی لکھ دیا جاتا ہے۔

(۳) اس تفسیر میں جابجا حقیقی معنٰی کے سوا اعتباری اور مجازی معنٰی بھی بیان کئے گئے ہیں۔ واضح ہو کہ جب کسی امر کی

نسبت اصل کی طرف کی جاتی ہے تو اس کو اسنادِ حقیقی کہتے ہیں اور کسی شئے کے تعلق کی طرف نسبت کرنے کو اسنادِ مجازی ، اسنادِ مجازی کے لئے قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً جَرَی الْمِیْزَابُ یعنی پرنالہ بہا ، بہنے کی نسبت پانی کی طرف کرنا اسنادِ حقیقی ہے اور پرنالہ کی طرف نسبت کرنا اسنادِ مجازی ہے ، پس وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْھَا فَتَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِیْ میں تَخْلُقُ کی نسبت حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرف مجازی ہے اور خدائے تعالےٰ کی طرف نسبت اسنادِ حقیقی ہے اور قرینہ لفظ بِاِذْنِیْ ہے نیز جناب عیسٰی علیہ السلام کا موحد ہونا ۔ جبرئیل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام سے کہا : لِاَھَبَ لَکِ غُلَامًا زَکِیًّا ۔ تاکہ میں تجھے پاک بیٹا دوں ۔ بیٹا دینے کی نسبت ، جبرئیل علیہ السلام کی طرف نسبتِ مجازی ہے کیونکہ وہ فرشتے اور موحد ہونے کے سوا مامور من اللہ ہیں اور بیٹا عطا کرتے ہیں ۔ بہر حال حقیقی معنٰی سے پھیرنے والا قرینہ ہوتو وہ نسبت مجازی ہوگی ۔ کفر اور اسم کا دار و مدار اسی مسئلہ کے سمجھنے پر ہے اس لئے جابجا اس کو بیان کیا گیا ہے اور اس کی توضیح بھی کی گئی ہے ۔

(۴) اس تفسیر میں جہاں جہاں مشاکلہ ہے اس کو بھی ظاہر کیا گیا ہے ، جیسے وَمَکَرُوْا وَمَکَرَاللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ میں مشاکلہ ہے معنٰی یہ ہیں کہ انھوں نے مکر کیا اور اللہ ان کے مکر کی سزا دیتا ہے اور اللہ تو بہترین مکر کی سزا دینے والا ہے ۔ اسی طرح ''اِنَّھُمْ یَکِیْدُوْنَ کَیْدًا وَّ اَکِیْدُ کَیْدًا '' کے معنٰی یہ ہیں کہ وہ مکر کرتے ہیں اور ہم ان کے مکر کی سزا دیتے ہیں ، اس میں بھی مشاکلہ اور مجازی معنٰی ہیں ۔

(۵) اس تفسیر میں اگر کسی جگہ نحوی مسائل کے سمجھنے میں طالب علم کو کوئی دشواری ہوتی ہے تو وہ بھی حل کردی گئی ہے ۔

(۶) تفسیرِ صدیقی میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ تمام تصوّف کی کتابیں اور ائمہ کے مذاہب سب قرآن سے ماخوذ ہیں اور یہ کہ ائمہ نے ایک قدم بھی قرآن کے خلاف نہیں اُٹھایا ۔ ائمہ کے اقوال قرآن کے اجمال کی تفصیل ہیں اور سب کا ماخذ قرآن ہی ہے ۔ ائمہ نے نہ اپنے دل سے کوئی مسئلہ نکالا ، نہ کسی غیر مذہب والوں سے کچھ لیا ، ائمہ ہی کیا بلکہ ہر مسلمان کا مرجع قرآن ہے ، اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ ہمیں جو کچھ ملا ہے وہ قرآن ہی سے ملا ہے ۔ قرآن ہی یقینی اور قطعی چیز ہے ۔

(۷) اس تفسیر میں مخالفینِ اسلام کے تمام اعتراضات کے حتی الامکان جوابات دیئے گئے ہیں ۔ مثلاً جزیہ کے معنٰی ''حقِ حفاظت'' ، اور وارفنڈ بتائے گئے ہیں ۔

(۸) تفسیرِ صدیقی میں تردیدِ مذہب کے عوض اصل مسائل کی تحقیق کردی گئی ہے جس سے پڑھنے والے کے دل پر غیر مذاہب کے اعتراضات کا مطلقاً اثر نہیں ہوتا ۔ کیونکہ ممکن ہے کہ غلط اعتراض دلنشیں ہوجائے اور لاکھ نکالے نہ نکلے ۔

(۹) اس تفسیر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ مختلف معترضین کے اعتراض ، اس انداز میں بیان کئے گئے ہیں کہ کسی کا شخصی نام ظاہر ہونے نہیں پاتا اور مسئلہ کی تحقیق ہوجاتی ہے ۔

(۱۰) اس تفسیر میں تصوّف اور علمِ اخلاق کے مسائل سہل ترین طریقہ سے بیان کردیئے گئے ہیں نیز کوشش کی گئی ہے کہ تمام مسائل قرآن کے ضمن میں معلوم ہوں جیسے سود ، دارالحرب ، سرمایہ داری ، اشتراکیت اور غلامی وغیرہ کی بھی تحقیق کردی گئی ہے ۔

(۱۱) اس تفسیر میں ایک بات کی بڑی سعی کی گئی ہے کہ ایک آیت کو دوسری آیت سے جو ربط ہے اس کو بیان کیا جائے۔ محذوفات و مقدرات بھی ظاہر کردیئے گئے ہیں ۔ نیز اس امر کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے کہ قرآن کو سمجھنا غیرِ قرآن پر موقوف نہیں کیونکہ وہ خود مبین ہے ۔

(۱۲) اس تفسیر کی ایک اور خصوصیت ''مسئلہ اعجازِ قرآن'' ہے جس کو نہایت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور بتلایا گیا ہے کہ قرآن نہ صرف بلاغت میں اعجاز ہے بلکہ ہر اعتبار سے وہ اعجاز ہی اعجاز ہے ۔ ہر فن کا آدمی اگر قرآن کا مطالعہ کرے گا تو قرآن خود اس کے فن میں معجزہ بن کر ظاہر ہوگا ۔

(۱۳) تفسیرِ صدیقی میں بطور خاص اس بات کو ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن کی کوئی آیت منسوخ نہیں ، نیز مسئلہ نسخ کی بھی تحقیق کی گئی ہے ۔ آیت کے ایسے معنٰی بیان کئے جاتے ہیں کہ نسخ کی طرف ذہن منتقل ہی نہیں ہوتا ۔ سارا قرآن اسی ترتیب سے ہے ۔ جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ پر نازل ہوا تھا ۔

(۱۴) قرآن میں جہاں جہاں خدائے تعالٰی نے قسم کھائی ہے ، اس تفسیر میں ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ حقیقت میں شہادت ہے اور ہر جگہ کوشش کی گئی ہے کہ وجہ شہادت کیا ہے بیان کردی جائے ۔

(۱۵) اس تفسیر کی نادر خوبی یہ ہے کہ جابجا احکامِ قرآنی کو زمانہ حال پر منطبق کرکے مسلمانوں کو سائینس اور تہذیب کے آئینہ میں ان کی صورت دکھلا دی گئی ہے ، تاکہ موجودہ دور میں کس طرح مسلمان احکامِ قرآنی سے دور ہوئے اور ہوتے جارہے ہیں وہ ان پر منکشف ہوجائے ۔

(۱۶) غرض اس تفسیر کا طرزِ بیان نہایت آسان ، دل نشین ، اور تفہیم بہت ہی خاطر نشان ہے ۔ اس سے نہ صرف عربی زبان آتی ہے ، بلکہ اُردو ادب سے بھی واقفیت ہوجاتی ہے ، اور مسائلِ قرآنی کے مقاصد اور اُصول سمجھ میں آجاتے ہیں اسلام اور اس کی حقیقت ظاہر ہوجاتی ہے ۔ اور چونکہ طرزِ بیان دل کش ہے اس لئے پڑھنے والے کا جی نہیں اُکتاتا بلکہ اس سے ایک طرح کا نشاط اور انکشاف پیدا ہوتا ہے ۔ ع

''مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار گوید''

آخر میں اللہ تعالٰی سے قبولیت کا اُمیدوار ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالٰی اس تفسیر کو ہر دل عزیز بنائے اور اس سے لوگوں کو بلکہ خود مجھ کو بھی فائدہ حاصل ہو ۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنِیْ حَقَائِقَ الْاَشْیَآءِ کَمَا ھِیَ ۔ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ الْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۔ اَللّٰھُمَّ اَرِنِیَ الْحَقَّ حَقًّا وَّ ارْزُقْنِیْ اِتِّبَاعَہٗ وَاَرِنِیَ الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّ ارْزُقْنِیْ اجْتِنَابَہٗ ۔
اَللّٰھُمَّ اجْعَلِ الْقُرْاٰنَ رَبِیْعَ قَلْبِیْ وَجِلَآءَ حُزْنِیْ وَغَمِّیْ ۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ حِفْظَ الْقُرْاٰنِ وَفَھْمَہٗ وَالْعَمَلَ بِہٖ وَالتَّعْلِیْمَ لِلنَّاسِ اِلٰہَ الْحَقِّ اٰمِیْنَ ۔

خادمِ قرآن

فقیر محمد عبدالقدیر صدّیقی قادری

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

اَعُوْذُ ؛ میں پناہ مانگتا ہوں ۔ عَاذَ یَعُوْذُ مِثْلَ قَالَ یَقُوْل ۔ بِاللّٰهِ ؛ اللہ کی ۔ بِ سے ، ساتھ ۔ یہ حرفِ جر ہے ۔ یہ جس اسم پر آتا ہے اس کو کسرہ دیتا ہے ، اس لئے لفظ اللہ کے آخر زیر ہے ۔ مِنَ الشَّيْطٰنِ ؛ شیطان سے ۔ مِنْ ؛ سے ، یہ بھی حرفِ جر ہے اس لئے شیطان کے آخر زیر ہے ۔ شَيْطٰنٌ ۔ رحمتِ الٰہی سے دور ، شریر ، سرکش ۔ شَطَنْ کے معنٰی بعد کے ہیں ۔ بڑے شیطان کا نام ابلیس ہے ۔ اَلرَّجِيْم ؛ دھتکارا ہوا ۔ جس پر پھٹکار ہوئی ہو ۔ رَجْمٌ ؛ پتھر پھینکنا ۔

ترجمہ :- میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں ، مردود پھٹکارے ہوئے شیطان سے ۔

استعاذہ کے متعلق چند امور قابلِ یادداشت ہیں :-

(۱) شیطان میں اور ہم میں قدیم آبائی دشمنی ہے ۔ جب اس نے بابا آدم کو وسوسے میں ڈال کر جنت سے نکالا تو کیا ہم کو سہولت سے جنت میں جانے دے گا ؟ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ شریف میں آدم علیہ السلام اور شیطان کا قصہ بار بار آیا ہے

(۲) شیطان پڑھا لکھا تعلیم یافتہ دشمن ہے ۔ اس کے شر سے بچنا مشکل کام ہے ۔

(۳) شیطان نظر نہیں آتا ، گھات میں بیٹھا کام کر رہا ہے ۔

(۴) آدمی اسی وقت استعاذہ کرتا ہے کہ خود کو کمزور ، شیطان کو قوی دشمن ، اور اللہ کو قادر و توانا سمجھتا ہے ۔ جو آدمی کو شیطان کے شر سے بچاتا ہے ۔

(۵) آدمی کو جب اپنی کمزوری کا احساس ہوتا ہے تو تضرع و انکسار پیدا ہوتا ہے ، جو عبدیت کی جان ہے ۔

(۶) دشمن بھی پناہ میں آجاتا ہے تو اس کو تکلیف نہیں دی جاتی ۔ جب ہم اللہ تعالٰی کی پناہ میں آجائیں گے تو وہ ہمارے تمام کام درست کردے گا ۔ شیطان سے بھی بچائے گا اور دیگر مضر چیزوں سے بھی بچائے گا ۔

(۷) شیطان درگاہِ اِلٰہی کا کُتا ہے ۔ کسی کو محلِ شاہی میں گھسنے نہیں دیتا ۔ تم اس کے آقا کو پکارو ، جو ہمارا بھی آقا ہے ''اے مالک ! یہ کُتا تیرے دربار میں داخل ہونے سے ہم کو روکتا ہے تو اس کو ڈانٹ دے'' مالک ڈانٹ دے گا تو کُتا ہٹ جائے گا اور ہم اس کی بارگاہ میں داخل ہوسکیں گے ۔

دیکھو ! اپنی قوتوں پر ، اپنی عقلمندی اور ہوشاری پر نہ پھولو ۔ ہمیشہ اللہ تعالٰی کے دامنِ رحمت میں چھپے رہو ۔ ع

ع دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست ع دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است

جب قرآن شریف پڑھو تو پہلے اعوذ پڑھو فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ جب قرآن پڑھو تو شیطانِ رجیم کے شر سے اللہ کی پناہ مانگو ۔ اِسْتَعِذْ امر ہے ۔ حکمِ اِلٰہی ہے ۔ امر وجوب پر دلالت کرتا ہے ۔ بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنا بھی ضروری ہے ۔ اگر درمیانی آیت ہے ، سورے کی ابتداء نہیں ہے ، تو اَعُوْذُ پڑھنا واجب ہے اور بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنا بہتر ہے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِ کے معنی سے، ساتھ، قسم کے ہیں، یہ حرفِ جر ہے لہذا اسم کے آخر میم کو کسرہ یعنی زیر آیا۔ اِسْم؛ نام یہ لفظ اصل میں سَمُوٌّ تھا۔ اس پر اسم کی تصغیر سُمَیٌّ اور جمع اَسْمَاءٌ وَاَسَامِیْ دلالت کرتے ہیں۔ عربی زبان میں بعض کلمات کی ابتداء میں سکون ہے چونکہ بغیر حرکت کے پڑھا نہیں جاتا لہذا ان کے ساتھ ہمزۂ وصل لاتے ہیں جو وصل اور ملانے کی حالت میں گر جاتا ہے جیسے بِسْم اور فصل و ابتداء کی صورت میں ہمزۂ وصل لگا دیا جاتا ہے جیسے اِسْمٌ ایسے کلمات میں سے چند مشہور یہ ہیں اِسْمٌ - اِبْنٌ - اِبْنَةٌ - اِفْتَعَلَ - اِسْتَفْعَلَ - سَمُوٌّ کے معنی علو وظہور کے ہیں۔ یُقَالُ، سَمَا یَسْمُوْ اِذَا عَلَاوَظَهَرَ اسم و نام سے چیز، معلوم و ظاہر ہوتی ہے۔ اسماء وصفات و ذات میں کیا فرق ہے؟ ذات وہ مستقل شئے جو مرجعِ صفت ہوتی ہے جیسے سفید کاغذ، سفید کا مرجع کاغذ ہے۔ سیاہ قلم۔ سیاہ کا مرجع قلم ہے، ذات ذو کا مونث ہے اس کی اصل یہ ہے حَقِیْقَةٌ وَمَاهِیَّةٌ ذَات صِفَاتٍ حقیقت و ماہیت جو صفات سے موصوف اور ان کا مرجع ہے۔

صفت :- وہ غیر مستقل شئے جو مستقل شئے میں ہوتی ہے۔ سپیدی غیر مستقل معنٰی ہے، جو مستقل کاغذ میں پائی جاتی ہے

اسم :- ذات وصفات کے مجموعہ کو کہتے ہیں جیسے رَحْمٰن صاحبِ رحم، وہ ذات جو رحم رکھتی ہے۔ پس اللہ ذات ہے، رحم صفت ہے۔ اور رَحْمٰن و رحیم اسماء الہیہ ہیں۔ اللّٰهِ؛ اصل میں اَلْاِلٰهُ تھا۔ جیسے اَلنَّاسُ اصل میں اَلْاُنَاسُ تھا، الف کو گرا کر ادغام کر دیا گیا۔ اَللّٰهُ اور اَلنَّاسُ ہوا۔ اِلٰـهٌ؛ معبود، یہ لفظ کس مادے سے مشتق ہے؟ اَلِهْتُ اِلٰی فُلَانٍ اَیْ سَکَنْتُ اِلَیْهِ مجھے اس سے تسکین ہوتی ہے کیونکہ ہر شخص کو اپنے معبود کی طرف رجوع کرنے سے تسکین ہوتی ہے۔ یَالَاهَ اِذَا ارْتَفَعَ سے، کیونکہ معبود کا مرتبہ بندوں سے اعلیٰ و ارفع ہوتا ہے۔ یَالَاهَ یَلُوْهُ، اِذَا احْتَجَبَ، سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں چھپ گیا کیونکہ معبود کی حقیقت بندوں کے وہم و گمان سے محجوب و پوشیدہ ہے۔

اے برتر از قیاس و گمان و خیال و وہم ÷ وز ہر چہ گفتہ ایم شنیدیم و خواندہ ایم (حسرت)

یا ماخوذ ہے اَلِهَ الرَّجُلُ وَیَالَهُ سے۔ جب کوئی، آفت نازل ہو اور آدمی گھبرا جائے فَاَلَهَهُ پھر اس نے پناہ دی۔ کیونکہ معبود ہی تمام آفات واعداء سے پناہ دینے والا ہے، یا اس کا اشتیاق اَلِهَ الْفَصِیْلُ اِلٰی اُمِّهٖ سے ہے۔ یعنی اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کی طرف بے قرار ہو کر دوڑا، اسی طرح جب ہر طرح سے، آفات سے سابقہ پڑتا ہے تو اس وقت خدا یاد آتا ہے اور آدمی خیال کرتا ہے کہ کوئی زبردست قوت ضرور ہے جو ان سب پر غالب آ سکتی ہے اور یہیں سے خدا کی طرف کا راستہ نکلتا ہے۔ خود پرست بھی جب آفات سے پریشان ہوتے ہیں اور سب طرف سے مایوسی و نا اُمیدی ہوتی ہے تو حضورِ قلب سے اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور نیک لوگ خوش حالی ہی میں شکر کرتے ہیں، اس کی یاد کرتے ہیں اور تنگ دستی و پریشانی میں صبر کرتے اور اللہ سے دعا اور اس کی طرف تضرع و زاری کرتے ہیں۔ اللّٰه۔ نام ہے ذاتِ برحق مالکِ مطلق کا جس میں تمام کمالات ہیں، جس کے تمام صفات اچھے ہیں، سچ پوچھو تو کہیں سے کوئی قوت، کوئی حسن و خوبی نظر آتی بھی ہے تو اللہ کا

پر تو جمال و کمال ہے ۔ ایک دفعہ اللہ کا لفظ کہا جاتا ہے مقابل صفات کے ۔ مثلاً اَللّٰہُ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ اور وہ اسمِ ذات ہوتا ہے ۔ اور ایک دفعہ اللہ کا لفظ بندے کے مقابل کہا جاتا ہے اور اس وقت اس سے ذاتِ جامع صفاتِ کمالیہ مراد ہوتی ہے۔ اَلرَّحِیْمُ ؛ اَلرَّحْمُ ، اَلْعَطَفُ وَالْمَیْلُ ۔ رحم کے معنی ہیں جھکنا ۔ مڑنا ۔ مائل ہونا ۔ اَلرِّحْمُ ؛ وہ جھلی جو بچہ کو لپٹی رہتی ہے ۔ عربی میں حروف کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے ۔ لہذا رحمٰن میں بہ نسبت رحیم کے عمومیت رحم ہے ۔ تمام چیزوں کو بغیر کسی عمل کے ، معاوضہ کے ، نیست سے ہست کرنا رحمانیت اور رحمتِ امتنانی کہلاتا ہے ۔ پیدا کرنے کے بعد بندے کام کرتے ہیں تو اس کے نتائج عطا کرنا رحیمیت اور رحمتِ وجوبی کہلاتا ہے ۔ رحمانیت دنیا میں مسلم و کافر سب کو پرورش کرتی ہے ۔ رحیمیت آخرت میں مسلمانوں پر رحمتِ خاص کا جلوہ فرمائے گی جس میں غیر مسلم شریک نہیں ۔ اللہ تعالیٰ اسماء کو پیدا کرکے آپ بیکار نہیں ہوگیا ہے ، بلکہ ہر آن و ہر لحظہ وجود بخشتا جاتا ہے ۔ ہر شئے ہر آن ذاتِ حقہ کی طرف محتاج ہے ۔ وہ سب کا قیوم ہے محتاج الیہ ہے ۔ عالم کو اس طرح وجود بخشتے رہنے کو نَفَسِ رحمانی کہتے ہیں ، اس کے رحمِ عام و کلی سے ہر ایک کو جو ملتا ہے وہ رحمانیت کا اقتضاء ہے ۔ صاحبو ! اس نے رحمِ عام و رحمانیت کے لحاظ سے فرمایا خَلَقَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ وَمَا فِی السَّمٰوٰتِ سب کچھ تمہارے لئے پیدا کیا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے ، دنیاوی فوائد ہوں یا اخروی مراتب ان کے حاصل کرنے کے قواعد سیکھو ، محنت کرو ۔ وہ رحیمیت کے لحاظ سے تم کو تمہارے علم و عمل کے نتائج عطا فرمائے گا ۔ حیاتِ دنیا کے مناسب کام کرو تو اسی کے نتائج دے گا ۔ حیاتِ آخرت کے مناسب کام کروگے تو اس کے نتائج و ثمرات عطا فرمائے گا ۔

علم و عمل کی دنیا ہے ÷ غفلت باعثِ ذلت ہے (حسرت صدیقی)

اب رہ گئی یہ بات کہ اللہ (رحمٰن و رحیم) کے نام کے ساتھ کیا کام منسوب کیا جاتا ہے ؟ اور کون سا فعل مقدر ہے ؟ اَبْتَدِأُ اَوْاَشْرَعُ یعنی میں اللہ کے نام کے ساتھ ابتداء کرتا ہوں یا جو فعل کیا جاتا ہے وہی مقدر کیا جاتا ہے ۔ مثلاً کھانا کھانے والا مقدر کرلے گا ۔ اٰکُلُ (میں کھانا کھاتا ہوں) گھر میں داخل ہونے والا اَدْخُلُ (میں داخل ہوتا ہوں) مقدر کرے گا ۔ اسی طرح دوسرے افعال کا حال ہے اَبْتَدِأُ بِسْمِ اللّٰہِ یا بِسْمِ اللّٰہ اَبْتَدِأُ یَعْنِی اَبْتَدِأُ قبل مقدر کیا جائے گا یا بعد ۔ کفار بِسْمِ اللَّاتِ وَالْعُزّٰی کہتے تھے ۔ مسلمان اس کی تردید کرتا ہے اور بِسْمِ اللّٰہِ اَبْتَدِأُ کہتا ہے یعنی اللہ ہی کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں نہ کہ کسی اور کے نام کے ساتھ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ جارو مجرور کو اَبْتَدِأُ کے بعد آنا چاہیئے تھا ۔ پہلے لانے سے حصر کے معنٰی پیدا ہوتے ہیں ۔ اس کو تَقْدِیْمُ مَاحَقُّہُ التَّاخِیْرُ کہتے ہیں جو حصر کا فائدہ دیتی ہے بِسْمِ اللّٰہ مستقل آیت ہے یا نہیں ؟ مستقل آیت ہے ۔ سورتوں میں فصل کرنے کے لئے اتری ہے ۔ کیا بِسْمِ اللّٰہِ جزوِ سورۂ فاتحہ ہے یا نہیں ؟ شوافع کے پاس جزوِ سورۂ فاتحہ ہے ۔ لہذا وہ اس کو جہر سے یعنی پکار کر پڑھتے ہیں ۔ احناف کے پاس جزوِ سورہ فاتحہ نہیں ہے ۔ لہذا وہ اَعُوْذُ کی طرح بِسْمِ اللّٰہ کو بھی سِرًّا ۔ یعنی آہستہ پڑھتے ہیں ۔ اسی طرح آمین کو بھی آہستہ پڑھتے ہیں جو جزوِ سورہ فاتحہ نہیں ہے ۔

ترجمہ :- شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے ۔

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سَبْعُ اٰيَاتٍ

سورۃ فاتحہ مکہ میں نازل ہوئی اس میں سات (۷) آیتیں ہیں ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۱﴾

الف لام یا لام (الْ) کتنے قسم پر ہے اور یہاں کس قسم کا ہے؟

(۱) عہد خارجی ، جو پہلے سے معلوم ہو جیسے اَلرَّجُلُ وہ مرد جس کو تم پہلے سے جانتے ہو ۔

(۲) عہدِ ذہنی ، ایک غیر معین فرد جیسے اُدْخُلِ السُّوْقَ ۔ بازار جاؤ یعنی کسی ایک بازار میں جاؤ ۔

(۳) استغراق ، تمام افراد ، اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؛ بے شک تمام انسان نقصان میں ہیں ، مگر جو صاحبِ ایمان ہیں ۔

(۴) جنس جیسے اَلرَّجُلُ خَیْرٌ مِّنَ الْمَرْأَةِ مرد کی جنس ، عورت کی جنس سے بہتر ہے ۔

بعض لوگ کہتے ہیں یہ لامِ استغراق ہے یعنی تمام حمد ، اللہ ہی کی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ لامِ جنس ہے ۔ یعنی ماہیتِ حمد ، جنسِ حمد ، اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے ۔ جب جنسِ حمد ۔ ماہیتِ حمد ۔ اللہ تعالیٰ میں منحصر ہے تو دوسروں کے لئے رہا کیا ؟ لہذا یہاں لامِ جنس ، لامِ استغراق سے بھی زیادہ قوی ہوا ۔ حَمْدٌ ؛ مدح ، شکر ، قریب قریب معنی کے لفظ ہیں ۔ مَدْحٌ ، تعریف اختیاری چیز پر ہو یا غیر اختیاری پر ، نعمت کے مقابل ہو یا نہ ہو جیسے مَدَحْتُ اللُّؤْلُؤَ عَلٰی صَفَائِهٖ میں نے موتی کی تعریف اس کی آب پر کی ۔ حَمْدٌ زبان سے کسی اختیاری کام پر ثنا و تعریف کرنا خواہ نعمت کے مقابل ہو یا نہ ہو جیسے حَمِدْتُ زَیْدًا عَلٰی طَهَارَةِ نَسَبِهٖ وَحَسَبِهٖ وَجَمِیْلِ اَقْوَالِهٖ وَاَعْمَالِهٖ وَجُوْدِهٖ وَ سَخَائِهٖ وَشَجَاعَتِهٖ وَوَفَائِهٖ ۔ میں نے زید کی تعریف کی اس کے نسب و حسب کی پاکیزگی پر اور اقوال و اعمال کی خوبی اور اس کی جود و سخا اور شجاعت و وفا پر ۔ شُکْر نعمت کے مقابل ہوتا ہے مگر دل سے ، زبان سے ، دست و پا سے بھی ہوسکتا ہے ۔ مثلاً کسی نے تم کو کوئی چیز دی اور تم نے اس کے بعد اس کو سلام کیا ۔ یہ سلام بھی شکر ہی ہے ۔ یہ حصر کے معنی کہاں سے پیدا ہوئے ؟ اگر مبتداء پر لام نہ ہوا اور خبر پر لام ہو تو خبر مبتداء میں منحصر اور اس سے خاص ہوجائے گی جیسے زَیْدٌ هُوَالْقَائِمُ ؛ زید ہی قائم ہے ۔ قیام ، زید کے ساتھ خاص اور اس میں منحصر ہے ، اگر صرف مبتداء پر لام ہو یا مبتداء و خبر دونوں پر لام ہو تو مبتداء خبر میں منحصر ہوگی ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حمد ، اللہ میں منحصر اور اس سے خاص ہے ۔ صاحبو ! ذرا غور کرو ، وجود اگر تمہارا ذاتی وصف ہوتا تو تم سے کبھی دور نہ ہوتا مگر تم سو سال پہلے کب تھے ؟ اور سو سال بعد کب رہوگے ؟ تمہارا وجود تو دو عدموں کے بیچ میں ہے لہذا وجود تمہارے لئے ذاتی صفت نہیں ، جب ذاتی صفت نہ ہوا تو تمہارا وجود بالعرض ہوا ، تمام کمالات ، تمام صفات وجود ہی کی تفصیل ہیں ۔ جب تمہارا وجود ہی

بالعرض ہے تو دوسرے کمالات بالذات کس طرح ہوسکتے ہیں ۔ لہذا تمام محامد و مدائح ذاتِ حقہ خداوندی کے لئے بالذات اور اس میں منحصر ہیں ، چودھویں رات کا چاند لاکھ چمک دمک دکھلائے مگر جاننے والا خوب سمجھتا ہے کہ یہ تعریف آفتابِ جہاں تاب ہی کی ہے جو نور بخش ہے اور اپنی پرتوِ ضیاء و تابش سے قمر کو منور کیا ہے ۔ اے قمر ! تو وہی سیاہ رو ہے ، جو کسوف وخسوف کے وقت نظر آیا تھا ۔

لِ ؛ واسطے ، کے لئے ۔ یہ بھی حرفِ جر ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ لفظِ اللہ کے آخر ھـــا ۔ کو زیر ہے اَللّٰـــہ کے لفظ کی تحقیق بِسْمِ اللّٰہ کی تفسیر میں ہوچکی ہے ۔ رَبٌّ ؛ رَبَّ ــ یَـرُبُّ ۔ رَبًّا ۔ پالنا ، پرورش کرنا ۔ شئے کو اس کے کمال کی طرف رفتہ رفتہ پہنچانا ۔ رَبٌّ اصل میں مصدر ہے ۔ پروردگار ۔ پالنے والے پر بھی اس کا اطلاق کیا جاتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ کے صفات کے متعلق کچھ بحث پہلے آچکی ہے ۔ کچھ یہاں بھی کی جاتی ہے ۔ صفات دو قسم کے ہوتے ہیں ۔

(۱) انضمامی (۲) انتزاعی ۔

(۱) **انضمامی** : وہ صفت جو خارج میں موصوف کے وجود کے سوا ایک قسم کا کمزور وجود رکھتی ہے ۔ جو موصوف سے وابستہ رہتا ہے مستقل طور پر پایا نہیں جاسکتا ۔ جیسے دیوار میں سفیدی ۔ سفیدی عارض ہوتی ہے تو دیوار سفید کہلاتی ہے ۔ سیاہی لاحق ہوتی ہے ، تو دیوار سیاہ کہلاتی ہے ۔

(۲) **انتزاعی** : وہ صفت جو خارج میں وجود نہیں رکھتی ۔ مگر خارج میں موصوف اس صفت کا منشاء اس طرح واقع ہوتا ہے کہ اس سے صفتِ انتزاعی سمجھی جاتی ہے ، جیسے آسمان سے اوپر ہونا ۔ اور زمین سے نیچے ہونا سمجھا جاتا ہے ۔ وجود عینِ ذاتِ حقہ ہے ، یعنی خارج میں بالذات صرف خدائے تعالیٰ ہے اس کے سوا جو کچھ ہے بالعرض ہے ۔ لہذا صفاتِ الٰہی سب انتزاعی ہیں ۔ نہ خدائے تعالیٰ کے سوائے ہیں نہ انضمامی ہی کی طرح ہیں کیونکہ انضمامی کو خارج میں وجودِ موصوف کے سوا ایک قسم کا ضعیف وجود ہی صحیح ، مگر رہتا ضرور ہے ۔

اس سے معلوم ہوگیا کہ صفاتِ الٰہی ، منشاء اور منتزع عنہ کے لحاظ سے عینِ ذات ہیں ، اور بعدِ انتزاع سمجھنے میں جُدا جُدا مُحِیْ کے معنی اور ہیں ، اور مُمِیْت کے معنی اور ۔ اللہ کے معنی ان سب سے جدا ہیں ۔ جو ان سب کا موصوف ہے ۔ اسی بات کو اس طرح بھی کہتے ہیں کہ صفاتِ الٰہی لَاعَیْن لَاغَیْر ہیں ۔

اللہ کے بعض اسماء وجودی ہیں ، اثباتی ہیں جیسے حَـیٌّ عَـلِیْمٌ قَدِیْـرٌ ؛ بعض عدمی وسلبی ہیں جن سے ذاتِ الٰہی کا عیوب مخلوقات سے پاہونا ظاہر ہوتا ہے ۔ جیسے سُبُّوْحٌ قُـدُّوْسٌ ، صَـمَدٌ بے نیاز ، غنی ، بے احتیاج ۔ بعض صفات حقیقی اضافی ہیں جیسے عَـلِیْـمٌ کہ ہے تو وجودی وحقیقی صفت ، مگر اس کو معلوم کی طرف اضافت ونسبت بھی ہوتی ہے ۔ بعض صفات اضافیِ محض ہوتے ہیں جیسے اَوَّلُ وَاٰخِرُ ۔

اللہ کے نام کے ساتھ رب کی صفت اس لئے بیان کی گئی کہ کہیں تم یہ نہ سمجھو کہ پیدا ہونے کے بعد اب ہم آزاد ہیں ۔ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں ۔ نہیں ، تم جس طرح پیدا ہونے میں اس کے محتاج تھے ، اب بھی ہر آن ، ہر لحظہ اُس کی امداد کے ، اُس کی پرورش کی طرف محتاج ہو ۔ تمہارے صفات اس کے کمالات کی طرف محتاج ہیں ، اس دائمی امداد کو نَفَسِ رحمانی کہتے ہیں

جس طرح چراغ روشن رہتا ہے تو ہر آن تیل امداد کرتا ہے، یہ شعلہ بظاہر قائم نظر آتا ہے مگر حقیقتہً ہرآن فنا ہوتا رہتا ہے اور تیل اس کو تازہ وجود عطا کرتا ہے۔ اسی طرح ماسوا اللہ فنا ہوجاتے اور نفَسِ رحمانی سے تازہ وجود پاتے ہیں۔ اس کو ''تجدّدِ امثال'' کہتے ہیں:-

اَلْعٰلَمِیْنَ ؛ تمام جہان۔ جمع عالم کی۔ عَالَمْ ؛ ماسوا اللہ۔ مخلوق۔ بندہ۔

خَاتَمْ ؛ انگوٹھی۔ جس سے ختم، یعنی مہر کرتے۔ اور خط کو ختم و تمام کرتے ہیں۔ قَالَبْ ؛ سانچہ۔ جس سے اینٹ بناتے اور ڈھالتے ہیں۔ اسی طرح عَالَمْ ؛ جہاں۔ ذریعہ علم۔ جس کے عدمِ ذاتی پر غور کرنے سے اللہ کی معرفت کی طرف راستہ نکلتا ہے

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار ÷ ہر ورقے دفترے زِ معرفتِ کردگار (سعدیؒ)

عَالَمْ کی جمع عَوَالِمْ بھی ہے اور عَالَمِیْنَ بھی عَالَمِیْنَ ذوی العقول کی جمع ہوتی ہے ذوی العقول کی فضیلت کی وجہ سے ان کو غالب بنا کر جمع کی گئی۔ ورنہ عالمِ انسان، عالمِ ملائکہ، عالمِ جن، عالمِ حیوان، عالمِ نبات، عالم جماد سب عالم ہی ہیں۔

رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ سے نکلتا ہے کہ کوئی بندہ کسی بندے کا رَب نہیں ہے۔ چاند، سورج ہوں یا حضرت عزیرؑ و حضرت عیسیٰؑ ہوں، رام چندر جی ہوں یا کرشن جی، سب اللہ کے بندے تھے۔ اس کے مخلوق تھے، اس کی طرف محتاج تھے۔ کسی زندہ کو بھی پالنے والا کہتے ہوئے ہوشیار رہنا چاہیئے کہ یہ سب بالعرض نسبتیں ہیں۔ حقیقی رَب ایک ہی ہے اس سے غفلت نہ کرنی چاہیئے۔

اَللّٰہُ رَبِّیْ وَرَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ؛ میرا بھی پروردگار اور تمام جہانوں کا بھی پروردگار اللہ ہی ہے۔ ایک اور بات قابلِ یادداشت ہے۔ صفت کا صیغہ جب حال اور استقبال کے معنی میں رہتا ہے تو اضافت لفظی ہوتی ہے جو مفیدِ تعریف نہیں ہوتی۔ معرفہ کی صفت ہو تو اس پر لام آتا ہے جیسے زَیْدٌ الضَّارِبُ عَمْرٍو ؛ عمرو کا مارنے والا زید ہی ہے۔ جب صفت کا صیغہ کسی زمانہ سے مقید نہیں ہوتا۔ بلکہ دائمی و استمراری رہتا ہے تو اضافت حقیقی ہوتی ہے اور مفیدِ تعریف، جیسے رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ؛ اللہ کی ربوبیت، پرورش دائمی ہے۔ کسی زمانے سے مقید نہیں۔ لہذا اس پر لام نہیں آیا۔ پس وہ مفیدِ تعریف اور اللہ کی صفت ہے۔

ترجمہ:- تعریف اللہ ہی کی ہے جو تمام عالموں کی پرورش کرنے والا ہے۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۲﴾

اس سے پہلے کی آیت میں ظاہر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے۔ ہر چیز کو، ہر شخص کو، اس کے کمالِ ذاتی تک پہنچاتا ہے

وہی نمایاں ہوتا ہے جس کی جیسی فطرت ہے
دیتا ہے ہر اک کو حکیم جس میں جیسی لیاقت ہے
جو ہوتا ہے اچھا ہے اپنی اپنی قسمت ہے (حسرت صدیقی)

مگر یہ تربیت، کیا اضطراراً ہے؟ کیا مجبوراً ہے؟ جیسے آفتاب کے اثر سے پانی بخار بن کر اُڑتا ہے۔ بادل بن کر پھیلتا ہے زمین پر برستا ہے۔ نہ آفتاب اس کے خلاف کرسکتا ہے نہ بادل۔ پھر زمین، درخت اور پودے اُگاتی ہے۔ غلّہ پیدا ہوتا ہے اور انسان کھاتا ہے۔ مگر ان میں سے کسی کو علم نہیں، ارادہ نہیں سب اپنے اپنے کام میں مضطر ہیں۔ بے اختیار ہیں۔ نہیں اللہ تعالیٰ مضطر نہیں۔ بے اختیار نہیں۔ اس کی پرورش اس کے رحمِ عام و رحمِ خاص پر مبنی ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کی تربیت فرماتا ہے تو اپنی ذاتی غرض کے لئے یا اس کو صرف ہماری بھلائی مقصود ہے۔ اپنی ذات کے فائدے کے لئے جو کام ہوتا ہے، اس کو غرض کہتے ہیں۔ اور دوسروں کو فیض رسانی کے باعث کام کرنا رحم کا تقاضا سمجھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کامل و مکمل ہے صمد اور بے نیاز ہے۔ اس کو کسی کی حاجت نہیں۔ اس کے افعال مبنی برغرض نہیں۔ سب کی بناء اس کی رحمانیت و رحیمیت پر ہے۔ اس کے رحمِ عام نے تمہارے لئے تمام اسباب، تمام مواد پیدا کردیئے ہیں۔ تم ان سے فائدہ حاصل کرنے کا طریقہ اور قانون سیکھو۔ اور نئے نئے قانون دریافت کرو، اکتشاف کرو۔ وہ تمہارے اعمال کے نتائج عطا کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا۔ حیاتِ دنیا کے مناسب کام کرو تو اس کے نتائج عطا فرمائے گا۔ حیات اُخروی کے مناسب کام کرو تو اس کے نتائج بھی عطا کرے گا۔ تم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھو۔ اپاہج بن کر رہو۔ نہ علم سیکھو نہ ہنر اور تمہارے دشمن علم و ہنر سیکھیں عمل و محنت کریں تو وہ تو رَب العالمین ہے، سب کا خدا ہے ان کی محنت کا ثمرہ عطا کرے گا۔ اور اپنی رحیمیت سے فیض یاب کرے گا۔ تم مغلوب ہوجاگے۔ مفلس اور ذلیل ہوکر رہو گے۔ اگر تمہارا عقیدہ اچھا ہے، نماز و روزے کے پابند ہو، تو اس کا نتیجہ تم کو کل ملے گا، آخرت میں ملے گا۔ آج کے لئے بھی تو کام کرو۔ دنیا عالمِ اسباب ہے۔ اللہ نے عقل دی ہے، ہاتھ پیر دیئے ہیں ان کو بیکار نہ سمجھو۔ اللہ نے جن اغراض کے لئے ان کو پیدا کیا ہے ان میں استعمال کرو۔ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَايَعْلَمُوْنَ ۔ کیا عالم و جاہل دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى وَ اَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۔ آدمی کے لئے وہی ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔ بے شک آدمی اپنی سعی و کوشش کے نتیجے کو دیکھے گا۔ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے

باتوں سے کیا ہوتا ہے ÷ عمل سے ساری عزت ہے
علم و عمل کی دنیا ہے ÷ غفلت باعثِ ذلت ہے
تم نہ اپاہج بن کے رہو ÷ کام کرو گر قوت ہے
سستی میں ناکامی ہے ÷ حرکت میں سب برکت ہے
یاس کو پاس نہ آنے دو ÷ مرد ہے جو باہمت ہے (حسرت صدیقی)

ترجمہ:- جو رحمٰن و رحیم ہے۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝٣

چونکہ اللہ تعالیٰ کی مالکیت دائمی ہے ۔ حال و مستقبل کے زمانے سے خاص نہیں لہذا یہ اضافتِ حقیقی ہے اور مفیدِ تعریف اور اللہ کی صفت ہے ۔ گو کہ صفت کا صیغہ اپنے معمول کی طرف مضاف ہے ۔ مَلَکَ یَمْلِکُ (مثل ضَرَبَ یَضْرِبُ) مُلْکًا یا بادشاہ ہونا ۔ فَھُوَ مَلِکٌ ۔ بادشاہ ہے ۔ مِلْکًا ؛ مالک ہونا ۔ فَھُوَ مَالِکٌ ؛ مالک ہے ۔ آقا ہے ۔ مَلَکْ کے مادے میں قوت و قدرت ملحوظ ہے ۔ یَوْمٌ ؛ دن جیسے یَوْمُ الْجُمُعَۃْ ؛ جمعہ کا دن ، یَوْمُ السَّبْتِ ؛ شنبہ کا دن ۔ یَوْمٌ ؛ وقت ، زمانہ جیسے کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ ؛ وہ ہر وقت نئی شان میں ہے ۔ دِیْنٌ ۔ اطاعت ، مذہب و ملّت ، جزاء ، بدلہ ۔ ایک شخص عمر بھر خوش اعتقاد اور نیک عمل رہا ہو ، اور ایک شخص تمام عمر بد عقیدہ بھی تھا اور بد عمل بھی ۔ (ان حشرات الارض ، کیڑے مکوڑوں ، مادہ پرستوں سے اور ان کی عقل فاسد سے ہمارا سوال نہیں ۔ ہمارا سوال اللہ کو خدا سمجھنے والوں سے ہے) کیا یہ دونوں برابر ہیں ؟ ان کی کچھ داد فریاد بھی ہے بے شک ہے ۔ قیامت آنے والی ہے ، نیکوں کو جزائے نیک اور بروں کو جزائے بد ۔ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ اسی کو بتلاتا ہے لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰی ۔ تاکہ بدکاروں کو ان کے اعمالِ بد کی جزا دے اور نیکوکاروں کو ان کے اعمالِ صالحہ کا معاوضہ عطا فرمائے ۔ یَوْمِ الدِّیْنِ ۔ وقتِ جزاء ، زمانۂ جزاء ، روزِ جزاء ۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی جزا عطا فرماتا ہے اور آخرت میں بھی جزا دے گا ۔ جیسا کام کرو ویسا ہی بدلہ ملتا ہے ۔ اس میں مطیعوں کو مبارک بادی ہے ۔ مصیبت زدوں کو جزائے صبر کی اُمید دلائی گئی ہے ۔ ظالموں و حق ناشناسوں کو انذار ہے ، تخویف ہے ، تنبیہ ہے ۔

ترجمہ :- روزِ جزا کا مالک ہے ۔

دیکھو ! اللہ حقوق اللہ میں معافی فرما سکتا ہے مگر حقوق العباد بڑی بری بلا ہے ۔ وہ علیم ہے ، تمہارے اعمال سے واقف ہے ۔ قدیر ہے ، تم کو جزا و سزا دے سکتا ہے ۔ وہ مقسط ہے ۔ عادل ہے ۔ منصف ہے ، غریبوں عاجزوں کی فریاد سنتا ہے ۔ وہ ظالموں کو بغیر سزا دیئے نہ چھوڑے گا ۔ اے حاکمو ! اپنے ماتحت لوگوں پر انصاف و رحم سے کام لو ۔ غلطی تم سے بھی ہوتی ہے اور دوسروں سے بھی ، چھوٹی چھوٹی بات پر گرفت نہ کرو ، بندگانِ خدا کی حق رسانی کرو ۔ آخر تمہارا بھی تو ایک مالک ہے ، بادشاہ ہے ۔ اس سے جس قسم کی اُمید رکھتے ہو اپنے ماتحتوں سے ویسا ہی سلوک کرو ۔ اللہ رَب العالمین ہے ۔ رحمٰن و رحیم ہے تم بھی تو اس کی صفاتِ طیبہ کا مظہر بنو ۔ دیکھو اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ ؛ تیرے پروردگار کی پکڑ بڑی سخت ہے ۔

صاحبو ! جہاں اللہ تعالیٰ رَب العالمین ہے ، رحمٰن و رحیم ہے ، وہاں منتقم و قہار بھی تو ہے ، اُس کی اطاعت کرو ، اُس کے اوامر کا امتثال کرو ۔ اُس کی فرماں برداری کرو ۔ اُس کی نافرمانی سے بچو ۔ اُس کے قہر سے ڈرو ۔ اللہ و رسول کی محبت کا ادعا کرتے ہو تو ان کے احکام کے سامنے گردنِ تسلیم جھکا دو ۔ یہ کیسی محبت ہے کہ محبوب کی مرضی کی مخالفت ، اور ہر کام میں مخالفت

خدا کو تمہاری غرض کیا پڑی ہے جو تم کو خدا ہی سے بیزاریاں ہیں (حسرت صدیقی)

دوستو ! اللہ تعالیٰ کو رحمٰن و رحیم سمجھتے ہو ۔ بے شک وہ رحمٰن و رحیم ہے ، مگر وہ مالک و رزاق بھی تو ہے ۔ آپ کو معلوم ہے کہ غلاموں اور خادموں کا نفقہ آقا پر واجب ہوتا ہے ۔ جب اللہ مالک ہے تو وہ تم کو رزق پہنچائے گا ۔ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا ؛ زمین پر چلنے والے کا ، رینگنے والے کا رزق اللہ پر ہے اُس کے ذمہ ہے ۔ اس قدر اطمینان دلانے کے باوجود تم اسباب کو استعمال کرتے ہو ۔ اور استعمال کرنا چاہئیے بھی ، کیوں کہ یہی اللہ کا مقصد ہے ۔ اس کا حکم ہے اسی طرح اس کے رحم کے مستحق ہونے کے اسباب بھی تو استعمال کرو ۔ نماز پڑھو ۔ روزے رکھو ۔ اچھے کام کرو ۔ نیک بنو ۔ وہ تم سے صفتِ رحمٰن و رحیم سے سلوک کرے گا ۔ یہ کیا ہے ؟ تو برے کے لئے تو آگے بڑھتے ہو اور لگام دینے کے وقت پیچھے ہٹتے ہو ۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ ؛ تم نے اللہ کی کچھ قدر نہ کی ، اس کے رحم سے غلط طریقہ پر فائدہ اُٹھانے کا ارادہ رکھتے ہو یا اپنی کاہلی و آرام طلبی کا حیلہ نکال رہے ہو ۔ فرماں بردار رہو ، اور رحم کے مستحق بنو ۔

اے علمائے ملت ! اللہ تعالیٰ کی تعلیم و تفہیم کیسی نرم اور کیسی رحیمانہ ہے ۔ فرماتا ہے ۔ میں رَب العالمین ہوں ، رحمٰن و رحیم ہوں ، مگر میں روزِ جزا کا مالک بھی ہوں ۔ کس لطیف طریقہ سے ڈراتا ہے ۔ آپ بھی قُوْلَا لَہٗ قَوْلًا لَّیِّنًا ۔ اے موسیٰ و ہارون ! تم دونوں فرعون سے نرم بات کرو ۔ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ اُن کو اچھے طریقے سے نصیحت کرو پر عمل کرو ۔ مقابلہ کرو ۔ آپ موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے زیادہ اللہ کے پاس عزیز نہیں ہیں ۔ اور آپ کا مخاطب فرعون سے زیادہ سرکش نہیں ۔ بدتر نہیں ۔ پس نرمی سے نصحیت کرو ۔ دلکش طریقے سے تبلیغ کرو ، یہ فوارۂ کفر و شرک کیوں بنے ہوئے ہو جس کو دیکھو کافر ، جس کو دیکھو مشرک کہتے ہو !

درشتی و نرمی بہم در بہ است چورگ زن کہ فصاد و مرہم نہ است

اللہ جب ہم سب کا پروردگار ہے ، مالک ہے ، جزا و سزا دینے والا ہے تو کس کے حکم کے مطابق ؟ اپنے احکام کے مطابق ۔ ان احکام کے مطابق جو اس کے رسول کے توسط سے ہم تک پہنچے ہیں ۔ اسلام تمام ممالک ، تمام زمانوں کے لئے ہے ۔ اسلام خاتم النبیینؐ کا دین ہے ، جو کبھی منسوخ نہ ہوگا ۔ اسلام میں اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ہے ۔ یعنی حکم دینا صرف خدا کا حق ہے ۔ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ جو ان احکام کے مطابق جن کو اللہ نے اتارا ہے ، حکم نہ دیں تو وہ بدچلن ، فاسق ، بدکار ہیں ۔ ایک اور جگہ ہے فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ وہ تو ظالم ہیں ۔ ایک اور جگہ ہے ۔ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ ؛ وہ تو دینِ اسلام رسولِ برحق ہی کے منکر ہیں ، کافر ہیں ۔

مسلم حکمِ الٰہی میں ایسا جکڑا ہوا ہے کہ بے حکمِ شرع کوئی حرکت نہیں کرسکتا ۔ کیا بات کرسکتا ہے ؟ نہیں ۔ غیبت نہیں کرسکتا ۔ جھوٹ نہیں بول سکتا ، کلماتِ کفر نہیں بک سکتا ۔ کیا کچھ کھا سکتا ہے ؟ نہیں ، جو جانور حرام کردیئے گئے ہیں ، ان کو نہیں کھا سکتا ۔ معمولی کھانا پانی رمضانِ شریف کے دن میں جب تک مغرب نہ ہوجائے نہ کھا سکتا ہے ، نہ پی سکتا ہے ۔ غرض کہ مسلمان کا ہر فعل تحتِ شرعِ متین ہوتا ہے اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

موت و حیات میری دونوں ترے لئے ہیں جینا تری گلی میں ، مرنا تری گلی میں (حسرتؒ)

کیا ہندو مسلمان مل کر ایک ہندوستانی مشترک قوم بنا سکتے ہیں ؟ نہیں ، ہرگز نہیں ۔ یہ نظریہ اکثریت کا دام ہے جس سے

نادان مسلمان یا قوم فروش ، اشخاص کو پھانستے ہیں ۔ ذرا یہ تو سمجھو ! کہ قوم کی حکومت افراد پر رہتی ہے ۔ افراد کی جان و مال سب قوم کی ملک رہتی ہے ۔ جو حکم دے واجب التعمیل ۔ افراد چند آدمیوں کو مجلسِ آئین وقوانین کے لئے اور مجلس شورائے ملی کے لئے انتخاب کرتے ہیں ، اختلافی مسائل میں دست شماری ہوتی ہے ۔ اکثریت پر احکام دیئے جاتے ہیں ، مسلمان بھلا اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ کا ماننے والا ، حکمِ خدا کے خلاف کسی کا حکم کب مان سکتا ہے؟ نہ خدا ہندوستانی نہ مسلمان ہندوستانی

چین وعرب ہمارا ہندوستاں ہمارا مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا (اقبالؒ)

مسلمان صرف خدا کا ہوتا ہے ۔ منظم ہوجائے تو بہت بڑی اجتماعی قوت اور عظیم قومیت رکھتا ہے ۔ مگر افسوس موجودہ مسلمانوں نے نہ خود کو سمجھا نہ اسلام کو ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلافتِ الٰہی کے مدعی پیپل کے پجاریوں کی پوجا کر رہے ہیں ، ان کے ہر حکم کی تعمیل کرنے کے لئے تیار ۔ نہ دین سے غرض ، نہ خدا اور رسول سے مطلب ، نہ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ پر ایمان ، نہ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِيْنَ پر اطمینان لہذا وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ان پر ذلت و افلاس کی مار ماری گئی اور وہ مستحقِ غضبِ خدا ہوئے ۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝٤

اِيَّاكَ ؛ تجھ ہی کو ۔ نَعْبُدُ ؛ ہم عبادت کرتے ہیں ، پرستش کرتے ہیں ، پوجتے ہیں ۔ نَسْتَعِيْنُ ؛ ہم مدد طلب کرتے ہیں ۔ مادّہ عَوْن ۔ مدد ، اس کا مصدر اِسْتِعَانَةٌ ہے ۔ بابِ استفعال سے ہے ۔ اس کی خاصیت طلب ہے ۔ عِبَادَةٌ ۔ انتہائی عاجزی ۔ طَرِيْقٌ مُعَبَّدٌ ؛ پامال راستہ ، وہ راستہ جس پر لوگ بکثرت چلتے ہوں ۔ اِيَّاكَ کی تقدیم سے حصر کے معنی پیدا ہوئے ترجمہ :- ہم (تیری ہی بندگی کرتے ہیں) تیری ہی عبادت کرتے ہیں ، اور تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں

پہلے اس پر غور کرو کہ عبدورب ۔ خدا و بندہ ۔ واجب وممکن کی حقیقت کیا ہے؟ اور ان میں ربط کیا ہے؟ اور شرک و کفر کی تحقیق کیا ہے؟ کیا کفر وشرک عقیدے سے متعلق ہیں یا عمل سے؟ جو بات سمجھ میں آتی ہے یعنی مفہوم تین قسم پر ہے ۔

(١) واجب الوجود ۔ حق تعالیٰ جس کا وجود ضروری ہے ، اور عدم غیر ممکن ۔

(٢) ممتنع ، جس کا عدم ضروری ہے اور اس کا موجود ہونا ناممکن ہے جیسے شریکِ خدا کا پیدا ہونا ۔ اور جزو کا کل سے بڑا ہونا محال ہے غیر ممکن ہے ، ممتنع ہے ۔

(٣) ممکن کا موجود ہونا ضروری نہیں ۔ مگر نہ ہونا بھی ضروری ، اگر ممکن موجود ہوجائے تب بھی کوئی محال لازم نہ آئے ۔ اللہ کے سوا جتنی چیزیں ہیں سب ممکن ہیں ۔ ممکن کا وجود بالذات نہیں ۔ اگر ممکن کے لئے وجود بالذات ہوتا تو کبھی اس سے جدا نہ ہوتا ۔ کیونکہ ذات سے ذاتیات ولوازمِ ذات کبھی منفک و جدا نہیں ہوتے ۔ مگر ہر ممکن سے پہلے تو عدم اور بعد عدم ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ممکن اپنے وجود میں واجب کا محتاج ہوتا ہے ۔ جب ممکن کے لئے وجود ہی ضروری نہیں ، بالذات نہیں ،

واجب تعالیٰ کا دیا ہوا ہے تو اور کونسی چیز ہے جو اس کے لئے بالذات ہوگی ۔ ہاں عدم تو ممکن کے لئے بالذات ہے ۔ یہی عدمِ بالذات احتیاجِ بالذات ، بندگی کا مرجع اور وجودِ بالذات ، استغناءِ بالذات واجب تعالیٰ کا خاصہ ہے ۔

شرک کیا ہے ؟ اللہ کے صفاتِ خاصہ کو کسی بندے میں موجود ماننا ۔ اور

کفر کیا ہے ؟ اللہ کے صفاتِ خاصہ سے انکار ۔ یا خود خدائے تعالیٰ ہی کو نہ ماننا ۔

اب ذرا اس پر بھی غور کرو کہ ممکن میں یہ موجودہ صفات آئے کہاں سے ؟ وجودی صفات ، واجب تعالیٰ سے حاصل ہوئے ہیں جو منبعِ وجود ہے ۔ اور عدمی صفات خود ذاتِ ممکن سے سمجھے گئے ۔ ہم پر کس کی حیات وعلم کا پرتو ہے ؟ سماعت و بصارت کس کی ہے ؟ قدرت کس کی ہے ؟ ارادہ کہاں سے آیا ؟ واجب تعالیٰ سے ۔ حقائقِ ممکنات ، جو معلوماتِ الٰہی ہیں ، خارج میں موجود نہیں ، علمِ الٰہی میں ثابت ہیں ۔ ان پر جس اسمِ الٰہی کی تجلی ہوتی ہے ، وہی آیئنۂ حقیقتِ ممکن سے ظاہر ہوتی ہے ۔ خدائے تعالیٰ کے کون سے صفات ہم میں موجود نہیں ہیں اور کن سے ہم موصوف نہیں ۔ حیات ہم میں ہے ، علم ہم میں ہے ، قدرت ہم میں ہے

کونسی شئے ہے نہیں جو مجھ میں اک طلسمات کا پتلا ہوں میں (حسرت صدیقی)

کیا یہ شرک ہے ؟ نہیں ۔ شرک نہیں ۔ شرک اس وقت ہوتا کہ کسی صفت کو ممکن میں بالذات مانتے جس کی اصل عدم ہو ۔ اس کے دونوں ہاتھ خالی ع دامن از کجا آرام کہ جامہ ندارم ۔

ہمارے پاس ، ممکن ، ہر آن ہر لحظہ فنا ہوتا جاتا ہے اور نفَسِ رحمانی و جودِ ظلی یا وجودِ بالعرض عطا فرماتا جاتا ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ سب کا قیوم ہے سب کا قیام اسی پر ہے ۔ یہ نہیں کہ خدا نے پیدا کیا ۔ اب سب مختار ہیں ، آزاد ہیں ۔ بندہ کیا شئے بالذات رکھے گا ۔ اَلْعَبْدُ وَمَا مَلَكَتْ يَدَاهُ لِمَوْلَاهُ ع جو کچھ ہے وہ آقا کا کچھ بھی نہیں بندے کا (حسرتؔ)

جو نادان ، غیرِ خدا کو ایک آن کے لئے کسی ایک امر میں بھی خدا کا غیرِ محتاج جانتا ہے اور اس کو کسی وجودی صفت سے بالذات موصوف سمجھتا ہے وہ بے شک شرک کرتا ہے ۔

بُت پرست ہر کام کے لئے ایک دیوتا مانتے تھے ۔ جب ان سے کہا گیا کہ ایک ہی خدا قادرِ مطلق ہے ۔ خلاّق ہے رزاق ہے ۔ محی و ممیت ہے تو انھوں نے کہا ۔ أَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰـهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۔ کیا تمام دیوتاؤں کو ایک ہی کر دیا ہے ؟ یہ تو عجیب بات ہے ۔

جہاں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں سب کچھ ہے ، وہاں اس نے ظاہری اسباب بھی لگا دیئے ہیں اور باطنی اسباب بھی ۔ اسباب کا ترک نہ کرنا ان کو استعمال کرنا شرک نہیں ۔ اسباب کو موثر بالذات ماننا شرک ہے ۔ بعض مادہ پرست موحد ، زندوں کو رب ، رزاق و ممیت سمجھنے کو شرک نہیں سمجھتے ہیں ۔ شرک ہے تو زندہ مردہ سب سے ہے ۔ خدا کے لئے بالذات اور بندوں کے لئے بالعرض نسبت دو ، تو شرک نہیں ۔ یہ نسبت و اسنادِ مجازی ہے ۔ معمولی مصیبت میں انگریزوں سے ہندوں سے مدد طلب کرتے پھرنا ۔ آمین بالجہر درفع یدین وغیرہ ، غیر واجبات کے لئے لڑنا ، اور غیر مسلم حکام کی عدالتوں میں داد فریاد کرتے پہنچنا غیر مسلم وکیلوں سے مدد طلب کرنا ، اور پھولے نہیں سمانا کہ ہم نے زندوں سے مدد طلب کی نہ کہ مُردوں سے ۔ کیا مُردوں سے

شرک ناجائز اور زندوں سے جائز ہے؟

کیا انسان مرتے ہی نہ اہل دنیا کو دیکھتا ہے، نہ ان کی سنتا ہے؟ حدیث میں ہے۔ قبروں کے پاس جاؤ تو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ کہو، مُردے دیکھتے سنتے نہیں ہیں، تو سلام کیوں کیا گیا؟ کیا دور کے ارواح کو مخاطب کریں تو شرک نہیں ہوتا؟ غیب کی بات جاننا تو اللہ کی صفت ہے۔ شیطان بھی تو تمام لوگوں کے دل کی بات جانتا ہے خواہ مشرق میں ہوں یا مغرب میں، نزدیک ہوں یا دور، شیطان کا غیب کی بات جاننا قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اچھا جب غیب کی باتیں جاننا خاصۂ اِلٰہی ہوا، تو کیا پھر شیطان سے شرک جائز ہے؟ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ؛ اللہ کا کام مطلق ہے۔ عام ہے، بالذات ہے بندوں کا کام بِقُوَّۃِ اللّٰہ ہے۔ باذنِ اللہ ہے اور وہ بھی نہایت کمتر۔ بندوں کو غیب کا جو علم ہوتا ہے وہ غیبِ اضافی ہے۔ مطلق علمِ غیب اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ اللہ کو اتنا چھوٹا کیوں سمجھ رکھا ہے کہ ذرے میں دوسرے اس کے برابر ہوجاتے ہیں۔

آج کل ہر روحانی کام سے یہ بے روح موحِد، علمِ غیب سے ڈرا کر روکتے ہیں۔ لہذا اس کے متعلق ایک مختصر تحقیق کرلینا چاہتا ہوں۔

علمِ غیب مرکبِ اضافی ہے، علم اور غیب سے؟ ہم پہلے انہی کی تحقیق کریں گے۔ علم کے معنے ہیں جاننا۔ ظاہر ہے کہ جس کا وجود بالذات ہے۔ یعنی واجب تعالیٰ، اس کا علم بھی بالذات ہے اور جس کا وجود بالعرض ہے یعنی ممکن ومخلوق، اس کا علم بھی بالعرض ہے۔ اتنا ماننے کے بعد شرک کوسوں دور ہوگیا۔ علم عینی بھی ہوتا ہے یعنی معلوم دیکھی ہوئی چیز ہوتی ہے۔ علم سماعی بھی ہوتا ہے یعنی کسی نے اس سے کہا اور اس نے سنا۔ علم تحقیقی بھی ہوتا ہے۔ تقلیدی بھی ہوتا ہے۔ اب رہ گیا غیب۔ اللہ کے لحاظ سے تو کوئی شئے غیب نہیں۔ غیبِ مطلق جو کسی بندے کو معلوم ہی نہیں ہوسکتا جیسے حقیقت وکنہ و ماہیتِ حق جل وعلا کہ اس کا علم دائرہ بشری سے خارج ہے۔ بندہ غریب، سراگندہ اپنی ہی حقیقت نہیں جان سکتا تو اللہ کی حقیقت کیا جانے گا پس نہ علمِ عبد وعلمِ حق برابر ہوئے، نہ معلومِ حق ومعلومِ عبد۔

صاحبو! مسلمانوں کو کافر کہنے میں تم کو مزہ ملتا ہے۔ تم فوارۂ شرک وتکفیر کیوں بنے ہوئے ہو؟ معلوم نہیں! ''ازاومی خیزد و براومی ریزد'' اب رہ گیا علمِ غیبِ اضافی، وہ تو ہوتا ہی ہے۔ ایک چیز کو ایک شخص دیکھتا ہے، دوسرا نہیں دیکھتا۔ یہ علمِ غیب اضافی نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟ دیکھو! علمِ غیب تین قسم پر ہے (۱) غیبِ مطلق تو صرف خدا ہی کو ہے اور بس (۲) بعض علمِ غیب انبیاء کو دیا جاتا ہے۔ عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ؛ وہ عالم الغیب ہے۔ اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا مگر اپنے برگزیدہ رسول پر (۳) اس طرح ایک علمِ غیب ہر مسلمان کو ہونا چاہئیے۔ جس کو علمِ غیب نہیں، وہ کافر ہے، مسلمان نہیں۔ اللہ، فرشتے، جنت، دوزخ۔ مسلمان کی تعریف ہے یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ یعنی مسلمان غیب کا علم رکھتا ہے یقین رکھتا ہے۔ ایمان رکھتا ہے۔

کیا ارواحِ طیبہ سے بات چیت ممکن ہے؟ بے شک ممکن ہے۔ معراجِ شریف میں حضرت حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء سے ملاقات کی۔ ان کی امامت کی۔ انبیاء میں سے حضرتؐ کے اجداد نے نِعْمَ الْوَلَدُ اور دوسرے انبیاء نے نِعْمَ الْاَخْ کہا۔ موسیٰ علیہ السلام نے پچاس نمازوں کی تخفیف میں حضرت حبیبِ خدا کو مشورہ دیا، مدد دی اور حضرتؐ نے مدد

حاصل کی ۔

کسی بزرگ کو یہ کہنا کہ آپ میری بیماری اچھی کردیجئے یا اولاد دیجئے شرک نہیں ؟ کیا شفاء اور اولاد دینا اللہ کی صفت خاصہ نہیں ہے؟ ہر ایک وجودی صفت ، بالذات اللہ کے لئے ہے اور مجازی نسبت اسباب کی طرف کی جاتی ہے ۔ شفا کی نسبت ڈاکٹر وحکیم اور دوا کی طرف کی جاتی ہے ۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا ۔ لِاَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ؛ اے مریمؑ ۔ میں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ میں تم کو پاک لڑکا دوں ۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نسبت فرماتا ہے ۔ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِى فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِىْ ؛ اور جب تم بناتے ہو مٹی کیچڑ سے مثل پرندے کی صورت کے پھر تم اس میں پھونکتے ہو ، پھر وہ زندہ ہوجاتا ہے میرے حکم سے وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِى وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِى ؛ تم شفا دیتے ، چنگا کردیتے ہو ، مادر زاد نابینا اور کوڑھی کو ، اور مُردوں کو زندہ کردیتے ہو میرے (اللہ کے) حکم سے ۔ ان تمام مقامات میں بِاِذْنِى یعنی بِاِذْنِ اللّٰهِ کی قید نسبت مجازی کو ظاہر کرتی ہے نسبت مجازی سے بھی شرک ہوجائے تو بات کرنا دشوار ہوجائے ۔

کیا بزرگوں کے نام پر فاتحہ دے کر کھانا کھلانا ، جانوروں کو کہنا کہ یہ فلاں کا ہے شرک اور مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں داخل نہیں ؟

اضافت ونسبت ادنیٰ تعلق سے بھی ہوتی ہے ۔ دیکھو ، تم کہتے ہو یہ بکرا میرا ہے ، یہ گھر میرا ہے ، یہ کھانا میرا ہے ۔ اگر یہ سب مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں داخل ہوجائیں تو بڑی مشکل ہو ۔ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ گھر میرا نہیں خدا کا ہے ، تو وہ وقف ہوجائے ۔ اگر کوئی کہے کہ یہ بیوی خدا کی ہے تو کفر ہوجائے ۔ ایصالِ ثواب احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے ۔ ابو داؤد ونسائی میں ہے ، کہ اُم سَعْد کے لئے کنواں کھدوایا گیا اور پکار دیا گیا هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ یہ اُمِ سعد کا کنواں ہے ۔ دیکھو اس سے امیر بھی پانی پیتے تھے اور غریب بھی ۔ مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ وقت ذبح کے لئے ہے ۔ کفار ذبح کے وقت بِسْمِ اللّٰتِ وَالْعُزّٰى کہتے تھے ۔ اس کے مقابل ذبح کے وقت بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ قائم کیا گیا ۔ قربانی کے وقت حضرت محمد ﷺ نے فرمایا : اَللّٰهُمَّ هٰذَا مِنْكَ وَلَكَ اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذَا عَنْ مُحَمَّدٍ وَاُمَّتِهٖ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اور اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذَا عَمَّنْ شَهِدَنِى بِالْبَلَاغِ ۔ ترجمہ :- اے اللہ یہ تیری طرف سے ہے اور تیرے لئے ہے ۔ اے اللہ یہ محمدؐ اور اس کی اُمّت کی جانب سے ہے بسم اللہ اللہ اکبر ۔ اے اللہ یہ ان کی جانب سے ہے جنھوں نے میرے پیغام پہنچانے کی گواہی دی ۔ بتوں کے لئے ذبح کرنا الگ بات ہے اور ایصالِ ثواب کے لئے نامِ خدا پر ذبح کرنا جُدا ہے ۔ بدتمیزی سے عدمِ تفقہ ثابت ہوتا ہے ۔ تمہارے پاس آدمی کی طرف کسی شئے کو نسبت کرتے ہیں ، تو وہ ایسی نجس ہوجاتی ہے کہ خدا کا نام بھی اس کو پاک نہیں کرسکتا ۔ ہمارے پاس مشرک جس کی نجاست منصوص ہے اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ ، خدا کا نام لیتے ہی ، کلمہ پڑھتے ہی ، مسلمان ہوجاتا ہے ، پاک ہوجاتا ہے ۔

بخاریؒ ومسلمؒ میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ، پھر عرض کیا ، میری بہن نے نذر کی تھی کہ وہ حج کرے گی ، وہ مرگئی ہے (بغیر حج کئے) ، تو حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا '' اگر اس پر قرض ہوتا تو کیا تم ادا کرتے ؟ '' عرض کیا ۔ جی ہاں ۔ فرمایا '' اللہ کا قرض ادا کرو ، وہ زیادہ مستحق ہے کہ ادا کیا جائے ۔ مسلم میں بریدہؓ سے

روایت ہے کہا ، میں نبی ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا ، ایک عورت آپ کی خدمت میں آئی ، پھر اس نے عرض کیا ، یا رسول اللہ میں نے اپنی ماں کو ایک لونڈی دی تھی ، ان کا انتقال ہوگیا ، حضرتؐ نے فرمایا '' تمہارا اجر واجب ہوگیا ، اور اس لونڈی کو میراث نے تم پر واپس کردیا''۔ اس عورت نے عرض کیا ، یا رسول اللہ ان پر ایک ماہ کے روزے واجب تھے ، کیا میں ان کی طرف سے روزے رکھوں فرمایا ،'' ان کی طرف سے رکھو'' عرض کیا ، انھوں نے کبھی حج نہیں کیا تھا ، کیا میں ان کی طرف سے حج کروں ؟ فرمایا '' ان کی طرف سے حج کرو''۔ بخاریؒ و مسلمؒ نے حضرت اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے عرض کیا ، کہ میری ماں نے ناگہاں طور پر انتقال کیا ، میری رائے میں اگر ہوتیں تو خیرات کرتیں ، تو کیا ان کو ثواب پہنچے گا اگر میں ان کی طرف سے خیرات کروں ؟ حضرت نے فرمایا '' ہاں''۔

ایصالِ ثواب درست بھی ہو تو سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنے کا کیا ثبوت ہے ؟ سامنے کھانا رکھنا تعین کے لئے ہے ۔ ☆ اور فاتحہ پڑھنا اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے كُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَمْ یُبْدَءْ بِحَمْدِ اللّٰهِ فَهُوَ اَبْتَرُ ۔یعنی ہر اہم امر جو الحمدللہ سے شروع نہ ہو وہ ابتر ہے بے خیر ہے ۔

کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا بھی درست ہو تو ایک ہی قسم کا کھانا بار بار پکانے کے کیا معنٰی ؟ ظاہر ہے کہ بہترین کام وہ ہیں جن میں ہمیشگی ہو ، تکرار ہو ۔ مداومت ہو ۔

یَا رَسُوْلَ اللّٰه ! یا غوث پکارنا بھی کیا ناجائز نہیں ، شرک نہیں ؟ ترمذیؒ ، نسائیؒ ، طبرانی ، ابن خزیمہ ، حاکم سے بیہقی نے یہ دعا روایت کی ہے ۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْکَ بِحَبِیْبِکَ الْمُصْطَفٰی عِنْدَکَ یَا حَبِیْبَنَا یَا مُحَمَّدُ اِنَّا نَتَوَسَّلُ بِکَ اِلٰی رَبِّکَ فَاشْفَعْ لَنَا عِنْدَ الْمَوْلٰی الْعَظِیْمِ یَا نِعْمَ الرَّسُوْلُ الطَّاهِرُ اَللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ فِیْنَا بِجَاهِهٖ عِنْدَکَ ؛

ترجمہ :- ''یا اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ، مانگتا ہوں تیرے برگزیدہ حبیبؐ کے وسیلے سے جو تیرے پاس برگزیدہ ہیں ۔ اے ہمارے حبیب یا محمد ﷺ ، ہم آپ کا وسیلہ لے کر اللہ سے مانگتے ہیں خدائے بزرگ و برتر کے پاس آپ ہماری سفارش کیجئے ، اے خدا کے پاک رسول ۔ یا اللہ ! رسولِ خدا کی سفارش قبول کر ۔ ہمارے حق میں اس آبرو اور عزت کی وجہ سے جو تیرے پاس ان کی ہے''۔ دیکھو اس دعا میں یا محمد کی ندا ہے ۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی اس دعا کو صحابہ نے خود پڑھا اور دوسروں کو اس کی تعلیم دی ۔

دیکھو التحیات میں اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ سے نبی ﷺ سے خطاب کیا جاتا ہے ۔ نیز اس بات پر بھی غور کرو کہ لفظ کے ساتھ معنی اور معنی کے ساتھ مصداق ذہن میں آجاتا ہے ۔ پس صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کہتے وقت رسول اللہ ﷺ کے تصور کا ذہن میں آجانا جو اس کے فردِ اعلیٰ اور بہترین مصداق ہیں ، ایک طبعی بات ہے او مدعیانِ توحید ! تم یا رسول اللہ

☆ سنن ابن ماجہ میں کھانا کھانے پر اس دعا کے پڑھنے کے لئے ارشاد فرمایا گیا ہے الحمد لله الذی اطعمنی هذا و رزقنیه من غیر حول منی ولاقوة ۔جس میں لفظ هذا تعین کو ظاہر کرتا ہے ۔ (حسرت اکیڈیمی)

پکارنے کو اور حضرتؐ کے اس کا علم رکھنے کو کفر اور شرک اور کیا کیا سمجھتے ہو ۔ سنو اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے : اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۔ ضرور ہم نے تم کو شاہد، گواہ اور خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ۔ شاہد حاضر ہو تو فرع کی شہادت صحیح نہیں ۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ ؛ خود تم میں سے ایک ایسا رسول آیا ہے جس پر وہ تمام چیزیں جو تم کو تکلیف دہ ہیں ، دشوار گزرتی ہیں ۔ جب تک حضرتؐ ہمارے حال سے واقف نہ ہوں ، ہماری تکلیفات ان پر کیونکر شاق گزریں گی ۔ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ ، حدیث روایت کرتے ہیں ۔ لَايُشَاكُ اَحَدُكُمْ بِشَوْكَةٍ اِلَّا وَاَجِدُ اَلَمَهَا ؛ یعنی تمہارے پاؤں میں کانٹا نہیں چبھتا مگر اس کا درد میں محسوس کرتا ہوں '' ۔ بعض احادیث میں ہے اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰهِ وَكُلُّ شَيْءٍ مِّنْ نُّوْرِي ؛ یعنی میں اللہ کے نور (وجود سے) ہوں اور ہر شئے میرے نور (وجود) سے ہے ۔ صحیح حدیث میں ہے اَللّٰهُ يُعْطِيْ وَاَنَا قَاسِمٌ ؛ اللہ دیتا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں ۔ ہم کو جو کچھ ملتا ہے ، قاسم (ﷺ) کے ہاتھ سے ملتا ہے ۔

ابن سنی کتاب '' عمل الیوم واللیلۃ '' میں دو روایتیں بیان کرتے ہیں ۔ عبداللہ بن عمرؓ کے پیر میں چیونٹیاں بھر گئی تھیں ، یعنی پیر سُن ہوگئے تھے ، ان سے کسی نے کہا ، آپ محبوب ترین شخص کو پکارو ، اُنھوں نے یا محمداہ پکارا اور کھڑے ہو کر چلنے لگے یہی حال عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا ہوا ۔ انھوں نے یَا مُحَمَّد کا نعرہ مارا اور ایسے ہوگئے جیسے پیر سے بندھی رسی کھل گئی ہو ۔ '' کنز العمال '' ۔ مسند عمر میں ایک بڑی حدیث ہے ، اس میں ہے ۔ فَقَالَ عُمَيْرٌ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَابَكْرٍ مَاذَا لَقِيْتُ بَعْدَكُمَا ؛ یا رسول اللہ آپ پر سلام ، یا ابا بکر آپ پر سلام ، میں نے آپ دونوں کے بعد کیا کیا مصیبتیں اُٹھائیں ۔ حصن حصین میں حضرتؐ سے مروی ہے ، آپ نے اس شخص کے متعلق جو راہ گم گشتہ ہو فرمایا کہ پکارے ، اَعِيْنُوْنِيْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ ۔ اے بندگان خدا تم میری مدد کرو ۔ ہم کو اللہ کا حبیب اَحَبُّ النَّاسِ ہے ، ہم پکارتے ہیں ، یَا مُحَمَّدَاه ؛ ہم راہ گم گشتہ ہیں ۔ ہم پکارتے ہیں ۔ اَعِيْنُوْنِيْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ ! يَا غَوْث ، يَا خَواجَة ، يَا نَقشبند ، يَابَدْوِيْ ، يَاشَاذِلِيْ ہماری مدد کرو ۔

شفاءِ قاضی عیاض میں ہے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے دیکھا تو منبر پر جہاں رسول اللہ ﷺ بیٹھتے تھے ، اس پر اپنا ہاتھ رکھتے اور اپنے منہ پر پھیر لیتے ۔ یہ بدلگام مؤحد اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (میں تمہارے مثل بشر ہوں) کو لئے پھرتے ہیں اور اسی کے ساتھ يُوْحٰٓى اِلَيَّ ہے (مجھے وحی ہوتی ہے خدا کا پیغمبر ہوں) اس پر ذرا بھی توجہ نہیں کرتے ، ایک مابہ الاشتراک ہوتا ہے ، دو چیزوں میں مشترک چیز ہوتی ہے ۔ ایک مابہ الامتیاز ہوتا ہے ، جس سے فضیلت کا فیصلہ ہوتا ہے ۔ کیا گدھے میں اور تم میں ، جوہریت ، جسمیت ، نمو ، احساس حیوٰۃ ، مشترک نہیں مگر تمہارا امتیاز و تفوق تو عقل و فہم سے ہے ۔ یا جیسے ابوجہل اور تم میں ، انسانیت مشترک اور اسلام مابہ لاامتیاز ہے ، اسی طرح تمہارے میں اور رسولِ خدا میں مابہ الاشتراک انسانیت اور مابہ الامتیاز وحی الٰہی ہے ۔ معلوم ہے ؟ اس مابہ الاشتراک کو کون بیان کرتے تھے ابوجہل اور دوسرے کفار مَا لِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۔ اس رسول میں کیا ہے کھانا کھاتا ہے یعنی ہماری طرح اور بازاروں میں پھرتا ہے ، (یعنی ہمارے مثل) ۔ اور مابہ الامتیاز پر کس کی توجہ و نظر تھی ۔ صدیق اکبرؓ ، فاروق اعظمؓ ، ذی النورینؓ ، مظہر العجائبؓ کی ۔

کیا انھوں نے اَنَا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ کہا یا کُنْتُ عَبْدَہٗ وَ خَادِمَہٗ اور وَیْحَکَ اَنَا عَبْدٌ مِّنْ عَبِیْدِ مُحَمَّدٍ (ترجمہ) ''میں تمہاری طرح آدمی ہوں'' یا ''میں ان کا بندہ تھا خادم تھا'' اور تجھ پر افسوس ہے کہ میں محمدؐ (ﷺ) کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں، (ان کے غلاموں میں کا ایک غلام ہوں) یہ بھی سنا ہے، لَسْتُ کَھَیْئَتِکُمْ اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ، میں تمہاری طرح نہیں ہوں، میں اپنے رَب کے پاس رہتا ہوں۔ وہ مجھے کھلاتا ہے پلاتا ہے۔ یَا نِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِنَ النِّسَآءِ۔ اے پیغمبر کی بی بیو! تم اور عورتوں کی جیسی نہیں۔ لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ؛ (پیغمبر کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرو) لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ کَدُعَاءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا (پیغمبر کو ایسا نہ بلاؤ جیسا تمہارے میں کا بعض بعض کو پکارتا ہے)۔ بادشاہ مہربانی سے کہہ دے کہ تم میرے بھائی ہو، تو کیا تم بھی بادشاہ کو بھائی صاحب کہہ کر پکارو گے؟ بے ادب بے نصیب، دیکھو! اللہ کے حبیب سے بے ادبی نہ دین کا رکھے گی نہ دنیا کا خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ ذٰلِکَ ھُوَالْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ؛ (دنیا بھی ہاتھ سے گئی اور آخرت بھی، یہ تو کھلا نقصان ہے۔)

کیا اِیَّاکَ نَعْبُدُ کہنا اور پھر عبدالرسول، عبدالنبی، غلام علی کہنا شرک نہیں ہے؟ غلام کے معنی عربی میں لڑکے کے ہیں۔ لِاَھَبَ لَکِ غُلَامًا زَکِیًّا؛ اس میں شرک کی کیا بات ہے اب رہ گیا، عبدالنبی، عبدالرسول۔ عبد کا لفظ تین معنوں میں مستعمل ہے۔

(۱) مخلوق: بے شک سب اللہ کی مخلوق ہیں۔ کوئی کسی کا مخلوق نہیں، مگر مسلمان کے متعلق سوءِ ظن اور تکفیر میں تعجیل شایانِ شانِ اہلِ علم نہیں، اس کے اور محلِ صحیح بھی تو ہیں۔

(۲) مملوک، غلام، بردہ، اس لحاظ سے بھی کوئی عبدالرسول نہیں، یہ شرف تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے حصہ میں تھا، ہماری آزادی، بلال رضی اللہ عنہ کی غلامی پر قربان، بھلا ہماری قسمت میں اس غلامی کی عزت کہاں؟

(۳) مطیع وفرماں بردارِ رسول، ایسا تو ہر شخص کو ہونا چاہیئے، فاروقؓ اعظم خطبۂ خلافت میں فرماتے ہیں۔ کُنْتُ عَبْدَہٗ وَخَادِمَہٗ؛ (میں رسول اللہ ﷺ کا بندہ تھا اور خادم یعنی مطیع وفرماں بردار) مظہر العجائبؓ ایک یہودی سے فرماتے ہیں: وَیْحَکَ اَنَا عَبْدٌ مِّن عَبِیْدِ مُحَمَّدٍ۔ (تجھ پر افسوس ہے۔ میں غلامانِ محمدؐ میں سے ایک غلام ہوں) دیکھو محمد ﷺ کی غلامی پر فاروقؓ اعظم ومظہر العجائب رضی اللہ عنہما کو ناز ہے اور تم اس کو کفر وشرک سمجھتے ہو! ع

''کسے کہ خاکِ درش نیست خاک برسرِ اُو''

کیا غیر اللہ کی تعظیم اور ان کو سجدہ کرنا شرک نہیں ہے؟ غیر اللہ کی عبادت شرک ہے نہ کہ تعظیم، لِتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ۔ (تاکہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم وتوقیر کرو) وَاخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ؛ ماں باپ کے لئے اطاعت کا بازو جھکاؤ، پست کرو۔ قُوْمُوا لِسَیِّدِکُمْ؛ تمہارے سردار کے لئے اُٹھو، کھڑے ہوجا''۔ عبادت تو معلوم ہے، کہ وہ بالذات کمالات کا حامل سمجھ کر اُلوہیت کو کسی میں حامل سمجھ کر انتہائی تعظیم کرنا ہے۔ عبادت دل کا فعل ہے، اعتقادی بات ہے۔ سجدہ غیر اللہ کو اسلام میں حرام کردیا گیا ہے، ہرگز اب کسی کو سجدہ نہیں ہوسکتا، نہ سجدۂ عبادت نہ سجدۂ تعظیمی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، اگر میں سجدہ کی اجازت دیتا تو بیویوں کو حکم دیتا کہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں، ظاہر ہے

کہ جب حضرتؐ نے سجدہ نہیں لیا ، اس کی ممانعت کردی تو دوسرا کیونکر سجدہ لے سکتا ہے ؟ مگر یہ کہنا کہ سجدہ مطلقاً شرک ہے ، درست نہیں ، آدم علیہ السلام کے لئے فرشتوں کو سجدے کا حکم دیا گیا تھا ، کیا شرک کا حکم دیا گیا تھا ؟ کیا شرک نہ کرنے کی وجہ سے ابلیس مردود ہوا ، کیا یعقوب علیہ السلام اور ان کے فرزندوں نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا ؟ تو شرک کیا تھا ؟ شرک ہر زمانے میں ممنوع تھا نہ کہ کسی خاص زمانے میں ، بات یہ ہے کہ اسلام نے مظنۂ شرک اور ایسی چیز کو بھی منع کردیا جس میں شرک واقع ہونے کا احتمال ہے ۔ اب غیر اللہ کو سجدہ ہرگز درست نہیں ، ممنوع ہے ، حرام ہے اور مرتکب عاصی ہے ۔ مگر یہ یاد رکھو کہ ایمان بھی دل کا کام ہے ، یا دل کی صفت ہے ، اور شرک و کفر بھی دل کا کام یا اس کی صفت ہے ۔ ضرور شرک سے بچو ۔ اور مظنۂ شرک سے بھی بچو ، برے کام سے منع کرو مگر سمجھ کر ۔ جاہل جہالت کرے تو عالم کو جہالت مناسب نہیں ۔

کیا دست بوسی اور قدم بوسی جو رکوع اور سجود سے مشابہ ہے ، حرام نہیں ؟ سنت کو حرام کہنا تو آپ ہی کو مبارک ، اتنی بڑی جرأت آپ ہی کے شایانِ شان ہے ۔ جناب ! حضرتؐ کا کچھ فرمانا ، حضرتؐ کا کوئی کام کرنا ، حضرتؐ کے سامنے کوئی کام ہوا اور آپؐ نے اس کو باقی رکھا ، اس سے منع نہ کیا ، یہ سب سنت ہے ۔ اب آپ سماعت فرمائیں ۔ امام بخاریؒ ادب مفرد میں وازع بن عامر سے روایت کرتے ہیں ، کہا ’’ ہم مدینہ میں پہنچے تو کہا گیا وہ رسول اللہ ہیں ، ہم نے ان کے دونوں ہاتھ پاؤں پکڑے اور بوسہ دیا ‘‘ ۔ ترمذی ، ابوداؤد ، نسائی میں صفوان بن عسال سے مروی ہے ، یہ ایک بڑی حدیث ہے جس میں دو یہودیوں نے حضرتؐ سے بعض سوال کئے ، اور آپ نے ان کے جواب دیئے ۔ قَالَ فَقَبَّلَا یَدَیْهِ وَرِجْلَیْهِ ؛ صفوان کہتے ہیں ۔ ’’ ان دونوں نے حضرت ﷺ کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر کو بوسہ دیا ‘‘ ۔

ان عذابِ جاں موحدوں کو کون کہاں تک سمجھائے ؟ روحانیت کا راستہ چلتے تو ارواح کا کچھ حال جانتے ، جس چیز کا علم نہیں ، تجربہ نہیں اس کے متعلق رائے قائم کرلینا ، مسلمانوں کو مشرک و کافر کہنا ، بڑی جرأت کا کام ہے ۔ علماء اور بزرگوں کے حالات پڑھو ، تم کو بھی علم ہوجائے گا ۔

کیا جزئی کلی تمام امور میں توجہ الی اللہ اور اس کی طرف تبتل ضرور نہیں ؟ بے شک ضرور ہے اور بڑے اعلیٰ درجے کا کام ہے حَسْبِیَ اللّٰهُ وَکَفٰی سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ دَعَا ۔ وَلَیْسَ وَرَاءَ اللّٰهِ الْمُنْتَهٰی ۔ (ترجمہ : اللہ مجھے کافی ہے ، بس ہے ۔ خدا اس کی سنتا ہے جو دعا کرتا ہے اور خدا سے ادھر انتہا ہی نہیں) کوئی کام ہو رفتہ رفتہ ہوتا ہے ، اول اجسام کے موثر بالذات ہونے کے خیال کو دل سے نکالو ، پھر ارواح کے موثر بالذات ہونے کو دل سے نکالنا ۔ کم سے کم مادیات کو تو موثر نہ سمجھو ، سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے ۔ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ؛ بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے بے شک تو ہر شئے پر قادر ہے ‘‘ ۔

صاحبو ! ہمیشہ کام کرتے وقت جانچو کہ اسبابِ ظاہری یا باطنی پر زیادہ اعتماد ہے ، زیادہ یقین ہے یا اللہ پر اور اس کے وعدوں پر ؟ وَعَلَی اللّٰهِ فَتَوَکَّلُوا اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ ؛ ’’ ایماندار ہو تو اللہ پر بھروسہ کرو ‘‘ ۔ دشمن کے اسلحہ سے ڈر کر حکمِ خدا اور رسول کا خلاف کرتے ہو ، یا حکمِ خدا اور رسول کے مقابل دشمن کی پروا نہیں کرتے فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ ۔ ’’ ان سے کیا ڈرتے ہو مجھ سے ڈرو ‘‘ ۔ ماہوار ، رقم کے ہاتھ سے نکل جانے کا زیادہ خوف ہے یا جنت کے ہاتھ سے نکل جانے کا ؟ اچھا ! اکیلے نماز پڑھتے ہو ، تو کتنی دیر میں ؟ اور امام بنتے ہو تو کتنی دیر میں ؟ تنہا نماز میں کیسی قراءت ہوتی ہے اور امام بننے میں کیسی

قراءت رہتی ہے؟ اس آیت کا بھی کبھی خیال آتا ہے؟ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؛ تم کو حکم نہیں دیا گیا ، مگر یہ کہ اللہ کی خالص اطاعت کرو ، یک رو ہوکر ۔ ہم کچھ نہیں کہتے تم خود اپنے دلوں میں فیصلہ کرو کیا شرک فی الالوہیت ، شرک فی العبادۃ ، شرک فی الارادہ تو واقع نہیں ہوا ، اگر واقع ہوا ہے تو توبہ کرو ۔ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ؛ اللہ آنکھوں کی خیانت اور سینے کے چھپے رازوں کو خوب جانتا ہے ۔ جب سے اخلاص مفقود ہوا نکبت آئی ، ذِلّت آئی ، تباہی آئی ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ہم پر مؤمنین کی نصرت واجب ہے'' ۔ اب کیوں نصرتِ الٰہی نہیں آتی ؟ کچھ ایمان ہی کے لالے پڑ گئے ہوں گے ، ورنہ خدا سچّا اس کا وعدہ سچّا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ '' اللہ کی مدد کرو تو اللہ بھی تمہاری مدد کرے گا'' ۔ مگر اب اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ ہی نہیں ہے تو يَنْصُرْكُمْ کہاں سے ہوگا ؟

خیر یہ تو ہوا اِيَّاكَ ۔ اَب تک تو سب غیبت تھا ۔ اب یہاں خطاب کیوں ہے؟ ابتداءً اگر دل حاضر نہ تھا تو اللہ تعالیٰ کے اتنے صفات سن کر ، سمجھ کر تو دل حاضر ہوجانا چاہئیے ، نیز اول برہان کا مرتبہ ہے پھر عیان کا ، نیز اول صفات ہیں تو پھر ذات ہے

نَعْبُدُ وَنَسْتَعِيْنُ ؛ جمع کیوں ہیں ؟ مصلی اپنی انانیت سے احتراز کرتا ہے ، اچھوں کو اپنے ساتھ کرلیتا ہے کہ ان کے طفیل سے ، ان کی خاطر ہی سے اس کا خطاب قبول ہوجائے ، نیز جب وہ رَب العالمین ہے ، رحمٰن و رحیم ہے تو سب اُس کی بندگی ہی کرتے ہیں خواہ بالارادہ ہو یا فطرۃً وقہراً اور جب ممکن کے لئے لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ ہے تو تمام مدد اللہ ہی سے ہے خواہ بلاواسطہ ہو خواہ بواسطہ ، خواہ مانیں یا نہ مانیں ، ہے مدد اسی سے جو وجود کا منبع ہے اور دوسری قوتوں کا مرجع ہے ۔ جمع کے صیغے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ متعدد اشخاص اور متعدد اقسام کی چیزیں مجموعی طور سے بیع کی جاتی ہیں تو مشتری یا تو سب لے گا یا سب کو واپس کرے گا ، کچھ لے گا کچھ نہ لے گا ، ایسا نہیں ہوتا اچھوں کی عبادت کے ساتھ ہم گنہگاروں کی عبادت بھی قبول ہوجائے گی انشاء اللہ ۔ نیز نماز میں اصل جماعت ہے ۔ ترکِ جماعت پر سخت عتاب ہے ، عقاب ہے ، جماعت کا مفرد سے ستائیس درجہ کا ثواب زیادہ ہے ۔ بہ نسبت ایک چراغ کے بہت سے چراغوں سے روشنی زیادہ ہوتی ہے ، ادارک و ابصار زیادہ ہوتا ہے ۔ مخلصین کے پرخلوص تموجِ خیالات کا اثر ، دوسروں پر بھی ہوتا ہے نیز ہر شخص کچھ نہ کچھ برقی اثر رکھتا ہے ، آدمی زیادہ جمع ہوں تو برقی قوت بھی زیادہ پیدا ہوتی ہے ۔ جماعت میں شخصیت مضمحل ہوجاتی ہے اور شخص جماعت کا تابع ہوجاتا ہے

صاحبو ! نماز بجماعت سے تنظیم اور امیر کی اطاعت کی دن میں پانچ مرتبہ عادت اور مشق کرائی جاتی ہے ، اور حربی تعلیم کی بھی تمرین (مشق) اور ڈرل کروائی جاتی ہے ، یہ اذان کیا ہے؟ بگل بج رہا ہے جو فوج بگل کی آواز پر جمع نہ ہو اور نافرمان ہوجائے وہ ناکارہ ہے ، ایسی خودسر فوج دشمن کے مقابلے میں ہرگز کام نہیں دے سکتی ، وہ اس قابل ہے کہ اس کو گولی مار دیں ۔ ورزش کی غرض یہ ہوتی ہے کہ تمام اعصاب و عضلات چوطرف حرکت کریں اور سیلانِ خون تمام جسم میں ہوجائے ۔ نماز پر غور کرو ، کہ کس طرح تمام اجزائے جسم کو قیام ، رکوع ، سجود ، قعود میں ہر طرف حرکت ہوجاتی ہے ۔ دیکھو نماز میں بجز سیدھے پاؤں کے انگوٹھے کے کوئی جز ایک ہئیت پر برقرار نہیں رہتا ۔ اسی لئے لوگ اس کو نماز کی کھونٹی کہتے ہیں ۔ نماز ایسی ہلکی ورزش ہے کہ مرد ، عورت ، بچے ، بوڑھے سب کرسکتے ہیں ۔ نماز آرام طلب احدی ، نوابوں کے حق میں ورزش ہے ، مگر مسافر ، بندوق بردار ، بار بردار ، سنگ تراش ، لوہار وغیرہ سخت محنت کرنے والے کے لئے آرام ، وقفہ اور دم لینا ہے ۔

مجھے شرم آتی ہے کہ نماز جیسا عمل جو عبد و رب میں مناجات ہے، راز و نیاز ہے، الٰہی دربار ہے، اس کو ان مادہ پرست مسلمانوں کی خاطر ڈرل اور ورزش ثابت کرنے کی ضرورت پڑی، کیونکہ بغیر دنیاوی فائدہ دکھلائے کوئی دین کا کام کرنا نہیں چاہتا۔ اقامت سے حسبِ ذیل اُمور حاصل ہوتے ہیں، فال اِن (Fall-in) اجتماع، ڈرس، صف بندی، اٹنشن، سیدھا کھڑا ہوجانا۔ رکوع و سجود سے ایک طرح کی نیلنگ پوزیشن، قعود سے سٹنگ پوزیشن، سلام سے آئزرائٹ آئزلیفٹ اور بریک اپ یاڈس مس یعنی منتشر ہوجانا۔ ہر حکم یا کمانڈ کے ساتھ ہی سب مل کر ایک ہی کام کرنا۔

اچھا نماز! جماعت سے تنظیم کی کس طرح تمرین کرائی جاتی ہے؟ اذان سن کر لوگ مسجد میں جمع ہوجائیں تو چاہئیے کہ جو سب سے زیادہ عالم ہو اس کو امام اور لیڈر منتخب کریں، مال و دولت کی عزت کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ امام بنانے کے بعد اطاعتِ امام واجب ہے۔ جو مقتدی اطاعتِ امام نہیں کرتا اُس کا سر بروزِ قیامت گدھے کا ہوگا۔ جو نہایت بے وقوف جانور ہے۔ صف بندی میں امیر و غریب سب برابر ہیں، اس میں مساوات کا بہترین سبق دیا گیا ہے۔ بعد میں آنا اور کاندھوں پر سے لوگوں کو پیر مارتے آگے جانا نہایت ممنوع ہے۔ امام یا امیر کی ہر امر میں پیروی ضروری ہے، ورنہ تنظیم کی غرض ہی مفقود ہوجائے گی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں امام کی مخالفت نہ کرنی چاہئیے۔ اگر امام رُک جائے یا قراءت میں غلطی کرے تو اُس کو لقمہ دینا، بتلا دینا ضروری ہے۔ اگر دوسری رکعت کے بعد قعود نہ کرے تو سُبْحَانَ اللّٰہ کہیں یعنی اللہ غلطی سے پاک ہے۔ آدمی سے بھول چوک ہوتی ہی ہے، امام کا وضو ٹوٹ جائے تو دوسرا قائم مقام ہوجاتا ہے، اور کام برابر جاری رہتا ہے۔ اگر امام کوئی ایسا کام کرے یا قراءت میں ایسی غلطی کرے جو اصولِ دین کے خلاف ہو، مثلاً اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کی جگہ اَنْعَمْتُ عَلَیْهِمْ کہے یعنی بجائے اس کے کہ ''تو نے انعام کیا''۔ ''میں نے انعام کیا''۔ کہہ دے تو فوراً نماز توڑ ڈالیں اور لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ (اللہ کی معصیت کرنے میں کسی مخلوق کی اطاعت نہ کرنی چاہئیے) پر عمل کریں۔ دیکھو! کیسی اخلاقی جرأت کی تعلیم ہے، پیٹھ پیچھے غیبت کا حکم نہیں۔ جو کچھ کہنا ہے سامنے کہہ دو، غلطی کی اصلاح کراؤ۔ بہر حال دن میں پانچ دفعہ تنظیم اور اطاعتِ حاکم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ نادان مسلمان دین کی تعلیم بھُلا بیٹھے اور تِتّر بِتّر ہوگئے۔ اب ہر طرف سے تنظیم تنظیم کی چیخ پکار ہورہی ہے، کمیٹیاں اور انجمنیں بنائی جارہی ہیں، مگر کن کے اصول پر؟ یورپ کے اصول پر ع

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی ÷ کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

صاحبو! نماز کیا ہے تمام مخلوقات کی عبادتوں پر مشتمل ہے۔ درخت سیدھا کھڑا ہے اور خدا کی یاد میں مشغول ہے۔ ہمارے پاس ہر چیز خدا کی یاد میں سرگرم ہے، مگر ان کی تسبیح سے تم واقف نہیں وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ؛ جانور سر جھکائے ہوئے ہیں، انسان بھی رکوع میں ان ہی کی طرح سر جھکا کر عبادت کرتا ہے۔ پہاڑ اپنی جگہ پر خاموش بیٹھا ہوا ہے۔ التحیات پڑھتے وقت مصلی پہاڑ کا کام کر رہا ہے۔ بیلیں زمین پر پڑی ہیں تو مصلی بھی سجدہ کے وقت زمین پر سر رکھ کر عبادت کرتا ہے۔

صاحبو! نماز میں کونسی عبادت ہے کہ نہیں ہے۔ نماز میں کچھ کھا پی نہیں سکتے، یہ روزہ کا ایک حصہ یا رنگ ہے۔ بات نہیں کرسکتے اور یہ ایک قسم کا صومِ مریم ہے۔ تکبیر اس میں ہے، بلکہ ہر فعل کے ساتھ تکبیر لگی ہوئی ہے، جو خدا کی بزرگی کو ظاہر

کرتی ہے ۔قرآن نماز میں ہے ۔تسبیح اس میں ہے یعنی سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم اور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاعْلٰی ۔ اَلتَّحِیَّات ۔ کا کیا پوچھنا ، معراجِ شریف کا نمونہ ہے ۔ اس کو عملی طور سے دکھانا ہے ۔ رسولِ خداﷺ دربارِ الٰہی میں عرض کرتے ہیں اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلْوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَۃَ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ'' چونکہ اس فرمودۂ اِلٰہی میں اُمّتِ محمدی کا ذکر نہیں ہے اس لئے ان کے خیال سے رسولِ خداﷺ عرض کرتے ہیں ۔''اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ ۔

صاحبو ! یہاں تو صالحین کا ذکر ہے ، ہم گنہ گاروں کا ذکر کہاں ہے ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسولِ خداﷺ نے اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا کہہ کر ہم گنہ گاروں کو اپنے ساتھ لے لیا ۔ ہر ایک فرشتہ کہتا ہے : اَشْھَدُاَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا للّٰہُ وَاَشْھَدُاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ۔ صاحبو ! نماز میں درود بھی ہے ، نماز میں اپنے لئے اور لوگوں کے لئے دُعا بھی ہے ۔ آخر میں دونوں جانب کے ہم جماعت لوگوں کو دعائے سلامتی بھی ہے ۔

بدعت آج کل شرک کے ساتھ بدعت کا وظیفہ بھی پڑھا جارہا ہے ۔ آخر یہ بدعت ہے کیا ؟ کیا ہر نئی شئے بدعت ہے ؟ تب تو زندگی وبال ہے ، جینا محال ہے ۔ یہ پلاؤ ، یہ شیر مال ، یہ مٹن چاپ ، پوڈنگ کھانا بدعت ہے ، چھاپہ کے قرآن میں پڑھنا ، حدیث کی کتابیں چھپوانا بدعت ہے ۔ توپ ، بندوق ، طیاروں ، ٹینکوں کا جواب تیر و تلوار سے کیونکر دیا جائے گا ۔ جینا چاہتے ہو ۔ اِسلام کو باقی رکھنا چاہتے ہو تو وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّۃٍ ۔ (جس قدر قدرت ہو سکے اپنے دشمنوں کے لئے تیار کرو) پر عمل کرو ۔

یہ دنیوی کام ہے ، بدعت دینی کاموں میں ہوتی ہے ۔ کیا جہاد دنیوی کام ہے ؟ کیا قرآن و حدیث کا طبع کروانا دنیوی کام ہے ؟ جو چیز بطور عبادت کے کی جائے وہ بدعت ہے ۔ مسلمان کا کونسا کام ہے جو نیتِ صالح سے کیا جائے اور عبادت نہ ہو ۔ نہیں ۔ ایسا کام جس کا ذکر قرآن و حدیث میں نہیں ، اس کا کرنا بدعت ہے ۔ اسلام و دین ، قرآن و حدیث ایسے ہمہ گیر ہیں کہ مسلمان کا ہر فعل قرآن و حدیث کے موافق ہونا چاہئیے ۔

ع ''بے حکمِ شرع آب خوردن خطاست''

اور محدثین جو کچھ استنباط کرتے ہیں ، کیا یہ بدعت ہے ؟ نہیں ان کا ماخذ قرآن و حدیث میں ہوتا ہے ۔ اچھا ! قرآن و حدیث سے کوئی کلی حکم یا اصولی امر نکلتا ہو ، تو وہ بدعت نہیں ، مگر کلی حکم جب بھی پایا جائے گا ۔ جزئیات میں پایا جائے گا ۔ بے تکے پن سے عمل کرنا نہ تعیینِ وقت ، نہ مکان و زمان میں مناسبت ہو تو جائز ؟ مناسبت ضرورت اور تعیینِ زمان و مکان سے کام کیا جائے تو ناجائز ! جناب تعیینِ زمان و مکان کو فرض و واجب سمجھنا بدعت ہے ، حرام ہے ، تشریع فی الدین ہے ۔ تو کیا بدعت و حرام میں آدمی کی نیت کو بھی دخل ہے ؟ بے شک کسی نے امرِ مستحب کو فرض سمجھا تشریع فی الدین ہے اس لئے ناجائز ۔ اچھا تو ''فعل'' ناجائز ہے یا ایسا ''سمجھنا'' ناجائز ہے ؟ نہیں ، ایسا سمجھنا ناجائز ہے ۔

اگر کوئی مستحب کو مستحب سمجھتا ہو ۔ حکمِ کلی کے زیرِ اثر جزئیات پر عمل کرتا ہو اور کوئی اس مستحب اور مباح کو حرام کہے ، تو کیا یہ تشریع فی الدین نہیں ہے ؟ نہیں ، لوگ مستحبات و مباحات کو فرض سمجھنے لگے ہیں ۔ ان کے ایسا سمجھنے کو خود انھوں نے کہا یا

آپ کو علمِ غیب ہوا ؟ نہیں ۔ اس پر قرائن دلالت کرتے ہیں ۔ ہم نے تو جن جن سے پوچھا کسی نے نہ فرض سمجھا نہ واجب اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (بعض بدگمانیاں گناہ ہیں) ۔

اصل اس مسئلہ میں یہ ہے کہ وہ امور جو اصول و اغراضِ دین کے خلاف ہیں ، جن کا ماخذ قرآن و حدیث میں نہیں ہے یا جن کے سبب سے اصولِ دین پر بُرا اثر پڑتا ہے ، وہ قابلِ ترک یا قابلِ اصلاح ہیں ۔ رسول اللہ ﷺ نے کھجور کے پھڑے کے ٹکڑے کر کے قبروں پر ڈالے اور فرمایا کہ جب تک یہ تازہ ہیں ذاکر ہیں اور اس سے تخفیفِ عذاب کی اُمید ہے ۔ یہ قبروں پر پھول چڑھانے کا ماخذ ہے کیونکہ پھولوں میں تازگی اور خوشبو دونوں ہیں ۔

اچھا میلاد کی مجلیس کیا رام نومی سے مشابہ نہیں ؟

یہ منہ زوری تو آپ کو مبارک ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ اُذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْجَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَآءَ ۔ اللہ کی نعمت کا ذکر کرو جب کہ اس نے تم میں انبیاء بھیجے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ ؛ ہم نے تو تم کو نہیں بھیجا مگر رحمتہ للعالمین بنا کر ۔ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؛ تم کہو اللہ کے فضل و رحمت کی (اے مومنو) خوشیاں مناؤ ہم تو امر اُذْکُرُوْا اور فَلْيَفْرَحُوْا پر عمل کرتے ہیں ۔ سارا قرآن شریف بھرا پڑا ہے ذکرِ میلادِ آدم علیہ السلام ، موسیٰ علیہ السلام ، عیسیٰ علیہ السلام سے ۔

بخاری میں ابن عباسؓ سے مروی ہے ، حضرت ﷺ نے یہود سے سنا کہ روزِ عاشورہ روزِ نجاتِ موسیٰ علیہ السلام ہے ۔ تو آپ نے فرمایا نَحْنُ اَحَقُّ بِمُوْسٰى مِنْكُمْ ؛ ہم بہ نسبت تمہارے موسیٰؑ کے زیادہ مستحق ہیں ۔ پھر آپ نے بھی روزہ رکھا ، اور دوسروں کو بھی روزے کا حکم دیا ۔ تو کیا حضرتؐ کے تولد سے ساری دنیا کی دوزخ سے نجات پانے کی خوشی منانے کے ہم مستحق نہیں ؟ بے شک ہیں ۔ ہر قوم اپنے بزرگ کے میلاد یا موت کی یادگار مناتی اور اجتماع کرتی ہے تا کہ اس بزرگ کے حالات سے واقف ہو کر ان کی پیروی کرے ۔ اس سے عمل کی طرف راہ نکلتی ہے ۔ دنیادار اپنے اہم واقعات کی یادگار مناتے اور اس کا مظاہرہ اسی اصول پر کرتے ہیں ۔ حج بھی اسی قسم کا ایک مظاہرہ ہے ۔ اس سے دین یا دنیا کا فائدہ اُٹھانا یا نہ اُٹھانا ہماری قوتِ تمیز کا کام ہے ۔

صاحبو ! مگر سود سے قرض نکال کر مذہبی کام کرنا قابلِ افسوس ہے ، ترک کرنے کے لائق ہے ۔ آج کل مسلمانوں کی مالی حالت تباہ ہے ۔ اسراف و تبذیر کس طرح جائز ہوگی ؟ اعتدال ، صراطِ مستقیم ہے ، افراط و تفریط قابلِ احتراز ہے ۔ غیر مسلموں کی دیکھا دیکھی ، ان کے رسوم اسلام میں داخل کر لینا بالکل نامناسب ہے ، غیر مذاہب کی عورتیں مسلمانوں کے گھر میں آئیں تو باوجود مسلمان ہونے کے کچھ اپنے آبائی رسوم اپنے ساتھ اسلامی گھروں میں لائیں اور مسلمانوں نے اس نوعِ لطیف سے ان کے چھڑانے میں سہل انگاری کی ، جس کا نتیجہ اسلامی سادگی کی بربادی ہوا ۔ بعض دفعہ روایاتِ قومی کی حفاظت اور ان کے مظاہرات کی بھی ضرورت ہوتی ہے ۔ یہ پیشوایانِ ملّت کی قوتِ تمیز کا کام ہے ۔ خیرِ کثیر کو اختیار کرنا اور شرِ کثیر سے احتراز کرنا ، اسلام کا اصل اصول ہے ۔ بدتمیزی سے جو کام کیا جائے بدہی ہوتا ہے ۔ رسوم و بدعات کی اصلاح کے عوض ان کے ساتھ اصولِ دین کا بھی قلع قمع کر دینا سفاہت ہے ، بلاہت ہے ، بلادت ہے ۔ خدا مسلمانوں کو عقلِ سلیم و فہمِ مستقیم عطا کرے ۔ آمین

آثارِ شریف اور مؤے مبارک کی تعظیم تو قطعاً شرک ہے، یہ ایک قسم کی عبادتِ غیر اللہ ہے؟ شرک، محلِ الوہیت ماننے سے پیدا ہوتا ہے، تبرک سمجھنا، باعثِ برکت ماننا دوسری چیز ہے۔ عبادت و تعظیم۔ تبرک و برکت لینے میں فرق نہ کرنا، استاذ الملائکہ کا کام ہے۔ ان کی توحید ہے جو فی الحقیقت شرک فی الحکم شرک فی الاردہ ہے۔ ذرا سنو! مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ جو علاماتِ خداوندی کی تعظیم کرے تو یہ دلی تقویٰ سے ہے۔ حبیبِ خدا ﷺ کے شَعرِ مبارک (یعنی موئے مبارک) سے زیادہ کون سے شعائر ہوسکتے ہیں۔ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى ؛ جس پتھر پر ابراہیمؑ کھڑے ہوتے تھے تم وہاں اپنی نمازگاہ بناؤ۔ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ ان کی (طالوت کی) بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس تابوت آئے گا۔ اس میں تمہارے رَب کی طرف سے تسکین اور سکون ہے، اس میں موسیٰؑ و ہارونؑ کے آثار کا بقیہ ہے۔ فرشتے اس کو اُٹھاتے ہیں۔ اس میں تمہارے لئے نشانی ہے اگر تم ایمان دار ہو۔

سامری نے اسپِ جبرئیلؑ کی خاکِ زیرِ قدم کو سونے کے گئوسالے کے منہ میں ڈال دیا تو وہ لگا آواز کرنے۔ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ ؛ میں نے جبرئیل کے اثر یعنی خاکِ زیرِ قدم کو مٹھی بھر لیا پھر (گئوسالے کے منہ میں) ڈال دیا۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں فراقِ یوسف علیہ السلام میں جاتی رہیں تو یوسفؑ نے حضرت ابراہیمؑ کا کرتہ جو ان کے پاس تھا روانہ کیا کہ یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں پر ڈال دیں اور وہ بینا ہو بھی گئے۔ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ؛ تم میرا یہ قمیص لے کر جاؤ، اس کو میرے ابا کی آنکھوں پر ڈال دو، وہ بینا ہوجائیں گے۔

امام بخاریؒ حدیثِ حدیبیہ میں عروۃ بن الزبیرؓ سے، اور وہ عروۃ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اُنھوں نے کہا اللہ کی قسم ہے کہ حضرت ﷺ وضو نہیں کرتے مگر یہ کہ صحابہ آبِ وضو کے لئے دوڑتے ہیں اور حضرت تھوکتے نہیں یا ناک نہیں جھاڑتے مگر یہ کہ صحابہؓ اپنے چہروں اور اجساد پر مل لیتے ہیں۔ ان کا ایک بال نہیں گرتا، مگر یہ کہ صحابہؓ اس کو جھپٹ لیتے ہیں۔ حضرتؐ نے پچھنے لگوائے، حجامت کروائی تو عبداللہ بن زبیر نے نکالا ہوا سارا خون پی لیا تو ان میں بڑا زور پیدا ہوگیا۔ ایک صحابیہ نے حضرتؐ کا پیشاب پی لیا تو اُن کا سول کا درد موقوف ہوگیا۔ یہ عاشقانِ رسول کے کام ہیں۔ اے فرشتوں کے استاد بھائیو! مناقشہ فی الحساب تم سے ہوگا، ہم محمدؐ کے دیوانے بفرمان اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ ان کے دامن کے ساتھ ہوں گے انشاء اللہ کل بتادیں گے کہ توحیدِ استادِ فرشتگان نفع بخش ہوگی یا ہم وار فتگانِ محبت کے مجنونانہ افعال؟

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ﴿۵﴾

اِهْدِ ؛ ہدایت کر۔ اِهْدِنَا ہم کو ہدایت کر۔ هَدٰى يَهْدِى هِدَايَةً ۔ صِرَاطٌ ؛ راستہ۔ اصل میں صراط بہ سین تھا۔ سَرَطَ نگل گیا سے، گویا کہ راستہ راہ رو کو نگل جاتا ہے جس طرح کہ لقم بھی راستہ کو کہتے ہیں گویا کہ وہ راہ رو کو لقمہ کرلیتا ہے

طا کے اطباق کی وجہ سے سین کو صاد سے بدلا جس میں بھی اطباق ہے۔

مُسْتَقِیْمٌ ؛ سیدھا، ہموار۔ سیدھا خط، تمام خطوط سے چھوٹا اور درمیانی ہوتا ہے اس میں موڑ توڑ نہیں ہوتے۔ لہذا مستقیم راستہ جلد مقصد تک پہنچا دیتا ہے۔ خطِ مستقیم تو ایک ہی ہوتا ہے اور منحنی خطوط ہزاروں ہوتے ہیں۔ تمام خطوطِ مستقیم ایک دوسرے پر منطبق ہوتے ہیں، لہذا تمام صراطِ مستقیم والے متحد اور ایک رہتے ہیں۔ ان میں نہ جدال ہے نہ قتال۔

ترجمہ:- ہم کو سیدھی راہ چلا۔

ہدایت کے دو معنی (۱) اِرَائَۃُ الطَّرِیْقِ ؛ راستہ دکھلا دینا، پتہ بتلا دینا۔ اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ ؛ یہ قرآن ایسا راستہ بتاتا ہے جو سیدھا ہے (۲) اِیْصَالٌ اِلَی الْمَطْلُوْبِ۔ مطلوب اور مقصود تک پہنچا دینا۔ اِنَّکَ لَاتَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ ؛ تم جس کو چاہو مقصد تک نہیں پہنچا سکتے۔ ھَدٰی کے ساتھ اِلٰی آتا ہے، جیسے مَنْ یَّھْدِیْ اِلَی الْحَقِّ ؛ جو حق کی طرف رہنمائی کرے۔ لام بھی آتا ہے جیسے قُلِ اللّٰہُ یَھْدِیْ لِلْحَقِّ ؛ تم کہہ دو اللہ حق کی طرف رہنمائی فرماتا ہے۔ کبھی کوئی بھی حرفِ جر نہیں ہوتا نہ اِلٰی نہ لام جیسے یہاں اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ میں ہے کہ نہ لام ہے نہ اِلٰی ہے۔

ہدایت کے اصول و اجمالی اقسام حسبِ ذیل ہیں:-

(۱) افاضۂ قوٰی: قوتوں کا دینا جن کے استعمال کی وجہ سے انسان ہدایت پاتا ہے، جیسے عقل، حواسِ ظاہری و باطنی۔

(۲) نصبِ دلائل: اللہ تعالیٰ نے ایسے دلائل قائم کئے ہیں جو حق و باطل میں اور صلاح و فساد میں تمیز کرے وَھَدَیْنٰہُ النَّجْدَیْنِ ؛ ہم نے اس کو دونوں راستے بتا دیئے۔

(۳) ارسالِ انبیاء و کتب: پیغمبروں و کتبِ سماوی کا بھیجنا وَجَعَلْنَاھُمْ أَئِمَّۃً یَّھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا ہم نے ان کو امام بنا دیا کہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے ہیں۔ ھُدًی لِلْمُتَّقِیْنَ ؛ یہ قرآن خدا ترسوں کے لئے سراپا ہدایت ہے۔

(۴) کشف: بعض کو رویائے صادقہ پڑتے ہیں، بعض کو الہام ہوتا ہے، انبیاء کو وحی ہوتی ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا ؛ جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ و کوشش کرتے ہیں ہم خود اُن کو اپنا راستہ دکھلا دیتے، اپنی راہ پر لگا دیتے ہیں۔ صِرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ سے مراد ہر صحیح امر ہے جس پر وہ چلنا چاہتا ہے۔ افراط تفریط، کمی زیادتی، دونوں مناسب نہیں۔ آزادی کا ارتقاء دہریت، اینٹی گاڈ تک ہوتا ہے، وہ خدا کے نام سے جلنے لگتا ہے، وہ خدا کی قسم نہیں کھاتا۔ اپنی عزت کی قسم کھاتا ہے تعظیمِ شخصیت کی انتہا بُت پرستی ہوتی ہے۔ وہ اپنے بزرگوں کے متعلق عقیدہ رکھتا ہے کہ الوہیت ان میں حلول کر گئی ہے۔

درمیانی راستہ خدا کو خدا سمجھنا، اس کے محبوبوں سے محبت رکھنا ہے۔ ایک طرف خوارج ہیں، ایک طرف روافض، وسط میں راہِ سنت ہے، نہ جبر ہے نہ قدر، بلکہ حق درمیان میں ہے، یعنی انسان اِرادے کے بعد سے صاحبِ قدرت ہے۔ خود اِرادہ اور اس کے پہلے کے اسباب میں آدمی کے اختیار کو دخل نہیں۔ نظامِ عالم، پروگرامِ دنیا کے لحاظ سے آدمی کو اختیار نہیں، اور جزوی طور سے اختیار ہے، ملتِ تام کے لحاظ سے ہر شئے کا ہونا لازم ہے، مگر علتِ ناقص کے لحاظ سے بندہ کو گونا قدرت ہے۔ ظاہری قدرت بندوں کو ہے اور یہ مشہود اور دیکھی جارہی ہے۔ عدمِ اختیار ایک عقلی بات ہے۔ تقدیر میں کیا ہے، پہلے سے کسی کو معلوم نہیں۔ ہوجانے کے بعد تقدیر ظاہر ہوتی ہے۔ جھوٹے حیلے کرنے والے نکمّے، بے کار، تقدیر کا

عذر کرتے ہیں اور اس سے پناہ لیتے ہیں ۔ اچھے لوگ کام کرتے ہیں اور دُعا کرتے ہیں اور اُس کی مقبولیت کی اُمید کرتے ہیں ۔

صاحبو ! بعض دفعہ تقدیر میں دُعا وغیرہ کی شرط ہوتی ہے ۔ دُعا کرتے ہیں اور نتیجہ ظاہر ہوتا ہے ۔ دُعا نہیں کرتے نتیجہ بھی ظاہر نہیں ہوتا ، مقصود حاصل نہیں ہوتا ۔ دُعا کرنا یا نہ کرنا خود جزوِ تقدیر ہے ۔ حاکمِ فوجداری کے پاس مجرم مختار ہے اور فلاسفر کے پاس کسی کو اختیار نہیں ، ایک طرف تقلیدِ محض ہے تو ایک طرف آزادی ، غیر مقلدی ۔ درمیان میں اہلِ علم کا اجتہادِ مطلق ، اجتہاد فی المذہب ، اجتہاد فی المسئلہ ، ترجیح کا سلسلہ ہے ۔ وقت بوقت تحقیق ہوتی ہے ، حق کی اتباع کی جاتی ہے ۔ اشتراکیت و ناقص جمہوریت اور ملوکیت و استبداد کے درمیان اسلامی انتخاب اور خلافت ہے ۔ تہور یعنی چھوٹی چھوٹی بات پر لڑ پڑنے ، اور جبن یعنی بزدلی و نامردی کے درمیان شجاعت و مردانگی ہے ۔ حرص و جمود کے درمیان عفت ہے ۔ دھی ، مکر ، پولیٹکلی ، گرپزی اور بلاہت و کم فہمی کے درمیان علم و معرفت اور ذکاوت و سلاست ہے ۔ اسراف اور بخل کے درمیان سخاوت ہے ۔ ارجاء و وعید کے درمیان حق ہے ارجاء کے معنی ہیں مسلمان کبھی دوزخ میں نہ جائے گا ، اور وعید کے معنی ہیں گنہگار پر عذاب کا ہونا ضروری ہے ، اور درمیانی راہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول بھی فرماتا ہے ، شفاعتِ انبیاء و صالحین بھی منظور فرماتا ہے ، چاہے تو عذاب کرے چاہے تو معاف کرے ۔ چاہے تو گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے ۔

مسلمانوں کا ایمان خوف و رجاء ، اُمید و بیم کے درمیان ہوتا ہے ، معلوم نہیں علیم حکیم کیا کرتا ہے ، کیا ہمارے اعمال میں کمزوری تو نہیں ، ہمارے اعمال قابلِ قبول ہیں یا نہیں ۔ اچھا آدمی اعتدال پسند ہوتا ہے ، کسی ایک جانب نہیں ڈھلک جاتا ۔ صراطِ مستقیم پر چلنا ، افراط و تفریط سے احتراز کرنا لازم ہے ، فرض ہے ۔ علماء فرماتے ہیں کہ : ''جوان آدمی کو زیادہ ڈرتے رہنا چاہیئے ، اور بوڑھے کو رحمتِ الٰہی کی اُمید پیشِ نظر رکھنے کی ضرورت ہے'' ۔

دنیا کے کام میں اللہ پر زیادہ اعتماد کرے اور خدا کے کام میں سعی و عمل کو اہمیت دے ۔

راستہ کے لئے عربی میں بہت لفظ ہیں ، مگر یہاں صراط کا لفظ اس لئے اختیار کیا گیا کہ اس پر اشارہ کیا جائے کہ صراطِ مستقیم پر چلنے والا ہی صراطِ جہنم پر سے گزر جائے گا ۔ جو اعتدال پر باقی نہیں رہا اُس کو جہنم سے ڈرنا چاہیئے ۔ ۱/۲ ۹۸ سے پارہ زیادہ چڑھ گیا تو بیماری ہے اور اُس سے اُتر گیا تو بیماری ہے ۔ ضرورت سے زیادہ جوش بھی مضر ہے اور ضرورت سے کم جوش بھی مہلک ہے ۔

مسلمان تو ہدایت پر ہی رہتا ہے ، وہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کیوں کہتا ہے ؟ اس کے معنی ہیں ہم کو صراطِ مستقیم پر قائم دائم رکھ ، نیز ہر چند کہ ایمان و عقیدہ درست ہے مگر اعمال کی مشقتوں اور بہائے آسمانی پر صابر رہنے کی توفیق عطا فرما ۔ وساوس و شبہات و شکوک سے بچا اور راہِ حق پر گامزنی عطا کر ۔ ایمان کے ساتھ عملِ صالح بھی کرو ۔ دیکھو ! یہ ایک مختصر دُعا ہے مگر کیسی جامع اور کلی دُعا ہے ۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ

صِرَاطَ ۔ راستہ ۔ اَلَّذِيْنَ ۔ جو ، ان کا جو ۔ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۔ انعام کیا تو نے ان پر ۔ صِرَاطَ اَلَّذِيْنَ صِرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کا بدل ہے ۔ گویا یوں ہے : اِهْدِنَا الصِّرَاطَ اَلَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۔ نِعْمَتْ : وہ منفعت جو غیر پر بطورِ احسان

کی گئی ہو۔ پس اگر اپنے اغراض و مقاصد کے پورا کرنے کے لئے کوئی منفعت دی جائے تو وہ اُجرت تو ہوتی ہے مگر نعمت نہیں ہوسکتی۔ اصل میں نَعُوْمَـــة کے معنی نرمی کے ہیں۔ یَدٌ نَـاعِمَةٌ۔ نرم ہاتھ، پھر نعمت اس حالت کے معنی میں استعمال ہوگی: جس سے آدمی لذّت حاصل کرسکتا ہے۔

ترجمہ:- اُن لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔

نعمت کے اقسام ہیں:- ا۔ دنیوی۔ ۲۔ اُخروی۔

دنیوی کے بھی اقسام ہیں: وہبی۔ کسبی۔ وہبی کے اقسام ہیں: روحانی۔ جسمانی، روحانی، جیسے جسم میں روح کا پھونکا جانا عقل وحواس سے امداد لینا۔ جسمانی، جیسے بدن اور قوائے بدن کا پیدا کرنا اور صحت وسمتِ اعضاء کا باقی رکھنا۔ کسبی، جیسے تحلیہ فضائل وتخلیہ رذائل یعنی قابلِ تعریف حالات پیدا کرنا۔ اچھے صفات سے موصوف ہونا اور بری عادتوں سے بچنا اور کوئی کام رذیل لوگوں کا سا نہ کرنا۔ معافیِ گناہ، دیدارِ الٰہی، معیتِ انبیاء صدیقین وغیرہ، یہ سب اللہ تعالیٰ کا عطیہ، احسانات ہیں عنایتیں ہیں۔

نعمت کی ایک اور تقسیم اس طرح ہے: (ا) وہ نعمت جو راست اللہ تعالیٰ سے حاصل ہوتی ہے جیسے خلق یعنی پیدا کرنا، (۲) نعمت تو خدا کی دی ہوئی ہے مگر پہنچی کسی آدمی کے ذریعہ جیسے ماں باپ، استاد، بادشاہ، کہ ان کی نعمت ہرگز ہم تک نہ پہنچتی اگر اللہ نہ چاہتا۔ (۳) وہ انعامات جو بھاری اطاعت کی وجہ سے پہنچے ایسے انعامات بھی حقیقتاً اللہ ہی کی طرف سے ہیں، کیونکہ اعضاء ہاتھ پاؤں اسی کے دیئے ہوئے ہیں، توفیق اسی کی دی ہوئی ہے۔ بہر حال تمام انعامات کا مرجع واصل اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وَمَا بِكُمْ مِنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ۔ تمہارے پاس جو کچھ نعمت ہے، وہ اللہ ہی کے پاس سے ہے۔ سب سے بڑی نعمت نعمتِ ایمان ہے۔ سب اس کے فروع ہیں اور وہ اصلِ اصول ہے: اَلَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کون حضرات ہیں۔ اُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا وہ لوگ اُن لوگوں کے ساتھ رہیں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے وہ کون ہیں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین اور یہ لوگ کیا بہتر رفیقِ طریق ہیں تو عبارت یوں ہوئی: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ

حضرت خاتم النبیین لَانَبِـــيَّ بَـعْـدَهٗ کی اتباع اور اس کی طرف ہدایت تو مقصود ہو ہی گئی۔ حضرت ابوبکر جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں، ان کی اتباع بھی مقصود ہوئی، اس طرح ان کی خلافت بھی ثابت ہوگئی اور حضرت عمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم شہید ہیں، صدیق بھی ہیں، لہذا ان کی اتباع بھی ضروری ہوگئی اور خلافت ثابت، یہ بات واضح رہے کہ صدیقیت وشہادت، زمانۂ نبوت کے بعد بھی رہتی ہے، لہذا حضرت امام ابوحنیفہؒ و مالکؒ وشافعیؒ واحمد بن حنبلؒ کی اتباع نیز حضرت سیدی محی الدین عبدالقادر الجیلانیؒ ومعین الدین حسن چشتیؒ واحمد کبیر الرفاعیؒ و بہاء الدینؒ محمد البخاری نقشبندی و ابوالحسن علی شاذلیؒ وغیرہ حضرات رضوان اللہ علیہم کی اتباع بھی مطلوب ہے۔ اسی طرح انسان اپنے پیر ومرشد کو کم سے کم صالحین میں سے جان کر مرید ہوتا ہے لہذا اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے وہ بھی مقصود ہوتا ہے۔

صاحبو! اسلام بڑا صلح جو مذہب ہے۔ اسلام میں تمام پیغمبروں پر ایمان رکھنا واجب ہے، فرض ہے۔ ایک بات یاد

رکھو جونوح علیہ السلام کو مانتا ہے وہ آدم علیہ السلام کو بھی مانتا ہے ۔ اسی طرح جو ابراہیمؑ علیہ السلام کو مانتا ہے وہ آدمؑ ونوعؑ دونوں کو مانتا ہے ۔ جو یہودی یا موسوی ہوگا وہ ان تینوں صاحبوں کو بھی مانے گا ۔ جو عیسائی یا کرسچین ہے وہ ان چاروں صاحبوں کو بھی مانے گا ۔ مسلمان یا محمدی تمام پیغمبروں کو مانتا ہے ۔ ان میں سے کسی ایک کو نہ ماننا اسلام کے خلاف ہے ۔ اسلام کسی ایک پیغمبر کی تحقیر کو ایسا ہی حرام سمجھتا ہے جیسے محمد ﷺ کی تحقیر کو ۔ میری ان باتوں سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ ابراہیمی ، نوحی ہے ، موسوی ابراہیمی بھی ہے ، عیسائی موسوی بھی ہے ۔ جو محمدی ہے وہ آدمی ، نوحی ، ابراہیمی ، موسوی ، عیسائی اور مسلمان بھی ہے ۔

صاحبو ! ایک اور بات یاد رکھو ۔ انسان میں دل ، جگر ، معدہ شش مقدم دماغ اور ام الدماغ ، ان سب کو عالمِ علوی سے ربط ہے ۔ جو لوگ ذاکر شاغل ہیں ان کو معلوم ہے ۔ ایک ایک عضوِ رئیس یعنی دل وجگر وغیرہ ایک ایک پیغمبر کے ماتحت ہے ۔ اور ہر ایک پیغمبر کی ایک مخصوص خاصیت ہے ۔ آدم علیہ السلام اجمالی طور سے تمام اسماءِ الٰہی وحقائق اشیاء سے واقف ہیں ۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا؛ نوح علیہ السلام کو حمیتِ دین اور غیرت میں امتیازِ خاص ہے ۔ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّارًا ؛ ابراہیم علیہ السلام رضا وتسلیم میں ممتاز ہیں ۔ عِلْمُهٗ بِحَالِیْ يُغْنِيْنِیْ عَنْ سُؤَالِیْ ؛ میرے حال سے وہ واقف ہیں ۔ ”آگ میں پھینکتا ہوں“ ۔ جی اچھا ! ”بچے کو ایسے لق و دق جنگل میں چھوڑ دو جہاں چڑیا چوں نہ کرے اور کوا کائیں نہ کرے“ ۔ جی اچھا ! ۔ ”بچے کو لے جاکر ذبح کرو“ ۔ جی اچھا ! ۔ موسیٰ علیہ السلام عشق ومحبت سے سرفراز ہیں ۔ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؛ ”تم نہیں دیکھ سکتے“ ۔ پہاڑ پر تجلی ہوتی ہے ۔ موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوکر گر جاتے ہیں ۔ عیسیٰ علیہ السلام توحید میں گم ہیں ۔ نادان لوگ خدا کا بیٹا سمجھنے لگے ۔ محمد رسول اللہ ﷺ عبداللہ ہیں ۔ ہر بات کو تیار ہیں ۔ دل مستقیم ہے ۔ آنکھیں فراق ابراہیمؑ ہیں رو رہی ہیں ، بچھو کو بچھو کا حق دیتے ہیں ۔ بچھو کاٹتا ہے اس کا اثر لیتے ہیں ۔ ”یہ نہ نمازی کو دیکھتا ہے نہ غیر نمازی کو“ ۔ وقت آتا ہے تو انگلیوں سے پانی بلبلے دیتا ہوا نکلتا ہے ۔ نیست سے ہست کرنا بھی اُن ہی کا کام ہے ۔ کاسب لوگ اوّل نوح علیہ السلام سے مستفید ہوتے ہیں اور اُن سے نور حاصل کرتے ہیں ۔ پھر ابراہیم علیہ السلام سے ، پھر موسیٰ علیہ السلام سے ، پھر عیسیٰ علیہ السلام سے ، پھر حقیقتِ جامعِ محمدی سے ۔ اسی لئے میں نے ابھی بیان کیا کہ ہر محمدیؐ ، عیسوی ، موسوی ، ابراہیمی ، نوحی و آدمی ہوتا ہے ۔ ان کو لطائف کہتے ہیں ۔ ہر لطیفہ کا ایک رنگ ، ایک مقام ہے ، جو کاسب ہیں انوارِ پیغمبراں سے رنگین رہتے ہیں ، محمدی بے رنگ رہتا ہے ۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ سفید بے رنگ کہلاتا ہے ، مگر وہ جامع ہوتا ہے ساتوں رنگوں کا ۔ اسی طرح ہر ایک مسلمان ، بشرطیکہ مسلمان ہو ، نور ایمان اس کے دل سے تاباں ہو وہ سب کچھ رکھے گا ۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔

صاحبو ! ہپناٹزم ، مسمریزم والے جو کچھ دکھاتے ہیں یا کرتے ہیں ، سب ان کے نفس کی پیداوار ہے ۔ مذہبی آدمی شاگردِ رسول ہے ۔ اُس کی دوڑ خدا تک ہے ۔ سکونِ قلب ، سکونِ نفس اس کا حصّہ ہے ، ان لادینوں کو یہ نعمت کہاں سے ملے گی اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۔

صاحبو ! اسلام کے بنیادی اُصول کیا ہیں ؟

(۱) توحید : یہ اصلِ اُصول ہے ۔ سارے مذہب کی بناء اسی پر ہے ۔ دنیا میں جتنے مذہبی جھگڑے ہوتے ہیں ، توحید کو

نہ ماننے کی وجہ سے ہیں ۔ دیکھو ہر گھر کا بڑا ہوتا ہے ۔ جو گھر کا نظام کرتا ہے ۔ محلّہ میں بھی میر محلّہ ہوتے ہیں ۔ سلطنت میں بادشاہ یا میر مجلس ہوتا ہے ۔ کیا نظامِ عالم کے برقرار رکھنے کے لئے حاکمِ مطلق کی ضرورت نہیں ؟

صاحبو ! اگر کئی خدا ہوتے اور سب ایک زبان ہوتے ۔ ایک دوسرے کی مخالفت نہ کرسکتے تو سب بے کار تھے ۔ آپس میں اختلاف ممکن تھا تو جس کی نہ چل سکتی وہ کیونکر خدا ہوسکتا ۔ ہمارے پاس تو خدا کا یقین کرنا اور اس کے **وحدہ لا شریک له** ہونے پر ایمان رکھنا بالکل فطری اور یقینی امر ہے ۔

(۲) **محبت** : دنیا محبت پر قائم ہے ۔ کسی سے محبت نہ ہوتی تو دنیا گرد وغبار ہوتی ، نہ جھاڑ ہوتے نہ پہاڑ ہوتے ، نہ تم ہوتے نہ ہم ہوتے ۔ محبت طبیعی بھی ہوتی ہے اور ارادی بھی ۔ ماں باپ کو اولاد سے طبیعی محبت ہوتی ہے ۔ غرض کی بھی محبت ہوتی ہے ۔ نفع ولذّت پیدا کرنے کے لئے بھی محبت پیدا ہوتی ہے ، جیسے نوکروں کو اپنے آقاوں سے محبت ہوتی ہے ۔ خدا کے واسطے بھی محبت ہوتی ہے ۔ خدا کی محبت پائیدار ہے ، ماسوا کی محبت ناپائیدار ہے ، غرض نکل گئی اور تم کدھر اور ہم کدھر ۔

(۳) **فرض شناسی** : انسان حقوق وفرائض میں مقید ہے ۔ حدیث شریف میں ہے ۔ اِنَّ لِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَلِزَوْجِکَ عَلَیْکَ حَقًّا ۔ تم پر تمہارے نفس کا بھی حق ہے ۔ لہذا تم خودکشی نہیں کرسکتے ۔ اپنے ہاتھ پاؤں کو بیکار نہیں کرسکتے ۔ بیوی کا بھی حق ہے ۔ ابو جحیفہ کے بیٹے عونؔ اپنے باپ ابو جحیفہؔ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے سلمان اور ابوالدرداءؓ دونوں میں بھائی چارہ کرادیا تھا تو سلمانؓ نے ابوالدرداءؓ کی بیوی اُم الدرداءؓ کو بری حالت میں دیکھ کر پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے ؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ تمہارے بھائی ابوالدرداءؓ کو دنیاداری سے کوئی مطلب نہیں ۔ اتنے میں ابوالدرداءؓ بھی آگئے اور اُنھوں نے خود اپنے ہاتھ سے کھانا تیار کیا ۔ کہا : بھائی سلمان تم کھانا کھالو میں تو روزے سے ہوں ۔ سلمان بولے تاوقتیکہ تم نہ کھاؤ گے میں بھی نہیں کھاؤں گا ۔ اس پر ابوالدرداءؓ سلمانؓ کے ساتھ کھانے کے لئے بیٹھ گئے ۔ رات ہوئی تو ابوالدرداءؓ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہونے لگے تو سلمانؓ نے کہا ابھی اور سو رہو ۔ جب پچھلی رات ہوئی تو سلمانؓ نے کہا اب اُٹھو چنانچہ دونوں نے اُٹھ کر نماز تہجد پڑھی ، پھر سلمانؓ نے ابوالدرداءؓ کی طرف روئے سخن کرکے کہا : بھائی ابوالدرداءؓ ! تم پر تمہارے پروردگار کا بھی حق ہے ، تم پر تمہارے نفس کا بھی حق ہے ، تم پر تمہاری بیوی کا بھی حق ہے ، تم ہر حق دار کو اُس کا حق دو ۔ اس کے بعد ابوالدرداءؓ نے جناب رسولِ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر ان باتوں کا ذکر کیا ۔ آپؐ نے فرمایا سلمان نے بالکل سچ کہا ۔

صاحبو ! انسان دوست دشمن ، چھوٹے بڑے ، بیوی میاں ، ماں باپ ، اور اولاد سب کے حقوق میں وابستہ ہے ، سب کا حق ادا کرتا ہے ۔ بادشاہ اور رعایا کے بھی حقوق ہیں ۔ سب کے ساتھ نیک سلوک کرو ۔ اپنے حقوق اگر لوگ ضائع کر رہے ہیں تو تم اُن کے حقوق کو برباد نہ کرو ۔ فرض شناسی بڑا اہم اُصول ہے ، اُس کو ہاتھ سے جانے نہ دو ۔

(۴) **اعتدال** : دیکھو پارہ ۲/۱ ۹۸ پر رہے اور زیادہ جوش اور زیادہ حرارت بخار ہے اور کم حرارت ضعف اور کمزوری ۔ دونوں کا انجام موت ہے ۔ قرآن شریف میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ہے ۔ یعنی خدایا ! ہم کو سیدھا راستہ بتا ۔ ٹیڑھے خطوط بہت سے ہوتے ہیں ۔ اور خطِ مستقیم صرف ایک ہوتا ہے ، اور بیچ میں ہوتا ہے ۔ تمام خطوطِ مستقیم ایک دوسرے پر منطبق

ہوتے ہیں ۔مسلمان کی تعریف ہے اُمَّـةً وَسَطًا یعنی میانہ روگروہ ۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے لَا تَـظْـلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ یعنی نہ تم ظلم کرو اور نہ کوئی اور تم پر ظلم کرے ۔ وَاَقِيْـمُـوا الْـوَزْنَ بِـالْـقِسْـطِ وَلَا تُـخْسِرُوْا الْمِيْزَانَ ؛ انصاف کے ساتھ وزن قائم رکھو اور بیالنس اور میزان میں نقصان نہ کرو ۔

حضرت انسؓ سے راویت ہے کہ تین آدمیوں کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کی بی بیوں کے پاس پہنچی ، اور آپؐ کی عبادت کے متعلق سوالات کئے ۔ پھر جب اُن کو خبر دی گئی تو گویا کہ اُنھوں نے حضرت ﷺ کی عبادت کو تھوڑا سمجھا اور کہا کہ ہم کہاں اور رسول اللہ ﷺ کہاں ۔ اللہ تعالےٰ نے آپؐ کے اگلے پچھلے گناہ اپنے دامنِ رحمت میں چھپا لئے ہیں لہذا وہ پیدا نہیں ہوسکتے ۔ اس لئے ان تینوں میں سے ایک نے کہا میں ہمیشہ شب بیداری کروں گا اور رات بھر نمازیں پڑھتا رہوں گا اور دوسرے نے کہا میں صائم الدہر رہوں گا ، ہرروز روزہ رکھوں گا ۔ ایسا نہ ہوگا کہ کسی دن میں روزہ نہ رکھوں ۔ ایک اور شخص نے کہا میں عورتوں سے الگ رہوں گا ، کبھی شادی کروں گا ہی نہیں ، پھر نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لائے ۔ پھر فرمایا تم لوگ وہ ہو جنھوں نے ایسا ایسا کہا ؟ ہاں ! میں بہ نسبت تمہارے خدا سے زیادہ ڈرنے والا ہوں ، اُس کی ناخوشی سے پرہیز کرنے والا ہوں ، مگر میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا ، نماز بھی پڑھتا ہوں ، اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں ۔ لہذا جو میرے طریقہ سے منہ پھیرے ، اعراض کرے وہ میرے متعلقین میں سے نہیں ہے ۔ (بخاری ، مسلم ۔ مشکوٰۃ)

(۵) مساوات : حدیث شریف میں ہے اَلـنَّـاسُ كَـاَسْـنَـانِ الْمِشْطِ ۔ (اربعین) لوگ کنگھی کے دندانوں کی طرح ہیں ۔ ادائی حقوق سب پر برابر واجب ہے ۔ دیکھو ! جماعت سے نماز پڑھتے ہیں ، امیر وغریب سب ایک صف میں بازو سے بازو لگائے کھڑے رہتے ہیں ۔ سب سے پہلے جس نے تکبّر کیا ، خود کو انسان سے افضل سمجھا وہ ابلیس تھا ۔ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ؛ یعنی مجھے آگ سے بنایا اور اس کو (انسان کو) مٹی سے ۔ لہذا میں انسان سے افضل ہوں ۔ ذات کا جھگڑا ابلیس کا نکالا ہوا ہے ۔ رنگ ، زبان ، قوم ، ملک کا اختلاف اسلام میں ہرگز نہیں ۔ فضیلت کا معیار اسلام میں تقویٰ ہے ، عملِ صالح ہے ۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰـكُمْ ؛ بے شک تم میں بزرگ اللہ کے پاس وہ ہے جو زیادہ متقی ہے

(٦) تقسیمِ دولت : ایک اور بنیادی اصول تقسیمِ دولت ہے ۔ بعض قوموں کے پاس بڑا بیٹا تمام دولت کا مالک ہوتا ہے ، بعض کے پاس عورت کسی چیز کی مالک نہیں ہوسکتی ۔ بعض کے پاس دولت ایک مشترک قومی چیز ہے ۔ بعض کے پاس تمام دولت کا مالک ایک شخص ہوتا ہے ۔ یہ لوگ کمانے میں بھی آزاد ہیں اور نہیں دینے میں بھی آزاد ہیں ۔ یعنی کہیں سامراج اور کہیں اشتراکیت ہے ۔ اشتراکیت میں عامتہ الناس کسی چیز کے مالک نہیں ، سب قوم کا ، بیوی قوم کی ، بچے قوم کے ۔ میں پوچھتا ہوں غلام کے معنی کیا ہیں ؟ غلام ذاتی ملکیت نہیں رکھتا ، باختیارِ خود کسی چیز میں تصرف نہیں کرسکتا ۔ جس قوم میں اشتراکیت ہے ، ساری قوم غلاموں کا مجمع ہے ۔ چند تو آقا ہیں باقی سب غلام ۔ اسلام میں کمانے میں آزادی ہے ، مگر غریبوں کو زکوٰۃ دینا ، مرنے کے بعد تمام دولت کا افرادِ قوم میں تقسیم ہونا فرض ہے ۔ ہمسائے کا بھی حق ہے ۔ غریبوں کی امداد قانونی طرح سے بھی واجب ہے اور اخلاقی طور سے بھی ۔ رمضان کی عید ہوئی تو غریبوں کو فطرہ دینا پڑتا ہے ، عید اضحیٰ ہوئی تو تیسرا حصّہ گوشت کا غریبوں کو دینا پڑتا ہے ۔

(۷) احترامِ جاندار : ایک اور بنیادی اصول جاندار کا احترام ہے ۔ کسی جاندار کو آگ میں نہیں ڈال سکتے ۔ سانپ ، بچھو کھٹمل کو بھی نذر آتش نہیں کرسکتے ۔ جنگ کے وقت بھی عورتوں کو ، بچوں کو ، تارک الدنیا فقیروں کو قتل نہیں کرسکتے ۔ خود کوئی شخص خودکشی نہیں کرسکتا ۔ جانور تو ایک طرف ، بے وجہ ، بے سبب درختوں میں آگ نہیں لگا سکتے ۔ تہذیبِ جدید میں ایٹم بم ، ہائیڈروجن بم اور دیگر قسم کے آلات سے بلاامتیاز سب کو ہلاک کرسکتے ہیں ۔

(۸) حفظِ امن : یہ ایک اور اصولِ قانون ، امن برقرار رکھنا ہے ۔ فتنہ وفساد برپا کرنا اسلام میں ہرگز درست نہیں ۔ اِنَّ اللّٰہَ لَایُحِبُّ الْفَسَادَ ؛ یعنی بے شک اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا ۔ اور وَالْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ؛ یعنی اور فتنہ برپا کرنا قتل سے زیادہ بدتر ہے ۔ وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ ؛ اور ان فتنہ انگیزوں سے ، فسادیوں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ اور بدامنی باقی نہ رہے ۔ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ ؛ یعنی جولوگ خدا کو چھوڑ کر دوسروں کو معبود مانتے ہیں اُن کو بھی گالی نہ دو کہ کہیں آگے بڑھ کر نادانی سے وہ اللہ کو بھی گالی دیں گے ۔ کن اسباب سے امن تباہ ہوتا ہے ؟ دوسروں کو گالی دینا ، خود کو اچھا سمجھنا ، زناکاری ، قمار بازی ، شراب خواری سے ۔ یہ سب موجب ہیں بدامنی اور فتنہ کے ۔ ان تمام فتنہ انگیز امور سے احتراز کروتو بے شک دنیا میں امن و امان پیدا ہوجائے گا ۔ اسلام کا مقصدِ اعلیٰ امن ہی ہے ۔ اسلام فتنہ انگیزی کو باقی نہیں رکھتا ۔ چند بنیادی اصولِ اسلام پر عمل کروتو تمہارا دین بھی اچھا ہوگا ۔ اور دنیا بھی ۔ دین دار اور بے دین سب کے لئے یہ اُصول فائدہ بخش ہیں ۔

(۹) دعاء : ایک آخری بنیادی اُصول دُعا اور خدا سے التجا کرنا ہے ۔ انسان لاکھ کوشش کرے کامیابی خدا کے ہاتھ میں ہے ۔ اب ہم اسی اُصول پر دُعا کرتے ہیں : رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْاَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَہٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَۃَ لَنَا بِہٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۟ وَاغْفِرْلَنَا ۟ وَارْحَمْنَا ۟ اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ ○ (البقرۃ)

یہ ایک طبیعی بات ہے کہ نادان دانا سے ، جاہل عالم سے پوچھتا اور اس کے کہے پر اعتماد کرتا ہے اور حکم بھی یہی ہے فَاسْئَلُوْآ اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ؛ اہلِ علم سے سوال کرو اگر تم کو معلوم نہ ہو ۔ دیکھو ! اِسْئَلُوْا امر ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے ۔ حضرتؐ فرماتے ہیں : اَلَّا سَئَلُوْا اِذَا لَمْ یَعْلَمُوْا فَاِنَّمَا شِفَاءُ الْعَیِّ السُّوَالُ ؛ کیوں نہیں سوال کیا جب جانتے نہ تھے ، عاجز و ناواقف کا علاج سوال ہی ہے ۔ دیکھو ساری دنیا میں یہی ہوتا ہے ، ماہرِ فن پر اعتماد کرتے ہیں ، جب تک خود کو مہارت نہ ہو دوسرے کی تقلید کرتے ہیں ۔ مشکلات پیش آتے ہیں اور خود کو عاجز پاتے ہیں تو مجبوراً تقلید ہی کرنی پڑتی ہے ۔ بے علمی پھر خود مختاری ، تباہی کا موجب ہوتی ہے ۔ دیکھو ! حساب معمولی فن ہے مگر ایک زمانے تک کسی اُستاد کے زیرِ تعلیم رہتے ہیں اور وہ جوابات کی غلطی بتلاتا رہتا ہے تو کہیں صحیح جواب لکھنا نصیب ہوتا ہے ۔ ضروری و موقوف علیہ علوم تو کچھ بھی نہیں اور آزادی ، ذاتی رائے کا ادعاء اچھے آدمی کا کام نہیں ۔ عربی کی چار سطریں صحیح نہیں پڑھ سکتے اور بن گئے اہلِ حدیث ۔ کسی ناقص نے کہہ دیا حدیث میں اس طرح آیا ہے بس اس پر اعتماد کرلیا ، نہ تحقیق نہ تدقیق ۔ آخر تقلید کس ہوّے کا نام ہے ، دوسرے پر اعتماد کرنا ہی تو تقلید ہے ۔

بہر حال مجتہد کے لئے ادب ، نحو ، صرف ، قرآن ، تفسیر و حدیث وفقہ ۔ حدیث کے لئے اسماءِ رجال اور سیرتِ نبویؐ تاریخ و اصولِ حدیث ، فقہ کے لئے اُصولِ فقہ ، محاورات و عادات و عرفِ زمانہ ، اسرار و حکمِ دین سے واقف ہونا ضروری ہوتا ہے ، ایک آدھ حدیث کی مترجم کتاب دیکھ لی ، نہ راویوں کے حال سے واقف نہ ناسخ و منسوخ معلوم ، نہ دیگر احادیث سے واقفیت نہ کسی قسم کی تطبیق و استنباط کی قوت حاصل اور لگے خود کو مجتہد سمجھنے ۔ خدا کو جواب دینا ہے ۔ فَاسْئَلُوْآ اَهْلَ الذِّكْرِ پر عمل کر کے ٹھنڈے دل بیٹھے رہنا موجبِ امن ہے ۔ اس مقام پر کئی غلط فہمیاں ہو رہی ہیں ، اوّل یہ کہ اب اجتہاد کا دروازہ بند ہوگیا ہے ، اب کوئی مجتہد نہیں ہوسکتا ؟ یہ اللہ کے فضل و کرم اور رحمت و فیضانِ علم کا محدود کر دینا ہے ، مگر زمانۂ نبوت سے بُعد اور بدشوقی اور قلتِ وسائل کی وجہ سے نایاب ہے ۔ ذرا یہ بھی تو سوچو ، مجتہد کے کتنے اقسام اور درجات ہیں ۔ مجتہدِ مطلق صاحبِ اُصول اس کا طریقِ استنباط و استدال جُدا ہوتا ہے ۔ جیسے امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمتہ اللہ علیہ ۔ دوم مجتہد فی المذہب اس کے اُصولِ استنباط وہی ہوتے ہیں جو اس کے شیخ کے ہوتے ہیں ، مگر مسائل میں وہ اپنے شیخ کا خلاف بھی کرتا ہے ، عام طور سے لوگ شاگردانِ امام کو مجتہد فی المذہب سمجھتے ہیں مگر علم اصولِ فقہ کا واقف جانتا ہے کہ صاحبین یعنی امام ابو یوسفؒ اور امام محمد بن حسنؒ خصوصاً اُصولی اختلاف بھی رکھتے ہیں مگر یہ کم ہے اکثر اُصول میں امام کے موافق ہیں ۔ سوم مجتہد فی المسئلہ ۔ کسی خاص مسئلہ میں صاحبِ تحقیق ہوتا ہے یا اگر کوئی نیا واقعہ پیدا ہو تو حکم کا استنباط کرتا ہے ، اس مسئلہ کا جواب دیتا ہے ۔ چہارم صاحبِ ترجیح ۔ مجتہدینِ سابق کے مختلف اقوال میں سے ، ایک کو ترجیح دیتا ہے ۔ مجتہد فی المسائل کا ہر زمانہ میں رہنا ضرور ہے ورنہ دین کے کام بند ہوجائیں گے ۔ سب کے آخر میں مفتی کا درجہ ہوتا ہے ۔ یہ اجتہاد نہیں کرسکتا ، کتابیں اُلٹ پلٹ کر کے کسی نہ کسی کا قول نکال دیتا ہے ۔ عام طور سے علماء ایسے ہی پائے جاتے ہیں ۔

ایک اور غلط فہمی بھی عام طور سے چھائی ہوئی ہے ۔ حنفی ، شافعی ، مالکی ، حنبلی تقلیدِ شخصی کرتے ہیں ۔ یہ بالکل غلط ہے ۔ یہ چار خاندان یا اسکول ہیں ، ہر خاندان کا مذاقِ استنباط جدا ہے ، وقت بوقت تحقیقات ہوتے رہتے ہیں ۔ شاگردانِ امام نے بعدِ تحقیق اُصول میں بھی مخالفت کی اور فروع میں تو بکثرت اختلاف ہے ۔ علماء نے بعدِ تحقیقات ، امام کی اور صاحبین کی مخالفت کی اور جدا فتوے دیئے ۔ یہ تمام تحقیقات ایک جگہ جمع کئے جاتے ہیں اور انہیں فتاویٰ کہتے ہیں ۔ اور تینوں مذاہب کا بھی یہی حال ہے ۔ ان میں بھی ہر قسم کے مجتہد اور اُن کی تحقیقات ہیں ۔ یہ اپنا اپنا مذاق ہے خشیۃ اللہ سب میں ہے ، حق رسی کے لئے سب کوشاں ہیں ۔ مختلف فیہ مسائل میں ، جنگ و جدل اہلِ علم کا کام نہیں ۔ لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ؛ (ترجمہ :- ہر ایک کے واسطے ایک رُخ ہے جس کی طرف وہ مُڑتا ہے تم اچھے کام کرنے کے لئے دوڑو) اب رہ گئی تلفیق یعنی بلا تحقیق ایک بات ایک امام کی لے لی اور دوسری بات ، دوسرے امام کی ۔ ایسے شخص کا کام باتفاقِ تمام ائمہ ، باطل ہے ، یعنی اس کا بطلان اجماعِ مخالف سے ہے ۔ کیونکہ یہ کسی کے اُصول کے موافق نہیں ۔ اس کی مثال ایسے شخص کی ہے جو ایک دوا ڈاکٹر کی ، ایک دوا ہومیوپیتھی کی ، ایک دوا طبِ یونانی کی ، ایک دوا ویدک کی ملا کر کھاتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ اُن ادویہ کا مرکب ڈاکٹر کے پاس درست ہے نہ طبیب کے پاس ۔ ہر شخص کا ایک طریقِ علاج ہے اور یہ مرکب سب کے اُصول کے خلاف ہے ۔ یہ جاہل ، بندۂ غرض ہے ، اپنے خواہشات کا غلام ہے ، وہ حقیقت میں ائمہ کا نام برائے نام لیتا ہے ۔

صاحبو! اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے مصداقِ اعلیٰ و افضل، صحابہ کرام ہیں، شاگردانِ رسول اللہ ﷺ ہیں، منبعِ تعلیماتِ نبیؐ ہیں سب کو مرتد، بے دین سمجھنا، قرآن و حدیث سب کو مٹانا، دین کی بنیاد گرانا ہے۔ اسلام کا دعویٰ اور پھر اسلام کا قلع قمع؟ العیاذ باللہ۔ قرآن کس سے پہنچا؟ صحابہؓ سے، خصوصاً حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید بن ثابتؓ۔ حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابی بن کعبؓ سے (رضی اللہ عنہم) سلمان، مقداد، ابو ذر رضی اللہ عنہم سے کس نے قرآن کی روایت کی، جن کو تم مسلمان سمجھتے ہو؟ ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے قرآن آحاد رہ جاتا ہے۔ متواتر کب ہوتا ہے؟ مسلمانوں کا سرمایۂ ناز، قرآن کا تواتر ہے۔ اس کو برباد کیا، غیر یقینی کیا، اس میں کمی زیادت کے قائل ہوئے۔ اب تمھارے ہاتھ میں نہ قرآن ہے نہ اُس کی قطعیت۔

حدیث کا حال سنئے! حضرت ﷺ نے بعض احکام زنا نے میں دیئے۔ عورتیں بھی مخاطب تھیں وہ سب حدیثیں کالعدم؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا دوسرے صحابہؓ نے جتنی حدیثیں روایت کیں، نا قابلِ اعتبار؟ پھر کتنی حدیثیں رہ گئی جن کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ اطہار نے جتنی روایتیں عامتہ الناس کے لئے برسرِ منبر بیان کیں سب بطور تقیہ کے تھیں؟ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہ۔ پھر حدیث کہاں؟ دین کدھر؟ تعلیمِ نبوت کتمِ عدم میں؟ اَللّٰہُ اکبر اَللّٰہُ اکبر!

اسلام کے تباہ کرنے کے منازل کیا ہیں؟ سب سے پہلے حُبِ اہلِ بیت کی اہمیت ظاہر کی جاتی ہے، جو اہلِ اسلام کا متفقِ علیہ مسئلہ ہے۔ پھر اہلِ بیت میں سے ازواجِ مطہرات نکالے جاتے ہیں جن کا اہلِ بیت ہونا قرآن سے منصوص ہے۔ عربی میں اور دنیا کی تمام زبانوں میں اہلِ بیت و اہلِ خانہ بیوی کو کہتے ہیں۔ پھر تفضیل کا مسئلہ ہے، پھر خلافت کا مسئلہ ہے۔ پھر شہادتِ امام حسین علیہ السلام و مظالمِ کربلا کا ماتم ہے، پھر مشاجراتِ صحابہ کا مسئلہ ہے، پھر تکفیر صحابہ کا مسئلہ ہے۔ پھر تقیہ کا مسئلہ ہے۔ اس پر دین کا خاتمہ ہے۔

اب میں ان مسائل کو بالاختصار زیرِ ضَو لاتا ہوں، شاید کسی صاحبِ عقلِ سلیم و فہمِ مستقیم کو نور و سرور حاصل ہو۔

آل اور اہل کے ایک ہی معنی ہیں بلکہ آل کا واو ھا ہوگیا ہے چنانچہ آل کی تصغیر اُھَیْلٌ ہے یَؤُلُ ــــ اَوْلًا کے معنی ہیں رجوع کرنا۔ آل وہ ہے جو کسی کا تابع ہو اور وہ اس کا مرجع و مآب ہو۔ قرآنِ شریف میں آلِ فرعون ہے بمعنی تابعینِ فرعون پس آلِ محمد ﷺ، تمام مسلمان اور حضرت ﷺ کے تابعین ہیں۔ جس قدر جس کے کاموں کا حضرت ﷺ کی طرف رجوع بڑھتا جائے گا۔ اتنا ہی اس کی آلیت بھی بڑھتی اور قوی ہوتی جائے گی۔ متقی آدمی کا رجوع زیادہ ہے تو آلِ محمد (ﷺ) کُلُّ تَقِیٍّ بھی وارد ہے، بنی ہاشم کو قرب قرابت ہے۔ ان پر صدقہ حرام ہے، تو وہ بھی آلِ رسول ﷺ ہیں۔ حضرت مولیٰؓ۔ حضرت بی بیؓ سے اور حسنین رضی اللہ عنہم سے سلسلۂ اولادِ رسول جاری ہوا، وہ آلِ رسول ﷺ ہیں۔ بیٹی داماد کا گھر جدا ہوتا ہے۔ اس لئے حضرتؐ نے ان حضرات کو عباءِ مبارک میں لے کر ظاہر فرما دیا کہ شرفِ اہلِ بیت میں یہ حضرات بھی شریک ہیں۔ ازواجِ مطہرات کا اہلِ بیت ہونا تو قرآن سے منصوص ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کے لئے بھی قرآن شریف میں اَھْلَ الْبَیْتِ وارد ہوا ہے، ماقبل مابعد کی آیتیں سیاق و سباقِ قرآن، ازواجِ مطہرات کے لئے ہے، یاد رکھو لفظِ اَھْل کی طرف ہمیشہ جمع مذکر کی ضمیر راجع ہوتی ہے۔ بیوی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو آپ نے فرمایا: اَنْتِ عَلَی الْخَیْرِ۔ یعنی اس آیت کے خیر میں

تم تو ہو ہی ، ازواجِ مطہرات کو آیتِ تطہیر سے نکالنا ، قرآن پر ظلم کرنا ہے ۔ یَا نِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِسَآءِ ۔ اے پیغمبر کی بی بیو ! تم اور عورتوں کی جیسی نہیں ہو ، کہاں تک فضل کا انکار ۔ صاحبو ! آیتِ تطہیر کی اہمیت ان کے پاس عصمت ثابت کرنے کے لئے ہے ، ان کے پاس چونکہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا عورت تھیں ، لہذا خلیفہ نہیں ہوسکتیں ، خصوصاً جب کہ بعض دفعہ حضرت مولیٰ رضی اللہ عنہ سے شکر رنجیاں بھی ہوئیں ، باہم اختلاف بھی ہوا ۔ لہذا بس آپ معصوم بھی نہیں اور آیتِ تطہیر میں داخل بھی نہیں ، حضرت امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ عنہ اگر معصوم ہوں تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت ثابت ہوجائیگی لہذا ان کے اُصول سے حضرت امام حسن مجتبیٰ معصوم نہیں ۔ نہ آیت تطہیر میں داخل ہیں ۔ آؤ اب غور کریں کہ آل و اولادِ رسول اللہ صلعم و علی مرتضیٰؓ میں سے آخر یہ لوگ کتنے حضرات کو مانتے ہیں ۔ حضرت حبیبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں ہیں ، تین کو نہیں مانتے ایک کو بھی جس طرح مانتے ہیں بیان کردیا گیا کہ ان کو غیر معصوم سمجھتے ہیں ۔ حضرت علی کے صاحبزادوں میں امام محمد بن علی بھی ہیں جن کو یہ لوگ محمد بن حنفیہ کہتے ہیں ، ان کو حسبِ عادت کیا کچھ نہیں کہتے ۔ حضرت امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے سلسلۂ اولاد کو نہیں مانتے ۔ حضرت امام علی زین العابدین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے امام زید کو نہیں مانتے ۔ حضرت امام جعفر صادق کے صاحبزادے امام اسمٰعیل اور اُن کی اولاد (جن کی طرف فرقہ اسمٰعیلیہ منسوب ہے) کو نہیں مانتے ۔ کُل بارہ اماموں کو مانتے ہیں ، اور ائمہ کو وہی بدگوئی جو صحابہ کو ہوتی ہے ۔ اس کو کہتے ہیں حُبِ آلِ اہلِ بیت ؟ معاذ اللہ !

اس کے بعد مسئلہ تفضیل کا نمبر ہے ۔ حضرت سیدہ جزء رسول ہیں بلا واسطہ یہ شرف نہ حسنین کو ہے نہ حضرت مولیٰ کو اور نہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ، ازواج مطہرات کا ام المؤمنین ہونا قرآن سے منصوص ہے ۔ وَاَزْوَاجُـــهٗ اُمَّهَاتُهُمْ ؛ ماں کی تعظیم ہر مذہب میں ، ہر قوم میں لازم سمجھی جاتی ہے ۔ ابتداء زمانہ رسالت کی مدد کرنا ، تبلیغ اسلام کرنا ، انتقالِ رسول ﷺ کے بعد اسلام کا سنبھالنا ، امن برقرار رکھنا ، ارتداد سے روکنا حضرت صدیق اکبرؓ کا کام ہے ۔ مسلمانوں کو منظم کردینا ، فاروق اعظمؓ کا کام ہے ۔ قرآن کو صحت کے ساتھ نشر کرنا ذی النورینؓ کا کام ہے ۔ میدان میں گھس کر تلوار مارنا ، دلوں کو نور سے معمور کرنا حضرت مولیٰؓ کا کام ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے بعض حضرات کو بعض خصوصیات سے سرفراز کیا ہے ، کوئی شخص ایسا نہیں جس کو من جمیع الوجوہ سب پر فضیلت ہو جس نے جتنی اسلام کی خدمت کی ، اتنا ہی اللہ کے پاس اس کا رتبہ بڑا ہے ع

فروشندہ رابا فضولی چہ کار

اس کے بعد خلافت کا مسئلہ ہے ، نبی کے لئے ضروری نہیں کہ وہ بادشاہ بھی ہو ۔ وَقَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا ؛ لوگوں نے اپنے نبی سے کہا ہمارے لئے ایک بادشاہ بھیجئے ۔ البتہ سلیمان علیہ السلام میں نبوت و سلطنت جمع تھی اور آنحضرت ﷺ کے آخر زمانہ میں کچھ حکومت بھی آ گئی تھی ۔ ان لوگوں کے پاس تعلیمِ نبوت کی کوئی اہمیت نہیں ۔ جو کچھ ہے دنیا اور اس کی حکومت ہے ، مگر اہلِ بیت کو دنیا کی حکومت نہ ملی ، لہذا وہ خلافت سے محروم رہے ۔

اب میں خلافت کی تھوڑی سی تحقیق کردینا چاہتا ہوں ، خلیفہ وہ ہے جو متخلف یعنی اصل کا قائم مقام ہو ، اس کا کام دے ، ظاہر ہے کہ رسول صاحبِ وحی ہوتا ہے ، اس کا کام کوئی نہیں دے سکتا ۔ اس کے احکام پہنچانا اور اس کی تعلیم دینا ہی خلافت ہے ، جس نے قرآن پہنچایا وہ بھی خلیفہ ہے ، جس نے اس کو سمجھایا ، اس کی تعلیم دی وہ بھی خلیفہ ہے ، جس نے اس سے استنباط کیا

وہ بھی خلیفہ ہے، جس نے احادیثِ رسول اللہ ﷺ پہنچائیں وہ بھی خلیفہ ہے، جس نے اصلاحِ نفوسِ خلق اللہ کی وہ بھی خلیفہ ہے۔ جس نے انصاف سے حکومت کی وہ بھی خلیفہ ہے۔ غرضیکہ جس نے تعلیمِ نبیؐ و خدمتِ اسلام زیادہ کی وہ بڑا خلیفہ ہے، میزان اللہ کے ہاتھ میں ہے وہی اس کا فیصلہ فرمائے گا کہ کون بڑا ہے اور کس کے اعمال زیادہ اچھے ہیں۔ بعض لوگ خلافتِ منصوص کے مدعی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو زندگی ہی میں خلافت دے دی تھی۔ فرمایا مَنْ کُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاهُ؛ مولیٰ کے معنی محبّ اور قرابت دار اور مددگار وغیرہ کے ہیں، پس تصریحِ خلافت کہاں ہے۔ عباسیہ کہتے ہیں حضرت عباس عمِ رسول ﷺ اور عصبہ و وارثِ رسول ہیں، حسنین ذوی الارحام سے ہیں۔ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا عورت ہیں لہذا بنی عباس ہی خلیفہ ہوسکتے ہیں نہ کہ کوئی اور، رسولِ خدا ﷺ نے بنی عباس ہی کی سلطنت کی پیش گوئی فرمائی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے مرضِ موت میں فرمایا، دوات قلم لاؤ میں تم کو ایسی چیز لکھ دوں گا کہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہوگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت پر بیماری کی شدت ہوگئی، کیونکہ حضرت بار بار بے ہوش ہورہے ہیں۔ تمہارے پاس قرآن ہے تم کو کتاب اللہ کافی ہے۔ گھر کے لوگ مختلف ہوگئے اور آپس میں جھگڑنے لگے۔ کوئی کہتا دوات قلم لاؤ، رسول اللہ لکھ دیں گے۔ کوئی وہی کہتا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا۔ جب زیادہ شور اُٹھا اور اختلاف ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے پاس سے اُٹھ جاؤ (متفق علیہ) بنی عباس کا خیال ہے کہ بنی عباس کی خلافت کے متعلق حضرتؐ لکھ دینے والے تھے، اور شیعہ کا خیال ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خلافت نامہ تھا جس کو آپ لکھنے والے تھے۔ یہ سب نرے خیالات ہیں۔ حضرتؐ نے کسی کا نام فرمایا ہی نہیں، حضرت علیؓ نے بھی حضرت عمرؓ کی مخالفت نہ کی خود رسول اللہ ﷺ نے کوئی تاکیدی حکم نہیں دیا۔ وحی ہوتی ہے تو بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ؛ پہنچا دو جو تم پر اُتارا گیا پر عمل واجب ہوتا۔ قرآنِ شریف میں تو ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ؛ آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کیا اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کردیا۔

اب خلافتِ منصوص کو بھی ملاحظہ فرمایئے۔ ''تمہارے باپ ابوبکر اور تمہارے بھائی عبدالرحمٰن کو بلاؤ کہ میں ایک نوشتہ لکھدوں۔ کیونکہ مجھے خوف ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے یا کہنے والا کہہ دے کہ میں اولیٰ ہوں حالانکہ اللہ اور مؤمنین انکار کرتے ہیں۔ غیر ابوبکر کو''۔ (احمد مسلم عن عائشہ۔ کنزج ۶ ص (۱۳۸) ''میرے پاس دوات لاؤ کہ ایک مکتوب لکھدوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ پھر فرمایا اللہ اور مومنین انکار کرتے ہیں، مگر ابوبکر کو'' (عن عبدالرحمٰن بن ابی بکر، کنزج ۶ ص ۱۳۹) ''میں نے اللہ سے تین دفعہ سوال کیا کہ تم کو مقدم کرے مگر اللہ نے انکار کیا۔ بجز ابوبکر کے یہ آپؐ نے حضرت علی سے فرمایا'' (ابن عساکر عن علی کنزج ۶ ص (۱۴)۔ تاریخ الخلفاء للسیوطی میں ہے مسجد کی بنیاد رکھی جانے لگی تو پہلے حضرت ﷺ نے سنگِ بنیاد رکھا۔ پھر ابوبکرؓ نے پھر عمرؓ نے، پھر آپ نے فرمایا۔ ''هٰؤُلَاءِ الْخُلَفَاءُ مِنْ بَعْدِی''۔ (یہ میرے بعد خلفاء ہیں) اس میں ہے۔ ایک شخص نے آکر حضرت رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا۔ آپ کے بعد ہم کس کو زکوٰۃ دیں؟ فرمایا، ابوبکر کو، پھر پوچھا اُن کے بعد؟ فرمایا، عمر کو۔ جنگِ اُحد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تو ابوسفیان سرادرِ قریش نے (جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کہا، کہاں ہے ابن ابی کبشہ یعنی حضرت رسولِ مقبول ﷺ۔

کہاں ہے ابن ابی قحافہ یعنی حضرت ابوبکر، کہاں ہے ابن الخطاب؟ جب آواز نہیں دی گئی تو نعرہ مارا اُعْلُ هُبَلُ ، هبل کا بول بالا ۔ یعنی وہ جان رہے تھے اور سیاسی پیش گوئی کررہے تھے ۔ حضرت ﷺ کے بعد اسلام کا کام ابوبکر چلا سکتے ہیں ، اُن کے بعد عمر بن الخطابؓ ، اُن کے بعد گڑبڑ ہے ۔

پھر شہادتِ امام حسین علیہ السلام کا ماتم ۔ دنیا میں اخلاقی جرأت حق پرستی ، شجاعت اور جان سے بے خوفی عدمِ تقیہ کا بہترین و اعلیٰ ترین نمونہ شہادتِ امام علیہ السلام ہے ۔ آپ کو کوئی مجبوری نہ تھی ، یزید پلید کے ہاتھ پر بیعت کرلیتے تو بال کو دھکا نہ لگتا ۔ مگر یزید کے ہر حکم کی اطاعت کا خلافِ شرع احکام میں موافقت کا وعدہ اس خونِ مطہر سے ممکن نہ تھا ۔ اس وقت آپ اگر دین کی حمایت نہ فرماتے تو کون کرتا ؟

سرداد نہ داد دست در دستِ یزید ÷ حقا کہ بنائے لاالہ است حسینؓ

اس جماعتِ طیبہ کا ہر فرد صابر تھا ، شاکر تھا ۔ خلافِ شرع سینہ کوبی ، جامہ دری ، ان کے غلام بھی نہیں کرتے ۔ ان مدعیانِ محبتِ اہلِ بیت نے سینکڑوں خطوط لکھ کر امامؓ کو بلایا ، آئے تو یزید کی فوج کے ساتھ ہوگئے ۔ امام کو شہید کرنے کے بعد خود کو تائبین مشہور کیا اور لگے تال سُر پر سینہ زنی کرنے اور تال سُر سے مرثیے پڑھنے ۔ شہادتِ امام عالی مقام سے حق پرستی اور اسلام پر جاں بازی کا سبق حاصل ہوتا ہے ، نہ کہ بزدلی کا ؟ غلامِ حسین بہادر ہوتا ہے نہ کہ بزدل ؟

بے قراری کا نہ نکلا ایک لفظ ÷ سامنے تقدیر کے تھا سر جھکا
آنکھ میں آنسو نہ تھا اور لب پہ آہ ÷ آفریں بر اہلِ بیتِ مصطفٰے
شیرِ مادہ در دلیری شیرِ نر ÷ کون شک کرتا ہے یا چون و چرا (حسرت صدیقیؒ)

مشاجرات صحابہ | اب مشاجراتِ صحابہ کے اسباب اور غلط فہمیوں کے وجوہ بیان کئے جاتے ہیں ۔ صحابہ کا ایمان قرآن سے ثابت ہے ۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ۔ محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو اُن کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت اور آپس میں مہربان ہیں رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ ان کے اسلامی کارناموں کی شہادت یہود دیں گے ۔ بلکہ ہندو بھی دیں گے ۔ یہ چیز تو ناقابلِ انکار ہے ، قرآن کی تصدیق کے مقابل جھوٹی کہانیاں ناقابلِ قبول ہیں ۔ یہ مسئلہ بہت طول طویل وقت مانگتا ہے ۔ لہذا چند اشارات لکھوں گا ۔ وَالْعَاقِلُ تَكْفِيْهِ الْاِشَارَةُ ۔ کیسا ہی نیک نیت شخص ہو مذاقِ طبیعت اور ماحول کے اثرات سے مجبور ہوجاتا ہے ، ایسا شخص غلطی بھی کرے تو اُس کو خطاءِ اجتہادی کہتے ہیں ۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؛ اللہ بقدرِ امکانِ شخص تکلیف دیتا ہے ۔ طبعی طور پر بعض لوگ بزرگ پرست ہوتے ہیں اور بعض آزاد رائے ۔ بعض واقعات کام کرنے والوں کو معلوم نہیں ہوتے ، اور وہ اپنی حدِ معلومات پر رائے قائم کرلیتے ہیں ، اور اس کے سوا ممکن بھی نہیں ۔ بعد والے جو چاہیں کہیں کیا ہوتا ہے ۔ اسلام سے پیشتر بنی امیہ حاکم و سیاسی لوگ ، اور بنی ہاشم مذہبی پیشوا تھے ، اور زمانۂ اسلام میں یہی حال رہا ، پس دونوں کا اختلافِ مذاق لازمی ہے ۔ ہر ایک اپنی حکومت کا طالب تھا جس کا نتیجہ جنگ تھا ، حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نہ بنی امیہ سے تھے نہ بنی ہاشم سے ، ان کے ماتحتوں کی غلطی مرتکب کی ذات تک محدود سمجھی جاتی ۔ حضرت عثمانؓ بنی امیہ سے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بنی ہاشم سے تھے ۔ ان کے ماتحت عہدداروں کی غلطیاں ہم قبیلہ

ہونے کی وجہ سے ان کی محترم ذاتوں کی طرف منسوب ہونے لگیں اور درِ فتنہ باز ہوا۔ صدرِ مجلس ملیہ بدلتا ہے تو اُس کے ارکان بھی بدلتے ہیں، اور وہ اپنے ہم رائے و قابلِ اعتماد ہم اُصول لوگوں کو مقرر کرتا ہے۔ ذوالنورینؓ نے بھی اپنی خلافت کے زمانہ میں ایسا ہی کیا اور لوگ لگے بدگمانی کرنے کہ یہ اپنے ہم قبیلہ کو بھر رہے ہیں اور دوسروں کو تباہ کر رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا زمانہ، زمانہ نبوت سے قریب تھا۔ حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کے زمانہ میں ریاستِ اسلامی بہت بڑی ہوگئی تھی، دولت کا زور تھا، مختلف اقوام دائرہ اسلام میں شریک ہوگئے تھے۔ ان نومسلموں میں وہ طہارت کہاں جو شیخین کے زمانہ کے مسلمانوں میں تھی۔ دشمنوں سے جنگ کے زمانے میں لوگ متحد رہتے ہیں، امن کے دور میں خانہ جنگی سوجھتی ہے۔ بعض جمہوریت پسند ہوتے ہیں اور بعض بادشاہ پسند، اور ان میں جنگ ہوتی ہے مگر کوئی نہیں کہتا کہ یہ سلطنت کے دشمن ہیں۔ اپنا اپنا مذاق ہے اپنی اپنی رائے ہے اسی طرح صحابہ کی جنگیں تھیں۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ان میں سے کوئی اسلام اور پیغمبرِ اسلام کا مخالف تھا۔ خاندانِ زار روس ۹ اور اس کے ہم خیالوں کو بالشویکوں نے کیا کیا۔ مگر ان میں سے کون سلطنت کا دشمن تھا؟ کوئی نہیں۔

تکفیر صحابۂ کرام اب تکفیرِ صحابۂ کرام کا مسئلہ ہے۔ کسی اہلِ مذہب سے سوال کرو کہ بہترین خلائق کون ہیں؟ وہ اپنے پیغمبر کے اصحاب یا حواریین کو بتائے گا۔ بجز اُن لوگوں کے تیئس (۲۳) سال کی رسول اللہ ﷺ کی تبلیغ کا کیا ہوا؟ ایک حضرت علیؓ اور دو تین اور اصحاب کا اسلام؟ بس اتنے ہی مسلمان روئے زمین میں ہیں؟ اسلام کس نے پھیلایا؟ غیر مسلموں نے؟ شرم شرم!! دنیا میں اسلامی سلطنت کس نے قائم کی؟ اسلامی جھنڈا کس نے اڑایا؟ غیر مسلموں نے؟ شرم شرم!! دنیا کو کس نے قرآن و توحید سے روشناس کیا؟ غیر مسلموں نے؟ شرم شرم!!۔ حضرت علی اسد اللہ نے اپنی صاحبزادی کی شادی کس سے کردی؟ ایک غیر مسلم سے؟ شرم شرم!!۔ کس کو اُمور انتظامی میں رائے دیتے تھے؟ غیر مسلموں کو؟ شرم شرم!!۔ دنیا میں سب وشتم کس کے پاس عبادت ہے؟ اُن کے پاس؟ شرم شرم!!۔ اللہ صحابہ سے راضی، صحابہ اللہ سے راضی۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْاعَنْہُ، اللہ کی رضا مندی کے سامنے تمہاری ناراضی ہے کیا چیز؟ یہ ناراضی اثر ہے یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِظَ بِھِمُ الْکُفَّار کا اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ فَمَنْ اَحَبَّھُمْ فَبُحِبِّیْ اَحَبَّھُمْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ کا۔ جو شخص معمولی مسلمان کو کافر کہے، اس کا کفر اس پر واپس ہوتا ہے۔ شاگردانِ رسول، یارانِ پیغمبر پر لعنت کام ہے فوارۂ لعنت کا کہ ازومی خیز دو برومی ریزد۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک بہت طویل خطبہ مشہورہ میں فرماتے ہیں: فَمَنْ احبھما (ابوبکر و عمر) فَقَدْ احبَّنی ومن ابغضھما فقد ابغضنی وانا برئ منہ۔ ولَوْکُنْتُ تقدمت فی امرھالعاقبت اشد العقوبة فمن اوتیت بعد مقامی ھٰذَا فعلیہ ماعلی المفتری اَلا وخیرالامة بعد نبیّھا ابوبکر و عمر۔ (ترجمہ) پس جس نے ان دونوں یعنی ابوبکر و عمر سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی، اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا، اور میں اس سے بری ہوں۔ اگر میں نے اس سے پہلے تنبیہ کی ہوتی تو سخت سزا دیتا۔ اگر ایسی شکایت پھر میرے سامنے آئی مفتری کی حد اس کو دی جائے گی۔ دیکھو! بہترینِ اُمّت بعد نبی ﷺ کے ابوبکر و عمر ہیں۔ یہ خطبہ زمانہ خلافت سیدنا علیؓ کا ہے۔

کنز العمال ج ۶ ص (۳۷۰)

مسئلہ تقیہ | اب آخر میں مسئلہ تقیہ ہے جس پر اسلام کا بالکل خاتمہ ہے۔ اگر تقیہ جائز ہوتا تو خود حضرت علیؓ جنگ جمل و جنگ صفین کیوں کرتے؟ حضرت امام حسینؓ کیوں شہید ہوتے؟ حضرت ابراہیمؑ کیوں شہید ہوتے؟ حضرت نفسِ زکیہ کیوں شہید ہوتے؟ پیشوا اور لیڈر کبھی تقیہ نہیں کرتے، حق گوئی ان پر واجب ہے یہ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ کے جانشین ہیں۔ تقیہ ان پر حرام ہے۔ اَللّٰهُ اکبر! ان دشمنانِ اہلِ بیت نے اسد اللہ الغالب رضی اللہ عنہ کی توہین میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ کسی نے اس شیرِ خدا کے سامنے حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کو مارا (میں اُن کا نام نہیں لیتا کیونکہ یہ جھوٹ اور محض جھوٹ ہے) حاملہ تھیں حمل ساقط ہوگیا اور اسی سے آپ کا انتقال ہوگیا، اور شیرِ خدا نے بیوی کی کسی طرح کی نہ حفاظت کی نہ حمایت کی۔ حضرت مولیٰ پر بزدلی کا الزام لگاتے کچھ تو شرم آنا چاہیئے، کچھ تو خدا سے ڈرنا چاہیئے۔ مظہر العجائب اسد اللہ الغالب اور تقیہ؟ توبہ! توبہ! شیرِ خدا اور خوفِ جان اَسْتَغْفِرُ اللّٰه! یہ مقدس ترین ہستی اور جھوٹ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ۔ پوست استخوان مسٹر گاندھی، ناز پروردۂ پنڈت نہرو تقیہ نہیں کرتے۔ ان کو جان کا خوف نہیں۔ اسلام کی اس عظیم الشان شخصیت پر تقیہ کا الزام، آدمی کچھ تو حیا کرے۔ تقیہ کا جال آخر کیوں بچھایا گیا؟ قرآن شریف اور وہ احادیثِ رسول اللہ ﷺ جن کو ازواج مطہرات و اصحابِ رسول اللہ ﷺ نے روایت کیا تھا ناقابلِ اعتبار ٹھیرائے گئے، اہلِ بیت سے جو کچھ تعلیم نبوی مل سکتی تھی وہ بھی تقیہ کے جال میں پھنس کر رہ گئی۔ الغرض قرآن ناقابلِ اعتبار، حدیث ناقابلِ اعتماد۔ تعلیم اہلِ بیت ناقابلِ بھروسہ، تو پھر دین کے بقاء کی کیا صورت؟ ہمارے پاس وہ مذہب راستی سے کوسوں دور ہے جو آل و اصحابِ رسول اللہ ﷺ کو جھوٹا سمجھے۔ بے شک وہ جھوٹا ہے جس نے آپؐ کو جھوٹا سمجھا۔ ہمارے پاس اہم خلافت، تہذیبِ نفوس و اصلاحِ دل کی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضرتؐ کے بعد زمانہ کم ملا۔ ان سے نقشبندیہ، قادریہ اور شاہ مداریہ و شطاریہ یہ سلسلہ ہائے بیعت نکلے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فاروقیہ و اویسیہ نکلا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قادریہ۔ چشتیہ۔ سہروردیہ۔ رفاعیہ وغیرہ۔ حضرت امامِ حسن علیہ السلام سے قادریہ و شاذلیہ اور حضرت عبداللہ مکی سے قلندریہ، اس اہم و اصلی خلافت میں جس طرح حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ خلیفۂ بلافصل ہیں، جناب سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی خلیفۂ بلافصل ہیں۔ حضرت امام حسنِ مجتبیٰ بھی خلیفۂ بلافصل ہیں۔ خلیفۂ بلافصل مان لینے سے ان کا مقصد حاصل نہیں ہوتا، یہ تو قلع قمع دین چاہتے ہیں وہ انشاء اللہ نہ ہوا ہے نہ قیامت تک ہوسکتا ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ؛ اللہ حفاظت کا ذمہ لیتا ہے۔ اسلامی ریاستوں کو کس نے تباہ کیا؟ اسی قوم نے۔ سلطنتِ عباسیہ کو موئد الدین علقمی نے۔ ریاستِ مغلیہ کو میر حسن علی و میر عبداللہ نے ریاستِ فتح علی ٹیپو سلطان کو میر صادق نے۔ ریاستِ شجاع الدولہ کو میراں و میر جعفر نے۔ تاریخ اسلام پر نظر ڈالیئے تو ہر جگہ یہی قوم بربادئ سلطنت ہائے اسلامی کی علت ہوئی۔

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝۷

غَضَبٌ۔ خونِ دل کا بغرضِ انتقام وضرر رسانی جوش کرنا۔ خونِ دل کا جوش کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے ناجائز ہے جو غضب کا

ابتدائی حال ہے ۔ لہذا یہاں ضرر رسانی و سزا دہی مراد ہے جو غضب کا انتہائی حال ہے ۔ تمام اغراضِ نفسانی ، صفاتِ روحانی جیسے رحمت ۔ فرح ، سرور ۔ غضب ۔ حیا ۔ غیرت ۔ مکر ۔ خداع ۔ تکبّر ۔ استہزاء ، ان کے ابتداء اور اوائل بھی ہیں اور انتہا اور غایات بھی ہیں ۔ ایسے کلمات اللہ تعالیٰ کے لئے جب استعمال کئے جاتے ہیں تو اُن کے غایات و انجام مراد ہوتے ہیں مثلاً غضب سے مراد سزادہی ، عذاب کرنا ۔ حیا سے مراد ترکِ فعل وغیرہ ۔ ضَلَّ یَضِلُّ ضَلَالًا فَھُوَ ضَآلٌّ ۔ گمراہ ہونا ۔ مَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ اور ضَالِّیْنَ سے کون مراد ہیں ۔ مَغْضُوْبِ عَلَیْھِم سے عاصی و گنہگار مراد ہیں ، اور ضَالِّیْنَ سے بدعقیدہ ، ناواقف لوگ مقصود ہیں ۔ جس کی قوتِ عاقلہ وعلمی مختل ہو وہ ضال ہے اور جس کی قوتِ عاملہ فاسد ہو وہ فاسق و بدکار ہے اور مغضوب ہے ۔ قاتل کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ ؛ اور اللہ نے اس پر غضب فرمایا ۔ ضال و گمراہ کے متعلق فرماتا ہے ۔ فَمَاذَا بَعْدَالْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ ؛ حق کے بعد سوا ضلال و گمراہی کے اور کیا ہے؟ نیز مَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ سے مراد یہود ہیں ۔ ان کے متعلق فرماتا ہے مَنْ لَّعَنَہُ اللّٰہُ وَغَضِبَ عَلَیْہِ ۔ جس پر اللہ نے لعنت کی اور اس پر غضب کیا اور ضَالِّیْنَ سے مراد نصاریٰ ہیں ، ان کے متعلق فرماتا ہے : قَدْضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا کَثِیْرًا ؛ یہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسرے بہت سوں کو گمراہ کیا اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کے ساتھ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ اس لئے لگایا گیا کہ اُمید وبیم ، خوف و رجاء کے پلّے برابر ہیں بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاء سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے ۔ پہلے نیک عمل و نیک عقیدے کا ذکر ہے ، پھر نیک عقیدے و بدعمل کا ، پھر بدعقیدے کا ذکر ہے ۔ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۔ ترکیب میں کیا ہے؟ اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کی صفت ہے ۔ غیر کا لفظ تو ایسا مبہم ہے کہ معرفہ کی طرف مضاف ہوکر بھی معرفہ نہیں ہوتا ۔ دونقیضوں کے درمیان ہوتو مفیدِ تعریف ہوتا ہے جیسے اَلْحَرَکَۃُ غَیْرُ السُّکُوْنِ نیز کبھی لام عہد ذہنی سے کوئی معیّن شئے مراد نہیں ہوتی وہ حکم میں نکرہ کے رہتا ہے ۔ اسی طرح اَلَّذِیْ اسمِ موصول کا یہی حال ہے کہ کبھی اس سے غیر معیّن افراد مراد ہوتے ہیں ، یعنی عہدِ ذہنی کے لئے ہوتا ہے اور اس سے معیّن افراد مراد نہیں ہوتے ۔ عَلَیْھِمْ ۔ الْمَغْضُوْبِ کے نائبِ فاعل کا قائم مقام ہے ۔

صاحبو ! اپنی صورت شکل ، اخلاق و عادات ، طرزِ زندگی پر غور کرو کہ اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کی پیروی میں ہے یا مَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ اور ضَآلِّیْنَ کی اتباع میں ۔ تم اللہ کا نام بھی لیتے ہوتو ’’ اُدمائی گاڈ ‘‘ کہتے ہو ۔ تم تو سید سلطان کی جگہ ایس ۔ سلٹن ۔ اور غلام محمد کی بجائے جی ۔ یم ، کہتے ہو ۔ چند روز پہلے نام کے تو مسلمان تھے ، اب نام کے مسلمان بھی کم ہوتے جارہے ہیں ۔

خدا کو تمہاری غرض کیا پڑی ہے ÷ جو تم کو خدا ہی سے بیزاریاں ہیں (حسرت صدیقی)

ترجمہ :- ’’ نہ راستہ اُن لوگوں کا جن پر غضب کیا گیا اور نہ راستہ گمراہوں کا ‘‘ ۔

علماء کے بچے ، مشائخ کی اولاد ، نہ قرآن سے واقف نہ حدیث ہی پڑھے ہوئے ، صحیح قرآن پڑھنا نہیں آتا ۔ بی ۔ اے ایم ۔ اے ۔ بے وقوف احمق ، مجنون احمق بن گئے ۔ پھر تباہی و بربادی کیوں نہ آئے گی ۔ دین کی حفاظت اور اُس کی حمایت کون کرے گا ؟ افسوس مسلمانوں کے کیا کمزور اخلاق ہوگئے ہیں ، نہ مذہب کی حمیت ، نہ قوم کا امتیاز ، نہ روایاتِ قومی کی حفاظت ۔ دیکھو ! تم جن کی تقلید کرتے ہو ، وہ اپنی قومیت کی کیسی حمایت کرتے ہیں ۔ دوسری قوم میں جذب ہوجانے کے لئے

کبھی راضی نہیں ۔ جان دے دیں گے مگر اپنی قوم کی عزت ہاتھ سے نہ دیں گے ! ایسے کمزور کیریکٹر کے اشخاص کی ترقی سے مسلمانوں کو کیا فائدہ ؟ ایسے بے حمیت افراد اپنی قوم سے علحدہ ہونا چاہتے ہیں ۔ انڈین کہنے سے شرماتے ہیں ، قوم کی توقیر دل میں رکھتے ہیں نہ قوم کے لئے ایثار ، نہ قوم کے لئے قربانی ۔ شخصی فوائد ہی پیش نظر ۔ دشمنوں کے جاسوس یہی لوگ ہوتے ہیں ۔ دشمنوں سے زیادہ قوم کو اُن سے نقصان پہنچتا ہے ۔ ان کا وجود ان کے عدم سے بہتر نہیں ۔ یہ زمانہ امی ٹیشن کا ہے ۔ سونا چاندی امی ٹیشن ۔ الماس یاقوت امی ٹیشن ، موتی امی ٹیشن ، ریشمی کپڑا امی ٹیشن ۔ دودھ گھی امی ٹیشن ۔ شربت امی ٹیشن ۔ اس امی ٹیشن کے زمانے میں مسلمان امی ٹیشن ہوں تو تعجب کی کیا بات ہے ۔ خدا محفوظ رکھے اس امی ٹیشن کے زمانے سے ۔

جب سے دلِ زندہ تو نے ہم کو چھوڑا ÷ ہم نے بھی تری رام کہانی چھوڑی (حسرتؒ صدیقی)

مسئلہ پردہ ایک اور مسئلہ نے آج کل بڑی اہمیت پیدا کرلی ہے ۔ جو اسلامی اخلاق و عادات و امتیازات کو نیست و نابود کررہا ہے ۔ اور انسان کو بہمیت کے درجہ سے بھی گرا رہا ہے ، وہ مسئلہ پردہ کا ہے ۔ اس مسئلہ میں لوگ مختلف الخیال اور مختلف العمل ہیں ۔ بعض قدیم اُصول کے پابند لوگ پردے کی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں ۔ بعض لوگوں کے پیشِ نظر یورپ کا تمدن ہے ، اور وہ اُس کے نتائج کو بخوشی قبول کرنے کے لئے تیار ہیں اور بعض لوگ یورپ کے تمدن کے دلدادہ ہیں مگر نتائج سے بچنا چاہتے ہیں ، مگر یہ اُن کی ہوس کاری ہے ۔ جب کوئی حقیقت آتی ہے تو اپنے لوازم کے ساتھ آتی ہے ۔ یہ ممکن نہیں کہ ملزوم آجائے اور لازم نہ آئے ۔

ہم اوّل مذہب سے پردے کو ثابت کریں گے ، پھر دنیا کے واقعات و حالات سے جو تجربے حاصل ہوئے ہیں اُن کو بیان کریں گے ۔ اور بے پردگی کی تحریکات اور نتائج کو ظاہر و بے پردہ کریں گے ۔

اسلام کے اہم اُصول میں سے شرم و حیا عصمت اور پردہ ہے ۔ اُصولِ اسلام میں سے مقدمہ واجب کا واجب اور مقدمہ حرام کا حرام ہے ۔ اسلام میں زِنا اور اولاد کشی بدترین گناہ اور قتلِ نفس میں داخل ہیں ۔ اُصولِ اسلام میں سے مرد کا کمانا اور بیوی بچوں کو پالنا ہے ۔ عورت حفظِ نسل اور تربیت اولاد کے لئے ہے ۔ اسلام میں مرد عورت کو شریکِ زندگی ، اپنی عزت و آبرو سمجھتا ہے ۔ عورت کی جان و آبرو کی حفاظت کے لئے جو مرد اپنی جان و مال سے دریغ کرے وہ نہایت کمینہ اور رذیل تر آدمی سمجھا جاتا ہے ۔ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی ۔۔۔۔۔ اور تہذیب سے گھروں میں بیٹھیں اور قدیم جاہلیت کے مطابق ناز و ادا کے ساتھ باہر نہ نکلیں (ج ۲۲ ۔ آیت ۳۳ ۔ سورۂ احزاب) ۔

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ۔ اور جب اُن سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو (ج ۲۲ ۔ آیت ۵۳ ۔ سورۂ احزاب) یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ۔ (الاحزاب ۵۹)

اے نبی تم اپنی بی بیوں کو بیٹیوں کو اور ایمانداروں کی بیویوں کو کہو کہ (سر سے پاں تک اپنی چادروں سے) اپنے آپ کو چھپالیں ۔ یہ کمتر درجہ ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ گرہستی بیویاں ہیں اور بدمعاش اُن کو ٹوک کر ایذا نہ دیں ۔

دیکھو ! یہاں عَلَیْهِنَّ ہے جو پورے جسم پر دلالت کرتا ہے ۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے حضرت سیدۃ النساء فاطمہ الزہرا

سے پوچھا : بیٹی عورت کے لئے کیا بہتر ہے ؟ عرض کیا وہ کسی غیر مرد کو نہ دیکھے نہ اُس کو غیر مرد دیکھے ۔ آپ نے فرمایا : ''کیوں نہ ہو فاطمہ میری جگر گوشہ ہے''۔

اب اس پر غور کرنا ہے کہ بے پردگی کا فتنہ پیدا کیونکر ہوا ؟ اور آیا کہاں سے ؟ اوراس کے نتائج ولوازم کیا ہوئے ؟ غیرضروری بلکہ مُضر تعلیم ۔عورتوں کا کمانے کے لئے نکلنا ، بے پردہ کفّار عورتوں کا مسلمان گھروں میں آنا ، ان کی صحبتِ بد ۔ فحش ناول ۔ کام شاستر ، دیگر ادبِ لطیف جو حقیقتہً ادبِ خبیث ہے ۔ ناٹکوں اور ٹاکیز میں جانا جس میں فحش بلکہ افحش ڈرامے دکھائے جاتے ہیں ۔ نیم برہنہ لباس ، اداکاری کی تعلیم ، جھوٹی اخلاقی جرأت ۔شریف گھرانوں کے لڑکے اورلڑکیوں کا ڈرامہ کرنا ۔لڑکے اورلڑکیوں کی مخلوط تعلیم ۔ ان سب کے نتائج کیا ہوئے ؟ زن وشو میں محبت کا نہ رہنا ۔ ضبطِ تولید ۔ ناخواندہ مہمانوں کا بدر کرنا ۔ ان کو ہلاک کرنا ۔ شادی سے کراہت اور اس سے اجتناب کرنا ۔ امراضِ متعدی کا عام ہونا ،جنسِ لطیف تو ایک طرف خود ہم جنسوں سے کمالِ اتحاد پیدا کرنا ۔ یہ تمام حالات وہ ہیں جن سے قوم تباہ و برباد ہوتی ہے ۔ اسلام کا اسم رہ جاتا ہے اور خصوصیات فنا ہوجاتے ہیں ۔ میرے خیال میں عورتوں سے زیادہ قابلِ الزام بے حیا باپ اور بے غیرت شوہر ہیں ۔ مجھے تفصیلات میں پڑنے سے شرم آتی ہے ۔ ماہ نامہ ترجمان القرآن کا جز'' پردہ ۔ اجتماعی اور شرعی نقط نظر سے'' ملاحظہ فرمائیں ۔ اُن کے منقولات میں سے ایک فقرہ یہ ہے ۔ جرمن سوشل پارٹی کا لیڈر بے بل کہتا ہے'' مرد اور عورت آخر حیوان ہی تو ہیں'' کیا حیوانات کے جوڑوں میں نکاح ، وہ بھی دائمی نکاح کا کوئی سوال پیدا ہوسکتا ہے'' ؟ یہ ہے ارتقاءِ تہذیب کا آخری نقطہ :-

زرومال سے شادیاں ہورہی ہیں — قرابت شرافت سے بیزاریاں ہیں
سلیکشن ہے نوشاہ کا سنیما میں — ہوئی دور شاری کی دشواریاں ہیں
نہ شوفر سے پردہ نہ بٹلر سے پردہ — تو آیا کی بھی ناز برداریاں ہیں
اگر آپ کے باغ کا پھول سونگھیں — برا کیا ہے یہ تو رواداریاں ہیں
اُدھر تم بھی خوش ہو اِدھر ہم بھی خوش ہیں — یہ آزادی میں کیا مزیداریاں ہیں
ہر اک اپنی ماں کا ہے بیٹا یقیناً — اب آگے خدا ہی کی ستاریاں ہیں
کٹیں چوٹیاں سب کی فیشن کے ہاتھوں — بس اب ناک کٹنے کی تیاریاں ہیں
بھلا ہیز لینوں میں کیونکر چھپیں گی — جو چہروں سے ظاہر سیہ کاریاں ہیں
ڈرامے میں جب کام کرتے ہیں لڑکے — تو کیا کیا زنانہ ادا کاریاں ہیں
حیا سوز ہیں سنیما کے تماشے — تو قہرِ خدا کی شرربایاں ہیں
معاذ الاله ! معاذ الاله ! — یہ کیا جہل ہے کیا غلط کاریاں ہیں

(حسرت صدیقیؒ)

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔ عَلَیْھَا نَحْیٰی وَعَلَیْھَا نَمُوْتُ وَعَلَیْھَا نُبْعَثُ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ ۔

سورۃ البقرۃ مدنیۃ وھی مائتان وست وثمانون آیۃ واربعون رکوعا

سورہ بقرہ مدینہ میں نازل ہوئی اس میں (۲۸۶) آیتیں اور (۴۰) رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾

آیاتِ مُقطعات سے ہے ۔ اس کے معنی اصلِ مخاطب ، رسول اللہ ﷺ کو ضرور معلوم ہیں کیونکہ قرآنِ شریف کی صفت مبین یعنی بیان کرنے والا ہے ۔ لہذا پورے قرآنِ شریف کے معنٰے کم سے کم رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہونے چاہئیں ۔ اگر آپؐ نے کسی کو اس کے معنے بتا دیئے ہوں تو کوئی محال نہیں ۔ یا کشف میں کسی کو کچھ معلوم ہوگیا ہو تو یہ بھی ممکن ہے ۔ بزرگانِ دین کے ادعیہ میں ایسے الفاظ آتے ہیں اور ان سے خاص خاص آثار پیدا ہوتے ہیں ۔ بعض ادیبوں نے یہ لکھا ہے کہ تمام حروف ملائے جائیں تو اقسام ، انواع اور صفاتِ حروف کے نصف نصف حروف ہیں ۔ جیسے قَلْقَلَة اور هَمْس وغیرہ ۔ بعض نے یہ لکھا ہے کہ ان حروف کے ذریعہ سے تحدی اور دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہی اٹھائیس حروف ہیں جن کو تم رات دن بولتے ہو اور اپنے ادیب اور فصیح ہونے کا دعویٰ رکھتے ہو ۔ بھلا ان ہی حروف سے بنائے ہوئے قرآن کا جواب تو لکھو تم کبھی نہ لکھو گے نہ لکھ سکو گے ۔ یہ قرآن ہے ! اس کے معنی بھی اعجاز ہیں اور عبارت بھی اعجاز !

مع

ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ لَا رَيۡبَ ۛۚ فِيۡهِ ۛۚ هُدًى لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ۙ﴿۲﴾

ذٰلِکَ ؛ وہ ۔ اَلۡکِتٰبُ ؛ کتاب ۔ لَا ؛ نہیں ۔ رَيۡبَ ۔ شک شبہ ۔ فِيۡهِ ؛ اس میں ۔ هُدًى ۔ ہدایت ، رہنمائی راستہ پر لگا دینا ۔ رہنمائی کو اِرَاءَةُ الطَّرِيۡق کہتے ہیں اور رستہ پر لگا دینے کو اِيۡصَال اِلَى الۡمَطۡلُوۡب ۔ ہدایت دونوں معنوں میں مستعمل ہے ۔ اِيۡصَال اِلَى الۡمَطۡلُوۡبِ جیسے اِنَّکَ لَاتَهۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ ۔ تم جس کو چاہو راستے پر نہیں لگا سکتے یا مقصود تک نہیں پہنچا سکتے ۔ اِرَاءَةُ الطَّرِيۡقِ جیسے وَهَدَيۡنٰهُ النَّجۡدَيۡنِ ؛ ہم نے بھلائی برائی دونوں کے راستے بتلا دیئے ۔ مُتَّقِیۡ ؛ پرہیزگار ، نقصان دہ چیز سے بچنے والا ۔ تقویٰ کے درجات ہیں اور اس کے منافع ہیں ۔ پہلا درجہ تقویٰ کا ایمان لانا اور کلمہ توحید پڑھنا ہے ، جس کا نتیجہ دائمی عذاب سے بچنا ہے ، پھر محرمات سے بچنا ہے ، پھر مشتبہات سے بچنا ، پھر بیکار اعمال اور خیالات سے بچنا ، پھر ذکرِ خدا کے وقت خود کی اور اپنے ذکر کی طرف توجہ نہ کرنا ، پھر ہر ایک کو اس کا حق دینے میں کوتاہی نہ کرنا ، یعنی حقوق اللہ و حقوق الناس کا ادا کرنا اور اقتضائے شریعت و معرفت کے مطابق مستعد رہنا ہے ۔ آیت کا ترجمہ اوقاف اور جملوں کے لحاظ سے بدلے گا ۔

تقویٰ کے درجات ہیں

ذٰلِکَ الْکِتَابُ ؛ یہی کتاب ہے۔ اس کے مقابل دوسری کتابیں اس قابل نہیں ہیں کہ ان کو کتاب کہا جائے۔ لَارَیْبَ فِیْهِ ؛ یہ اس قابل نہیں کہ اس میں کوئی صاحبِ عقل شک کرے۔ اگر کوئی اپنے جہل، اپنے عناد اور عداوت سے واہی تباہی اعتراضات پیدا کرے تو اس سے قرآن پر کوئی اثر نہ پڑے گا بلکہ خود اس معترض کی عقل پر اعتراض پڑے گا۔ یا ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَارَیْبَ فِیْهِ۔ یعنی وہ کتاب کہ جس کے متعلق گزشتہ پیغمبروں نے پیشگوئی کی تھی قرآن ہی ہے جس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں۔

هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ؛ جن لوگوں کی فطرت میں ایمان اور تقویٰ ہے ان کے لئے یہ قرآن ہدایت اور سراپا ہدایت ہے۔ قرآن کے مقابل دوسری آسمانی کتب کا حکم بھی منسوخ سمجھا جائے گا کیونکہ یہ آخری قانون ہے۔ یا هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ؛ کے معنٰی یہ ہیں کہ مسلمان تقویٰ کے جس درجہ پر پہنچے قرآن اس سے اعلیٰ درجہ کی طرف ہدایت کرنے والا ہے۔

ترجمہ:- یہ وہ کتاب ہے (جس کی کنہ یا حقیقت کو تم نہیں سمجھ سکتے اور اسی لئے) اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں وہ پرہیزگاروں کے لئے (شمع) ہدایت ہے۔

الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۙ

اَلَّذِیْنَ ؛ جو لوگ۔ یُؤْمِنُوْنَ ؛ ایمان لاتے ہیں۔ اٰمَنَهٗ ؛ اس کو امن میں کردیا، امن دیا۔ اٰمَنَ بِالْغَیْبِ ؛ اٰمَنَ الْمُخَاطَبَ مِنَ الْاِنْکَارِ وَالتَّکْذِیْبِ مُعْتَرِفًا بِالْغَیْبِ۔ یعنی اٰمَنَ بِکَذَا کے معنی ہیں فلاں چیز کا اعتراف کرکے، اقرار کرکے مخاطب کو یقین دلا دیا کہ اب یہ کبھی انکار نہ کرے گا۔ غرض کہ اٰمَنَ بِکَذَا کے معنے ہیں یقین کیا۔ بِالْغَیْبِ ؛ غیب پر یا دل سے۔

ایمان کیا چیز ہے؟ ''دل سے یقین کرنا اطاعت کے ساتھ'' اس کا نتیجہ ہے زبان سے اقرار کرنا اور ایمان کے مطابق کام کرنا۔ ان تینوں کو ملا لینے کے بعد ایمان کے معنے ہوئے اَلْاِقْرَارُ بِاللِّسَانِ وَالتَّصْدِیْقُ بِالْجَنَانِ (بِالْقَلْبِ) وَالْعَمَلُ بِالْاَرْکَانِ (اعضاء بدن) یہ اعمال ایمان پر دلالت کرنے والے ہیں۔ جس طرح دال کہہ کر مدلول مراد لیا جاتا ہے، کبھی اعمال کہہ کر ایمان مراد ہوتا ہے۔ بعض دفعہ ایمان کہا جاتا ہے اور مراد اعمال ہوتے ہیں۔ یہ سب مجازی استعمال ہیں۔ خوارج کے پاس گناہ کرنے سے آدمی کافر ہوجاتا ہے۔ معتزلیوں کے پاس گنہگار نہ مومن رہتا ہے نہ کافر بلکہ بیچ اَدھر رہتا ہے۔ اہلِ سنت کے پاس گنہگار مسلمان رہتا ہے۔ قرآن شریف میں ہے: وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا یعنی اگر ایمان داروں کے دو گروہ آپس میں کشت وخون کریں۔ یہاں قاتل کو بھی اللہ تعالیٰ مومن فرماتا ہے۔

غیب کے معنے کیا ہیں؟ ''وہ چیز جو ہمارے سامنے نہ ہو''۔ غیب کی کتنی قسمیں ہیں؟

(۱) **غیبِ مطلق**: وہ غیب جو خدا کے سوا کسی کو معلوم نہیں، جیسے حقیقتِ حقہ کہ پیغمبر اور فرشتے اور عقلمند سب کے ادراک سے باہر ہے۔ ہاں اس کی تجلیات کا دیدار ہوسکتا ہے۔

ایمان کی تعریف

(۲) غیبِ جزئی : وہ غیب جو پیغمبروں کو معلوم کرایا جاتا ہے ۔ عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ ۔ خداعالم الغیب ہے ۔ اپنے غیب پر کسی کو علم نہیں دیتا مگر برگزیدہ پیغمبر کو ۔ یہاں غیب پر اطلاع بمعنی وحی کے ہے ۔

(۳) غیبِ اضافی : وہ غیب جو کسی ایک شخص کے لحاظ سے غیب ہو اور دوسرے کے لحاظ سے نہ ہو ۔ مثلاً بعض غیب ایسے بھی ہیں جو ہر ریاضت کرنے والے کو معلوم ہوسکتے ہیں ۔

یہ بات یاد رکھو کہ ایمان علم کی قسم ہے ۔ ہر مسلمان کو غیب کا علم ہونا ضروری ہے ۔ مثلاً خدائے تعالیٰ ، جنت ، دوزخ ، فرشتے ، قیامت ان سب کا علم یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ میں داخل ہے ۔

کیا کسی مسلمان کے خیال میں پیغمبر کا علمِ غیب خدا کے علمِ غیب کے برابر ہوسکتا ہے ؟ ہرگز نہیں ! خدا کا علم بالذات ہے اور پیغمبر کا بالعرض ۔ خدائے تعالیٰ اپنی حقیقت کو جانتا ہے اور پیغمبر ، خدا کی کنہ اور اس کی حقیقت کو نہیں جان سکتا ۔ پھر مساوات کا مسئلہ کدھر رہا ؟ ''پیغمبر کو علمِ غیب بھی ہوتا ہے'' کہنے سے نہ شرک لازم آتا ہے نہ کفر ۔ ہاں ! غیب کا علم نہ رکھنے والے اسی لفظ کے مستحق ہیں جس کو وہ دوسرے مسلمانوں کو کہتے ہیں ۔ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ مادہ پرست موحد ، روحانیت سے نابلد روحانیت سے ناآشنا ، کہتے ہیں کہ شیطان کو لوگوں کے دلوں کے حالات معلوم ہیں جبھی تو وہ بہکاتا بھی ہے ۔ پھر ایک دو کے دل کے حالات نہیں بلکہ کروڑوں انسانوں کے حالات اور ان کے خیالات سے واقف ہے ۔ اس واقفیت سے شرک لازم نہیں آتا ؟ اگر اتنا بھی علم آنحضرت ﷺ کے لئے ثابت کریں تو نہایت ہی چیخ و پکار ہوتی ہے کہ شرک ! شرک ! کوئی ان سے پوچھے ، پیغمبر کے لئے جزئی علمِ غیب تو شرک ہے اور ان لوگوں کے پیشوا معلم الملکوت کے لئے شرک نہیں ؟ شرک خدائے تعالیٰ کی صفتِ خاصہ میں کسی کو شریک کرنا ہے ۔ اگر علمِ غیب خدا کی صفتِ خاصہ ہے تو اس کی جس کی طرف بھی نسبت کی جائے شرک ہے ۔ اور اگر علمِ غیب خدا کی صفتِ خاصہ نہیں ہے تو ہرگز شرک نہیں ان کو ان آیات واحادیث پر غور کرنا چاہیئے ۔ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؛ ہم نے تم کو ایسی چیز کی تعلیم دے دی جس کا تم کو علم نہ تھا ۔ اُوْتِیْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ ؛ مجھے اگلے پچھلوں کا علم دیا گیا ۔ حضرت سیدی عبدالقادرؓ کے کلام میں ہے ، حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا ۔ لَایُشَاکُ اَحَدُکُمْ بِشَوْکَةٍ اِلَّا وَاَجِدُ اَلَمَهَا یعنی تمہارے پیر میں کانٹا نہیں چبھتا مگر یہ کہ اس کا درد میں پاتا ہوں ۔ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ ؛ ان پر یعنی حضرتؐ پر دشوار گزرتا ہے جو تم کو تکلیف دہ ہے اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ؛ ہم نے تم کو (یا محمد) گواہ اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ۔ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا ۔ وہ لوگ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر خدا نے انعام کیا ہے ، نعمت سے ان کو سرفراز کیا ہے ۔ وہ کون ہیں ؟ انبیاء ، صدیقین ، شہداء اور صالحین ہیں اور وہ کیا ہی اچھے رفیق ہیں ۔ رفیق کا لفظ ہم سفر دوست کے لئے آتا ہے ۔ ہم سلوکِ طریقِ خدا طے کر رہے ہیں تو یہ حضرات ہمارے رفیقِ طریق ہیں ۔ ہمارے رفیق ، انبیاء و اولیاء اور تمہارے رفیق استاذ الملائکہ اور اس کی ذریت ۔

یہ خوب یاد رکھو! ہم میں اصل جہل ہے اور علم عارضی اور رسولِ خدا ﷺ میں علم اصل ہے۔ کسی مصلحت سے کوئی چیز چھپا بھی دی جاتی تھی۔ بعض دفعہ بطور راز کے کوئی علم ہوجائے تو عامۃ الناس میں اس کی اشاعت نہیں کی جاسکتی جب تک کہ سرکاری مراسلہ کے ذریعہ سے اس کا علم حاصل نہ ہو۔ معلوم! سرکاری مراسلہ کیا ہے؟ وحیِ الٰہی جو بتوسطِ جبرئیل امین ہو۔

وَيُقِيْمُوْنَ ۔ اور قائم کرتے ہیں، اچھی طرح سے پڑھتے ہیں، پوری طرح ادا کرتے ہیں۔ اَلصَّلٰوةَ ؛ نماز کو، نماز کے ارکان میں قیام، رکوع، سجود ہیں۔ پس وَيُقِيْمُوْنَ اَلصَّلٰوةَ کے معنی ہیں نماز پڑھتے ہیں جیسے اُسْجُدُوْا مَعَ السَّاجِدِيْنَ وَارْكَعُوا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ؛ سب کے معنے ہیں نماز پڑھو۔ جز کہہ کر کل مراد لیا گیا ہے۔ نیز اِقَامَةٌ۔ سیدھا کرنا، درست کرنا۔ پس معنی ہوئے حضورِ قلب سے، سکون و اطمینان سے نماز پڑھتے ہیں۔ ان کی نماز ایسی ہوتی ہے گویا وہ خدا کو دیکھ رہے ہیں یا کم سے کم خدا ان کو دیکھ رہا ہے۔ یہ ماخوذ ہے اَقَامَ الْعُوْدَ سے یعنی لکڑی کو سیدھا کیا، درست کیا۔ یا قَامَ السُّوْقُ سے۔ بازار چل نکلا، فلاں جگہ ہاٹ قائم کیا گیا یعنی ہمیشہ بازار بھرے گا۔ پس معنے یہ ہوئے کہ وہ پابندی سے نماز پڑھتے ہیں، پیر یا جمعہ، جمعرات کی نماز نہیں پڑھتے۔ وَمِمَّا ؛ یہ اصل میں مِنْ مَا تھا۔ یَرْمَلُوْنَ کے قاعدے سے نون مدغم ہوکر میم بن گیا ہے وَ ؛ اور مِنْ ؛ سے۔ مَا۔ جو چیز رَزَقْنٰهُمْ ؛ ہم نے ان کو دیا۔ يُنْفِقُوْنَ ؛ صرف کرتے ہیں۔ خرچ کرتے ہیں، ہمارے دیئے ہوئے سے وہ لوگوں کو دیتے ہیں، انفاق کرتے ہیں۔ عربی میں جس لفظ کی ابتداء میں نون اور فا آتے ہیں اس کے معنی نکلنے کے ہوتے ہیں جیسے نَفَعَ، نَفَدَ وغیرہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا سارا دیا ہوا نہیں طلب کیا بلکہ سال بھر گزرنے کے بعد چالیس میں سے ایک۔

یہ بات خوب یاد رکھو کہ مَا رَزَقْنٰهُمْ کچھ چاندی سونے سے خاص نہیں، کچھ زکوٰۃ سے خاص نہیں، یہ ایک عام بات ہے تم کو خدا نے جو کچھ دیا ہے سونا، چاندی، علم و ہنر، صنعت و حرفت ان سے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچنا چاہیئے۔ ہمارے بہت سے علوم وفنون اس بدبخت بے ضرورت رازداری سے ضائع ہوگئے۔ وہ بدنصیب اپنے کمالات خود اپنی قبر میں لے گئے جہاں ان سے نہ خود ان کو فائدہ نہ کسی اور کو۔

ترجمہ:- جو لوگ ایمان لاتے ہیں (غیب پر یا) غیب کے ساتھ (یعنی دل کے ساتھ) اور اچھی طرح پابندی سے نماز پڑھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ بھی کرتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ؕ

وَالَّذِيْنَ ؛ اور جو لوگ۔ يُؤْمِنُوْنَ۔ ایمان لاتے ہیں۔ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ؛ اس چیز پر جو تم پر اُتاری گئی ہے۔ عربی میں اِنْزَالٌ۔ دفعتہً اُتارنے کو کہتے ہیں اور تَنْزِيْلٌ رفتہ رفتہ، جز و جز و اُتارنے کو۔ قرآنِ شریف رسولِ خدا ﷺ پر پورے کا پورا ایک دفعہ ہی اُترا اور پھر وقت بوقت اس کی تبلیغ ہوتی رہی۔ آپ فرماتے فلاں آیت سے پہلے اور فلاں کے بعد رکھو۔ موجودہ قرآنِ شریف بالکل ایسا ہی ہے جیسے لوحِ محفوظ میں ہے جس کے سیکڑوں ہی راوی ہیں۔ مجھے قرآن حضرت حفصؓ،

حضرت عاصمؒ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابی بنِ کعبؓ، حضرت عبداللہ بنِ مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ کے توسط سے رسول اللہ ﷺ سے پہنچا ہے۔ اور پہنچا بھی اس طرح ہے کہ کن حروف پر قَلْقَلَہ ہے اور کن حروف پر ھمس وغیرہ، صفات حروف کی تحقیق کے ساتھ، مدِ طویل کہاں ہے اور مدِ متوسط کہاں؟ کونسی تَا کو ھَا پر واقف کریں گے اور کس کو تَا پر مثلاً رَحْمَةٌ کا لفظ کہیں لمبی تا سے ہے کہیں گول تا سے۔ لمبی تا لکھنا اس کی علامت ہے کہ یہاں تا پر وقف کرو۔ جو قرآنِ شریف کی متواتر روایت کی صحت سے انکار کرتا ہے وہ حقیقتاً اسلام میں فتنہ برپا کرتا ہے۔ مسلمانوں کو اس سے ہوشیار رہنا چاہئیے۔

وَمَآ اُنْزِلَ۔ اور جو اُتارا گیا۔ مِنْ قَبْلِکَ تم سے پہلے۔

ہر مسلمان کا فرض ہے کہ سب پیغمبروں کی کتابوں پر ایمان لائے۔ پیغمبر معصوم اور ان پر اتارا ہوا کلام اللہ حق مگر موجودہ زمانہ میں جو پیغمبروں کے صحیفے اور توراۃ و انجیل و زبور ہیں سب مسخ شدہ ہیں۔ ان کی روایت متواتر تو کجا خبر احاد سے بھی ثابت نہیں ہوسکتی۔ ذرا کوئی ان سے پوچھے کہ تم نے کس سے سنا کہ یہ انجیل ہے اور تمھارے استاد نے کس سے سنا اور کب تم نے اپنے استاد کو شروع سے آخر تک سنایا؟ اور کب تمھارے استاد نے اپنے استاد کو؟ کسی بات کا ہونا مصنف کی طرف نسبت دینے کے لئے کافی نہیں ہے۔ اسی سے تو تحریف اور تغیر و تبدل ہوتا ہے۔ پھر اصل کتاب کس کے پاس ہے؟ جو کچھ ہاتھ میں ہے وہ نرے ترجمے ہیں۔ اصل متن کہاں ہے؟ اس کے جاننے والے ہیں کتنے؟ کوئی انجیل کو اُٹھا کر دیکھے، حضرت عیسٰی علیہ السلام کی سوانح عمری معلوم ہوتی ہے۔ وحیِ الٰہی کے کتنے فقرے ہیں؟ کتنی آیتیں ہیں؟ کسی آسمانی کتاب کے رکھنے کا دعویٰ کرنے والے کو حق نہیں ہے کہ موجودہ مسخ شدہ کتابوں کو کتاب اللہ کہے۔

ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے کہ بخت نصر وغیرہ بُت پرست باشاہوں نے توراۃ اور دیگر صحف کے تمام نسخوں کو جلادیا اب کہاں کی روایت؟ کہاں کا سلسلہ؟ دعاوی ہیں دعاوی! جن کا نہ ثبوت ہے نہ ان پر دلیل۔ قیامت تک رہنے والے خاتم الانبیاؐ کے قرآن کی حفاظت کا اللہ نے ذمہ لیا اور فرمایا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ ؛ ہم نے قرآن اُتارا اور ہم ہی ہیں اس کی حفاظت کرنے والے۔ لاکھوں حافظ ہیں، کروڑوں پڑھنے والے ہیں۔ کوئی حافظ تراویح میں زبر کی جگہ زیر تو پڑھ لے، سامع فوراً ٹوک دے گا۔ کوئی مدِ متوسط کی جگہ مدِ طویل تو کردے، قاری متنبہ کرے گا کہ اس طرح نہیں ہوسکتا۔ یہ قرآن ہے، قیامت تک رہنے والا ہے، خاتم الانبیاؐ کا ہے، محفوظ ہے اور بالکل محفوظ۔ مدارس میں اگر قرآن کی تعلیم نہیں ہوتی تو نہ ہو۔ خدا کے خاص بندے اس کا حفظ کریں گے، تجوید سے پڑھیں گے، اس کی تفسیر کریں گے ع دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است۔ وَبِالْاٰخِرَةِ ؛ وَ، اور۔ بِ سے، ساتھ۔ اَلْاٰخِرَةِ ؛ پچھلی۔ اصل میں اَلدَّارِ الْاٰخِرَةِ ہے۔ عربی میں جب کوئی صفت مشہور اور خاص ہوجاتی ہے تو پھر اس کے موصوف کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ پس اَلْاٰخِرَةِ کافی ہے اور وہ قائم مقام اَلدَّارِ الْاٰخِرَةِ کے ہے۔ وَبِالْاٰخِرَةِ ؛ اور آخرت پر۔ ھُمْ ؛ وہ لوگ۔ یُوْقِنُوْنَ ؛ یقین رکھتے ہیں۔ اصل میں یُیْقِنُوْنَ تھا، ماقبل کے ضَمّہ کی وجہ سے یَاوَاؤ بن گئی ہے۔

ترجمہ:- اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اس (کلام اللہ پر اور وحیِ الٰہی) پر جو تم پر اُتاری گئی ہے اور جو تم سے پہلے اُتاری گئی اور وہ آخرت کا یقین رکھتے ہیں۔

صاحبو! ذرا غور کرو۔ میرا سوال، میرا مخاطب سوفسطائی یا اینٹی گاڈ سے نہیں ہے بلکہ ان لوگوں سے ہے جن کو خدا نے عقلِ سلیم دی ہے اور خدا کو مانتے بھی ہیں۔ دو شخص ہیں، ایک نے ہمیشہ ظلم وستم کیا لوگوں کو ستایا اور خدا و رسول کے احکام کی تعمیل نہ کی اور زندگی بھر خوش حالی سے گزارا اور ایک شخص نے ہمیشہ خدا کی بندگی کی، لوگوں کے ساتھ نیک سلوک کیا، کسی کو تکلیف نہیں پہنچائی مگر گزارا فقر و فاقہ میں۔ اس پر آفاتِ ارضی بھی آئے اور سماوی بھی مگر خدا کے بندے میں کسی قسم کی بدمزاجی یا چڑ چڑا پن تک پیدا نہیں ہوا۔ کیا یہ دونوں برابر رہیں گے؟ عقلِ سلیم پکار کر کہتی ہے کہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ مذہب بتاتا ہے لَایَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ (مائدہ)۔ اچھے اور برے دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔ عمر بھر ظالم نے مزے اُڑائے اور اس خوش کردار نے تکلیفیں اُٹھائیں، دنیا میں نہ سزا ہوئی نہ جزا تو ضرور ایک دن خدا کے سامنے جانا ہے اور نیک کو نیکی اور بد کو بدی کا بدلہ پانا ہے۔ آخرت ہی تو یَوْمُ الدِّیْنِ اور روزِ جزا ہے۔ یہ یاد رکھو کہ کوئی چیز فنا نہیں ہوتی، صرف حالت بدلتی ہے۔ ہم ہمارے افعال (ہماری حقیقت کے مطابق) جہاں جائیں گے اس کے لائق صورت اختیار کریں گے۔ غالباً تم نے سنا ہوگا حرکت، آواز روشنی، حرارت، برق، سب ایک دوسرے میں مبدل ہوتے چلے جاتے ہیں، کوئی چیز ضائع نہیں ہوتی۔ لہٰذا تمہارے اعمال بھی ہرگز ضائع نہ ہوں گے۔ قیامت میں اچھے اعمال اچھی صورت لیں گے۔ اور بُرے اعمال بُری صورت۔ آخرت کے ایمان میں بہت سی چیزیں داخل ہوجاتی ہیں مثلاً جنت، دوزخ، پل صراط، عذاب، ثواب اور آخری پیغمبر جس پر اُترے ہوئے کلام اللہ کی اطاعت میں ثواب اور اس کی مخالفت میں عذاب ملتا ہے۔ ہمارے اس بیان سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ محمد ﷺ پر ختم نبوت ہونے کا بھی یقین ہونا ضروری ہے کیونکہ آخری قانون ناسخ اور اگلے قوانین منسوخ سمجھے جائیں گے

اچھے اور برے برابر نہیں ہو سکتے

أُولَٰٓئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

اُولٰٓئِکَ؛ وہ لوگ۔ عَلٰی ھُدًی؛ ہدایت پر۔ مِنْ رَّبِّھِمْ؛ ان کے رب کی طرف سے۔ وَاُولٰٓئِکَ؛ اور وہی لوگ ھُمْ؛ وہ۔ الْمُفْلِحُوْنَ؛ کامیاب، مقصد پانے والے۔

ترجمہ:- یہی لوگ اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ ہیں (کامیاب اور) فلاح پانے والے۔

اُولٰٓئِکَ کا اشارہ مُتَّقِیْنَ کی طرف ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ ہدایتِ الٰہی پر رہے اور کامیاب ہونے کی وجہ سابقہ صفات کے حامل ہیں۔ یعنی ایمان بالغیب (جو دل کی صفت ہے) اور خدا کے دیئے ہوئے سے لوگوں کو دینا (جو مال وغیرہ سے متعلق ہے) جب تک ان سب باتوں میں کھرے نہ اُتریں نہ ان کو ہدایت ہی ملتی ہے نہ انھیں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ جس مادہ میں پہلا حرف فا اور دوسرا حرف لام ہو اس میں نکلنے کے معنی ضرور رہتے ہیں جیسے فَلَقَ، فَلَسَ۔

یہاں تک جس قدر بیان کیا گیا اچھوں کے متعلق تھا۔ اس کے بعد کافروں کا بیان آئے گا اور اس کے بعد منافقوں کا جن کی حالت لَآ اِلٰی ھٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی ھٰٓؤُلَآءِ ہے۔ یہ لوگ خفاش صفت ہوتے ہیں۔ منہ بھی رکھتے ہیں اور منہ میں دانت بھی۔ ان کے متعلق ہم آئندہ تفصیل سے بیان کریں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۶

اِنَّ ؛ بے شک ۔ اَلَّذِيْنَ ؛ جن لوگوں نے ۔ كَفَرُوْا ؛ کفر کیا ، انکار کیا ، حق پوشی کی ۔ عربی میں کُفرٌ کے معنی ہیں ڈھانکنا ، چھپانا ۔ رات کو کَافِرٌ کہتے ہیں ۔ کُنبی کو بھی کَافِرٌ کہتے ہیں ۔ گاؤں کو بھی کُفرٌ کہتے ہیں کیونکہ لوگ اس میں چھپے ہوئے رہتے ہیں ۔ گون اور اوور کوٹ کو بھی کفر کہتے ہیں ۔ سَوَآءٌ ؛ برابر بمعنی مُستَوٍ ۔ اِنْذَارٌ ؛ ڈرانا ، کسی خوفناک چیز کی خبر دینا ۔

ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ بجائے اِنْذَارُکَ وَعَدَمُ اِنْذَارِکَ کے ہے یعنی لفظی معنی تو یہ ہیں : خواہ تم ان کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ دونوں برابر ہیں اور یہ " تمہارا ڈرانا اور نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں " کے بجائے ہے ۔ اصل جملہ یہ ہے وَاِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَايُؤْمِنُوْنَ اور اِنْذَارُکَ وَعَدَمُ اِنْذَارِکَ مُسْتَوٍ عَلَيْهِمْ خواہ تم ان کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ ان کے لئے دونوں برابر ہیں ۔ یہ جملہ معترضہ ہے ۔

ترجمہ :- بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ۔ خواہ تم ان کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ انھیں دونوں برابر ہیں وہ کبھی ایمان نہ لائیں گے ۔

اب ایک سوال یہ رہ گیا ہے کہ جب خدائے تعالیٰ کو معلوم تھا کہ یہ کٹے کافر کبھی ایمان نہ لائیں گے تو پھر رسولِ خدا ﷺ کو کیوں حکم دیا گیا کہ ان کو تبلیغ کریں ، احکامِ الٰہی پہنچائیں ؟ بے شک خدائے تعالےٰ سب کی فطرت ، سب کی استعدادات سے واقف ہے ۔ مگر ساری دنیا کو بھی معلوم ہوجائے کہ یہ بدبختِ ازلی ہے کہ اس کو لاکھ نصیحت کریں ، لاکھ سمجھائیں ، لاکھ معجزے دکھائیں وہ نہ مسلمان ہوا ہے اور نہ ہوگا ۔ جیسے ابوجہل ، عتبہ ، شیبہ ، ولید بن مغیرہ ، امیہ وغیرہ ۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۠ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۷ ع ۱

خَتَمَ ؛ مہر کردی ۔ قدیم زمانہ میں تمام مضمون کے ختم پر بجائے دستخط کے مہر کردی جاتی تھی ۔ جب کسی چیز پر مہر کردی جاتی ہے تو اندر کی چیز باہر اور باہر کی چیز اندر نہیں آسکتی ، نہ اس میں کچھ زیادتی کمی ہوسکتی ہے ۔ اور جہاں مہر کی جاتی ہے وہیں خط ختم ہوجاتا ہے ۔ لہذا خَاتَمٌ اور خَاتِمٌ دونوں کے معنے آخر کے ہیں ۔ پس خاتم النبیینؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا ۔

غور کیجئے جب حضرت عمرؓ کو اور حضرت علیؓ کو آپ نے فرمایا " میرے بعد نبی ہوتے تو عمرؓ ہوتے " اے علی تم مجھ سے ایسا تعلق رکھتے ہو جیسے ہارونؑ موسیٰؑ سے مگر یہ کہ میرے بعد نبی نہیں " تو پھر کسی کی کیا مجال کہ رسولِ خدا ﷺ کے بعد ، خاتم النبیینؐ کے بعد لَا نَبِيَّ بَعْدِیْ کے بعد ، دعویٰ نبوت و رسالت کرسکے ؟ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ؛ ان کے دلوں پر ۔ قُلُوْبٌ جمع قَلْبٌ ۔ دل ۔ قَلْبٌ کے معنی ہیں اُلٹے یا جھکے ہوئے کے ۔ سینہ میں دل بائیں طرف لٹک رہا ہے اور کبھی ایک حال پر قائم نہیں رہتا ۔ کبھی اِدھر مڑتا ہے اور کبھی اُدھر پھرتا ہے ۔ اس کے انقلابات ہی قلب نام رکھے جانے کی وجہ ہیں ۔

وَعَلٰى سَمۡعِهِمۡ ــ سَمۡعٌ ؛ سننا ۔ یہاں کان مراد ہے ۔ خدا نے ان کے دلوں پر اور ان کی سماعتوں پر مہر کردی ۔ اب نہ ان کا کفر دل سے دور ہوگا نہ باہر سے ایمان اندر آئے گا ۔ خدا کے مہر کرنے سے مراد کفر کی پختگی اور ایمان آنے سے مایوسی ہے ۔ آدمی جب گناہ کرتا ہے تو دل پر ایک سیاہ دھبہ پڑجاتا ہے پھر رفتہ رفتہ تاریکی بڑھتی جاتی ہے اور پھیلتی جاتی ہے، یہاں تک کہ دل کو چوطرف سے گھیر لیتی ہے ۔ یہ سب استعارات ہیں ۔ کوئی بیوقوف کافر کہے'' ہمارے کان پر مہر نہیں ہوئی'' تو اس کو بے ادب سمجھنا چاہیے یعنی اس کو نہ ادب قاعدہ معلوم ہے نہ ادب ولٹریچر سے وہ واقف ہے ۔ جب خدا نے مہر کردی تو اب اس کے ایمان نہ لانے پر اس کو کیا ملامت ہے؟ بات یہ ہے

دیتا ہے ہر اک کو حکیم جس کی جیسی طبیعت ہے (حسرت صدیقی)

اس مقام پر ایک عام غلطی پیدا ہورہی ہے اور وہ جبر کے معنے نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے ۔ جبر خارجی قوت کے کسی اختیاری کام سے روکنے کو کہتے ہیں ۔ خدائے تعالیٰ نے کب اچھے کام کرنے والوں کو روکا ہے اور کب برے کام کرنے والوں کو برانگیختہ کیا ہے؟ ہر شخص کے ساتھ اس کی فطرت ، اس کی فطرت کے ساتھ اس کے اقتضاء ات ، ہر شئے کے ساتھ اس کی طبیعت اور اس کے لوازم اور آثار لگے ہوئے رہتے ہیں ۔ خدائے تعالیٰ ہر شئے ، ہر شخص کی طبیعت کے اقتضاء ات و استعدادات کو نمایاں کرتا ہے، وجود بخشی فرماتا ہے ۔ برائی ہے تو تمہاری فطرت کی وجہ سے ۔ بھلائی ہے تو تمہاری طبیعت کی وجہ سے ۔ خدا پر کیا الزام دھرتے ہو، اپنی طبیعت کو روؤ، اپنی فطرت پر افسوس کرو ۔ فَلَا تَلُوۡمُوۡنِیۡ وَلُوۡمُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؛ اگر خدا ساؤ کو چور بناتا تو ایک بات تھی، وہ تو چور سے چوری نمایاں کررہا ہے ۔

نیشِ عقرب نہ در پے کین است مقتضائے طبیعتش این است

اچھا! یہ فطرت خدا کی پیدا کی ہوئی ہے یا نہیں؟ اس کا جواب سننے سے پہلے ذرا میرے ایک سوال کا جواب دے دو ۔ خدا جان کر پیدا کرتا ہے یا پیدا کرنے کے بعد جانتا ہے؟ نہیں! خدا جان کر پیدا کرتا ہے ۔ کس چیز کو جان کر؟ سب چیزوں کو جان کر ۔ جانی ہوئی چیزوں کو معلوم الٰہی اور اعیانِ ثابتہ کہتے ہیں ۔ خدائے تعالیٰ حقائقِ اشیاء اور ان کی استعدادات کو ہمیشہ سے جانتا ہے، قبلِ خلق جانتا ہے، پہلے جانتا ہے پھر پیدا کرتا ہے ۔ ورنہ جہل لازم آئے گا ۔ لہذا علم کا مرتبہ خلق کے مرتبہ سے پہلے ہے ۔ خدا قدیم ، اس کا علم قدیم ، اس کے معلوم قدیم ۔ لہذا معلوماتِ الٰہی ، اعیانِ ثابتہ، حقائقِ اشیاء غیر مجعول ، غیر مخلوق ، قبلِ کُن ہیں ۔

یہ بات یاد رکھو! حضرت مولیٰؓ سے کسی نے پوچھا'' عاقل اور غافل میں کیا فرق ہے''؟ حضرت نے فرمایا'' عاقل کا دل پہلے ہوتا ہے اور غافل کی زبان پہلے'' یعنی عاقل پہلے سوچتا ہے پھر کہتا ہے اور غافل پہلے کہتا ہے اور پھر سوچتا ہے اور غور کرتا ہے کہ میں نے ایسا کیوں کہا؟ اس سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ معلوماتِ الٰہی اور ان کے اقتضاء ات اور ان کی استعدادات سب غیر مخلوق ہیں ۔ جب اللہ تعالیٰ اشیاء کو پیدا کرتا ہے، اعطاءِ وجود کرتا ہے تو جو چیزیں اعیانِ ثابتہ میں اجمالاً تھیں وہ بعدِ خلق ، تحتِ زمانہ ہوکر بتدریج مخلوق و نمایاں ہوتی ہیں ۔ معلوماتِ الٰہیہ کو اعیانِ ثابتہ اور ان کی استعدادات کو استعداداتِ کلیہ کہتے ہیں اور جب یہ اعیانِ ثابتہ مخلوق ہوجاتے ہیں ، خارج میں موجود ہوجاتے ہیں اور ان کی استعدادات

اور قابلیتیں ظاہر ہونے لگتی ہیں تو اشیاء کو اعیانِ خارجیہ یا موجوداتِ خارجیہ یا اعیانِ موجودہ اور ان کی استعدادات کو استعداداتِ جزئیہ یا تفصیلیہ کہتے ہیں۔

یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ ذاتِ خداوندی میں سے معلوماتِ الٰہی کا ذاتِ الٰہی کو معلوم ہونا فیضِ اقدس اور جعلِ بسیط کہلاتا ہے۔ اور اعیانِ ثابتہ پر اسمائے الٰہیہ کی تجلی پڑتی ہے اور اعیان کو خدائے تعالیٰ کُن فرماتا ہے، وہ خارج میں موجود ہوجاتے ہیں اور ان پر آثار و احکام مرتب ہونے لگتے ہیں تو اس کو فیضِ مقدس و جعلِ مرکب کہا جاتا ہے۔ اعیانِ ثابتہ اور فیضِ اقدس دونوں قدیم ہیں کیونکہ قبلِ کُن ہیں اور موجوداتِ خارجیہ اور اعیانِ خارجیہ بعدِ کُن اور مخلوق ہیں۔ اعیانِ ثابتہ کے مطابق اعیانِ خارجیہ میں نموداری ہوتی ہے۔ یہ دنیا تمام ایک خواب ہے، مگر ہے مطابق اعیانِ ثابتہ اور حقائقِ اشیاء کے۔ یہ مسئلہ بہت دقیق ہے۔ اس سے حیرانی پیدا ہوتی ہے جو ہزار علم سے بہتر ہے۔

وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۔ غِشَاوَةٌ ؛ پردہ۔ فِعَالَةٌ کے وزن پر جتنے لفظ آتے ہیں ان میں ڈھانکنے اور چھپانے کے معنی ملحوظ رہتے ہیں جیسے عِمَامَةٌ، عِصَابَةٌ وغیرہ۔ کیا وجہ ہے کہ قُلُوْبٌ جمع ہے، اَبْصَارٌ جمع ہے اور سَمْعٌ واحد؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سَمْعٌ مصدر ہے، واحد اور کثیر سب پر مستعمل ہے۔ اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے۔ حق بات نہ ان کے کانوں میں داخل ہوتی ہے نہ ان کے دلوں میں گھستی ہے۔ اور کیسی ہی واضح بات ہو عداوت اور غفلت کے پردے پڑنے کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے کچھ نظر نہیں آتا۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۔ عَذَابٌ ؛ تکلیف، مالوفات سے چھوٹنا۔ عَذَبَ کے معنی ہیں قَطَعَ ؛ کاٹا، عَذَابٌ بھی تمام راحتوں سے منقطع کردیتا ہے، جُدا کردیتا ہے۔ عَذْبٌ میٹھے پانی کو کہتے ہیں کیوں کہ وہ پیاس کو روکتا ہے۔ عَظِيْمٌ بڑا۔ کفر و شرک اللہ تعالیٰ سے بغاوت ہے اور دوسرے معاصی، جرائم۔ لہٰذا کافر ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اور گنہگار دوزخ میں جائے گا بھی تو چند روز کے بعد جنت میں داخل ہوجائے گا۔ ایمان جو بہت بڑی چیز ہے، کام آئے گا۔ شرک و کفر بڑا جرم ہے تو اس کی سزا بھی بڑی ہے، عذاب عظیم ہے۔ عَلٰى سَمْعِهِمْ کا عطف عَلٰى قُلُوْبِهِمْ پر ہے اور عَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ایک جدا جملہ ہے۔ اگر عَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ کو عَلٰى سَمْعِهِمْ پر عطف کرتے اور عَلٰى قُلُوْبِهِمْ پر وقف کرتے تو معنے یہ ہوتے کہ کانوں اور آنکھوں پر پردہ ہے۔ کانوں پر پردہ ڈالنے سے کچھ سنائی دینے میں فرق نہیں آتا۔ اس لئے سَمْعِهِمْ کا عطف عَلٰى قُلُوْبِهِمْ پر ہے۔

ترجمہ:- خدا نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر کردی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردے پڑ گئے ہیں اور ان ہی کے لئے بڑا عذاب ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝

وَ ؛ اور مِنْ۔ سے، میں سے۔ النَّاسِ ؛ لوگ۔ مَنْ ؛ جو شخص۔ يَقُوْلُ۔ کہتا ہے۔ اٰمَنَّا ؛ ہم ایمان لائے۔ بِاللّٰهِ ؛ اللہ پر وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؛ اور روزِ قیامت پر۔ وَ۔ اور۔ مَا۔ نہیں۔ هُمْ ؛ وہ لوگ۔ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ؛ اور وہ لوگ ایماندار نہیں ہیں۔

ترجمہ:- اور لوگوں میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور روزِ قیامت پر، حالانکہ وہ ایمان دار نہیں ہیں۔

اب تک نیکوں کے متعلق پانچ آیتیں گزریں اور کٹے کافروں کے متعلق دو آیتیں اور ان منافقوں کے متعلق تیرہ آیتیں ہیں۔ ان ظاہر کچھ باطن کچھ لوگوں سے اسلام کو اور مسلمانوں کو ہمیشہ سخت نقصان پہنچا ہے۔ منافق کیا کرتے تھے؟ دشمنانِ دین سے ملتے تھے، مسلمانوں کے راز ان کے سامنے ظاہر کرتے تھے، اِدھر مسلمانوں سے ملتے تو کہتے کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں، اُدھر کافروں سے ملتے تو کہتے کہ ہم آپ کے قدیم جاں نثار ہیں، اور یارِ وفادار ہیں! اپنی خاص محفلوں میں اسلامی کاموں سے مسخرگی پیشوایانِ دین کا مضحکہ اُڑانا اُن کا کام تھا۔ ان لوگوں کو جہاں مسلمانوں کے غلبہ کی اُمید ہوتی فوراً ان کو اپنا موافق بنانے میں کوشش کرتے، ان کے جلسوں میں شریک ہوتے، چندے دینے میں کوتاہی نہ کرتے، مگر جہاں مسلمانوں اور کافروں میں لڑائی ہوئی، عورتوں کی طرح گھر کے دروازے بند کرلئے اور بیٹھ گئے۔ جان اور مال کے مقابل مذہب کی کچھ عزت نہیں۔ سمجھتے کہ بس دنیا ہی ہے اور اس میں جینا ہی۔ اصل میں یہ لوگ بڑے بزدل ہیں، عین موقعۂ جنگ میں بھاگ جاتے اور اس کے مصداق بنتے ع روزِ میدان آنکہ بگریزد بخونِ لشکرے

میرے خیال میں اس وقت تین قسم کے مسلمان ہیں:-

(۱) مذہبی مسلمان (۲) قوم پرست مسلمان (۳) بین اقوامی یا سیاسی مسلمان۔

۱۔ پہلے **مذہبی مسلمان**: ظاہر ہے کہ خدا اور رسولؐ کی رضا مندی اور ان کی اطاعت ہی ان کا اصلی مقصد ہے۔

۲۔ دوسرے **قومی مسلمان**: جن کو نماز، روزے، حج، زکوٰۃ سے کوئی غرض نہیں مگر مسلمانوں کی خوش حالی، مالداری، عزت و آبرو کے لئے ہر قسم کی جدوجہد کرنے تیار ہیں۔ یہ چندے دینے میں، مسلمانوں کی طرف سے لڑنے میں کوتاہی نہیں کرتے۔

۳۔ تیسرے ہیں **بین الاقوامی مسلمان**: ان کے نام رجسٹرِ مردم شماری میں لکھے جاتے ہیں۔ انہیں نہ نماز سے غرض نہ مسجد سے مطلب۔ ضرورت سمجھتے ہیں تو نماز پڑھ بھی لیتے ہیں۔ کافروں کی محفلوں میں جاتے ہیں تو ان کا قومی نشان ''تلک'' لگانے سے نہیں ڈرتے۔ جس طرح ضرورت پر مسلمانوں کو چندہ دیتے ہیں کافروں کو بھی دیتے ہیں۔ ان کے پاس اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ یعنی ''حکم دینے کا حق صرف خدا کو ہے'' نہیں ہے۔ ہندو مسلمان کی لڑائی ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم مسلمان کب ہیں؟ دیکھو! ہماری توریث ''ہندولا'' کے مطابق ہے۔ بعض ایسے بھی بین الاقوامی مسلمان ہیں کہ توحید کے بڑے لمبے چوڑے دعوے کرتے رہتے ہیں۔ زبان پر رات دن قَالَ اللّٰهُ وَقَالَ الرَّسُوْلُ ہے مسلمانوں کو بات بات پر مشرک اور کافر کہنے میں کوتاہی نہیں کرتے۔ مگر لڑائی سے بچنے کے لئے غیر قوموں سے مل کر اپنی خصوصیاتِ قومی و مذہبی سے دست بردار ہونے تیار ہوجاتے ہیں نوبت بایں جارسید کہ مکہ جانے کے عوض بنارس کے میلہ میں جانے کی تحریک کر رہے ہیں۔ رسولِ خدا ﷺ سے لوگوں کو پھیرنے کے لئے ہندوستان میں بہت سے پیغمبر پیدا ہوگئے ہیں۔ اب تو غریب خاموش حیدرآباد میں بھی پیغمبر پیدا ہورہے ہیں۔

مسلمان کس کو کہیں

چند مدعیانِ نبوت سے میری بھی ملاقات ہوئی ہے ۔ ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ جس قوت کا علم ہوتا ہے اسی قوت کا عمل بھی ہوتا ہے ۔ کوئی جان بوجھ کر آگ کو ہاتھ سے پکڑ نہیں لیتا ۔ عمل میں کوتاہی ضعفِ ایمان یا غفلت پر دلالت کرتی ہے

باتوں سے کیا ہوتا ہے عمل سے سب کچھ عزت ہے (حسرت صدیقیؒ)

مزا تو یہ ہے کہ مذہبی مسلمانوں کو یہ بیوقوف سمجھتے ہیں اور مذہبی مسلمان ان کو بیوقوف ۔ ایک اور بات یاد رکھو ! تعصب جُدا چیز ہے اور عصبیت جُدا چیز ۔ ناجائز تائید اور بچ کا نام تعصب ہے اور جائز تائید اور حمایت کا نام عصبیت ہے ۔ دنیا کے کام عصبیت پر چلتے ہیں ۔ عصبیت متفرقین کا شیرازہ ہے ۔ اگر عصبیت نہ ہو تو اوراقِ پریشاں ہیں نہ کہ کتاب و قرآن ۔ یہ بات یاد رکھو ! فاسسطیوں کا ایک نظامِ تمدن ہے جو اٹلی میں ہے ، نازیوں کا بھی ایک نظامِ تمدن ہے جو جرمنی میں ہے ، اشتراکیوں کا بھی ایک نظامِ تمدن ہے جو روس میں ہے ۔ اسلام جہاں دین کا متکفل ہے وہاں اس کا بھی ایک نظامِ تمدن ہے ۔ ہر قوم اپنے نظام کو اچھا سمجھتی ہے اور اس کی حفاظت اپنا فرض جانتی ہے ۔ قومی مسلمان اپنے نظام تمدن ''اسلام'' کو پسند کرتے ہیں اور اس کے واسطے لڑتے ہیں ۔ یہ لوگ نماز پڑھتے ہیں مگر اُعْبُدِاللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ سے کوئی غرض نہیں بلکہ ان کی غرض تنظیم المسلمین ، ورزشِ جسمانی ، اطاعتِ حاکم وغیرہ جیسے فوائد ہوتے ہیں ۔ یہ لوگ حج کو جاتے ہیں اور سرگشتگی محبت سے کوئی غرض نہیں ۔ ان کی غرض حج سے روئے زمین کے مسلمانوں کی کانفرنس ہے ۔ اسی طرح دوسرے عبادات بھی ہیں

کفر و اسلام ترے کاکل و رخ نے لوٹے نہ دھرم باقی نہ ایمان ہے جاناں باقی

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝

يُخٰدِعُوْنَ ؛ فریب بازی کرتے ہیں ۔ دھوکا دینا چاہتے ہیں ، اپنی دانست میں دھوکا دے رہے ہیں ۔ اَللّٰہَ ۔ اللہ کو ۔ وَ ۔ اور اَلَّذِیْنَ ؛ جو لوگ ، وہ لوگ جو ۔ اٰمَنُوْا ؛ ایمان لائے ۔ وَ ۔ اور ۔ مَا ؛ نہیں ۔ یَخْدَعُوْنَ ؛ دھوکا دیتے ہیں ۔ یَخْدَعُوْنَ اور یُخٰدِعُوْنَ گویا کہ ہم معنی ہیں ، چھپانا ۔ مُخْدَعٌ ؛ حجرہ جہاں سامان رکھا جاتا ہے ۔ اِلَّا ۔ مگر ۔ اَنْفُسْ ۔ جمع نَفْسٌ ۔ اَنْفُسَهُمْ ؛ اپنے نفسوں کو ۔ اپنے آپ کو ۔ وَمَا اور نہیں ۔ یَشْعُرُوْنَ ؛ جانتے ، سمجھتے ۔ شعور اس علم کو کہتے ہیں جو حواسِ خمسہ ظاہری سے حاصل ہو ، جیسے دیکھنا ، سننا ، احساس کرنا ۔

ترجمہ :- (یہ منافق حقیقت میں) خدا کو دھوکا دینا چاہتے ہیں (گو بظاہر) ایمانداروں کو دھوکا دے رہے ہیں اور فی الحقیقت اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں مگر اس کا ان کو شعور نہیں ۔

اس فریب بازی کا نتیجہ ان کو ضرور ملے گا ۔ یہ خدا سے تو کیا چھپا سکتے ہیں ایمانداروں پر بھی ان کے راز ظاہر ہو کر رہیں گے ۔ خدا اور اس کا رسولؐ وقت بوقت ان کی اندرونی حالت اور سازشوں کو بیان فرمائیں گے ۔ اس زمانہ میں بھی منافقوں کے حالات اللہ مسلمانوں کو معلوم کرا رہا ہے اور انشاء اللہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ جس طرح رسولِ خدا ﷺ کے زمانہ کے منافق ذلیل و خوار ہوئے تھے اس زمانہ کے منافق بھی ذلیل و خوار ہوں گے ، غور سے دیکھئے تو اب بھی ذلیل و

خوار ہورہے ہیں مگر اپنی ذلتوں کا ان کو احساس نہیں ۔ ایک مہینہ کی پیشگی ماہوار لے کر کافروں کی طرف سے اسلامی ریاستوں کو نیست و نابود کرنے میں مارے جانے سے زیادہ کیا ذلت ہوگی ؟ ان کی جان گویا انیس (۱۹) روپیہ اور فری راشن کی قیمت رکھتی ہے ☆۔ افسوس ! یہ بیوقوف نہ دین کے رہے نہ دنیا کے خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَالْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ۔

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝

فِيْ ؛ میں ۔ قُلُوْبٌ جمع قَلْبٌ ۔ دل ۔ قُلُوْبِهِمْ ؛ ان کے دل ۔ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ ؛ ان کے دلوں میں بیماری ہے ۔ فَ ۔ پس ۔ زَادَ ۔ زیادہ کیا ۔ زَادَهُمْ ؛ ان کو زیادہ کیا ۔ مَرَضًا ؛ بیماری کو ۔ و ۔ اور ۔ لَ ؛ واسطے ۔ لَهُمْ ۔ ان کے واسطے ، ان کے لئے ۔ عَذَابٌ ۔ سخت تکلیف ، مالوف سے چھوٹنا ۔ اَلِيْمٌ ؛ دردناک ، المناک ۔ یہ آدمی کی صفت ہے ، مجازاً عذاب کی صفت بنائی گئی ہے ۔ بِ ۔ سے ، ساتھ ، بہ سبب ۔ مَا ؛ جو ۔ كَانُوْا ؛ تھے ۔ يَكْذِبُوْنَ ؛ جھوٹ کہتے ۔

ترجمہ :- ان (منافقوں) کے دلوں میں (بڑا سخت) مرض ہے پس خدا ان کے مرض کو اور بڑھاتا جاتا ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے (کیوں ؟) اس واسطے کہ وہ جھوٹ کہتے تھے ۔

ان منافقوں کے دلوں میں کیا بیماری تھی ؟ جب رسولِ خدا ﷺ مدینہ شریف تشریف لے گئے تو اکثر لوگ مسلمان ہوگئے اور مسلمانوں کا بہت غلبہ ہوگیا ۔ یہودیوں اور نصرانیوں کے سرداروں کی اور پیشواؤں کی کچھ نہ چلنے لگی ۔ یہود کے عالم اور راہب مسلمان تو ہوئے مگر اگلی لیڈری اور پیشوائی کہاں رہی ؟ ان کے دلوں میں حسد کی بیماری پیدا ہوگئی ۔ ان سے رسولِ خدا ﷺ اور آپؐ کے اصحابِ خاص کی برتری ایک آنکھ نہیں دیکھی جاتی تھی ، رات اور دن فتنوں اور سازشوں میں کٹتے تھے مگر جس کو خدا رکھے اس کو کون چکھے ! نہ ان کے حسد سے کچھ ہوا نہ ان کی سازشوں نے کام کیا ۔ اسلام بڑھا ، پیغمبر اسلام بڑھا ، خادمانِ اسلام بڑھے ، اس کے ساتھ ساتھ ان یہودیوں کا حسد بھی بڑھا اور ان کے دل کی بیماری بھی بڑھی ۔

منافقوں کے دلوں کی بیماری کی اصل وجہ

یہ بات یاد رکھو کہ سب سے پہلے جو گناہ صادر ہوا ہے ، وہ حسد ہے جس کا شیطان نے ارتکاب کیا ۔ حاسد محسود کو نقصان پہنچا سکے یا نہ پہنچا سکے خود اپنے کو ضرور نقصان پہنچاتا رہے گا ۔ آگ دوسروں کو جلائے نہ جلائے اپنے آپ کو جلاتی ہے اور گھل گھل کر راکھ ہوتی ہے ۔

حسد بہ اہلِ حسد کار میکند صائبؔ ÷ چنانکہ آتشِ سوزندہ می خورد خودرا

یہ حُب جاہ اور لیڈری کی بیماری بھی بلائے جان ہے ۔ مسلمانوں میں خصوصاً لیڈری کا شوق اس طرح دلوں میں گھر کر گیا ہے کہ سب امام ہوگئے ہیں اور مقتدی ندارد ۔ مختلف اُصول سے ، مختلف ناموں سے ، مختلف مقاصد کو پیش کر کے قوم سے چندہ حاصل کرنا ، سارا پیسہ پنڈالوں کی تیاری اشتہارات ، پمفلٹوں ، اخباری اشتہارات ، فرسٹ کلاس کے کرایوں اور کچھ اپنے معین و مددگاروں میں جو حقیقت میں ان کے قرابت دار ہیں صرف کردینا لیڈری کے لوازم سے ہے ۔ غریب مولوی مشائخ جن کو وہ اپنے لئے مانع و مزاحم سمجھتے ہیں ان پر لعنت کروانا ، تبرا کروانا ، رات دن ان کی غیبت کرنا ، مذہب کو مانعِ ترقی سمجھنا اور پھر

☆ اس زمانہ کے سپاہی کی تنخواہ کی طرف اشارہ ہے

مذہب ہی کا نام لے کر مسلمانوں کو برانگیختہ کرنا، عملی کام پوچھو تو خاک کچھ نہیں، شور پکار بہت ہے اور ٹھوس کام ندارد۔ ڈھول میں پول ہے۔ نہ رازداری ہے نہ ایثار، نہ حقیقی حُبِ قومی ہے، نہ دین و مذہب کی حمیت۔ غرض کہ دین ہے تو پیسہ ہے اور عزت ہے تو پیسہ۔ خدا محفوظ رکھے اس لیڈری سے اور اس کے شر سے۔ چندے دیتے دیتے مسلمان عاجز۔ یہ سب کیوں ہے؟ دین و مذہب سے بے اعتنائی کا نتیجہ، پیغمبر کا دامن ہاتھ سے نکل جانے کا لازمہ، بزرگانِ دین سے بے تعلق ہونے کا اثر۔

جب سے دلِ زندہ تو نے ہم کو چھوڑا ÷ ہم نے بھی تری رام کہانی چھوڑی (حسرت صدیقی)

منافقوں کو دردناک عذاب کیوں؟ اس لئے کہ وہ بظاہر خود کو مسلمان ظاہر کرتے تھے اور سمجھتے بھی تھے مگر امتحان کے بعد سب کھوٹ نکلا۔ لہذا ان کا عذاب بھی دردناک ہی ہے۔ بے سمجھ کی تکلیف سے سمجھدار کی تکلیف زیادہ ہوتی ہے۔ وہ کیا جھوٹ کہتے تھے؟ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝

وَ۔ اور۔ مگر۔ اِذَا؛ جب۔ قِيْلَ۔ کہا گیا۔ اِذَا قِيْلَ۔ جب کہا جائے۔ لَا تُفْسِدُوْا؛ تم فساد نہ کرو۔ اِفْسَادٌ؛ بگاڑنا خرابی ڈالنا۔ مصدر ہے۔ فِيْ۔ میں۔ اَرْضٌ۔ زمین۔ اَرَاضِيْ، اَرَضُوْنَ، جمع۔ فِي الْاَرْضِ؛ زمین میں۔ قَالُوْا۔ ان لوگوں نے کہا۔ اِنَّمَا۔ بے شک، اس کے سوا کچھ نہیں، جزایں نیست۔ یہ لفظ حصر پر دلالت کرتا ہے۔ نَحْنُ۔ ہم۔ مُصْلِحُوْنَ۔ اصلاح کرنے والے، درستی کرنے والے، سنوارنے والے ہیں اِصْلَاحٌ مصدر اور صُلْحٌ مادہ۔

ترجمہ:- جب (ان منافقوں) سے کہا جاتا ہے تم زمین میں فساد نہ پھیلاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ (جھگڑوں سے بچنے والے ہیں اور دوسروں کو کشت وخون سے بچانے والے ہیں۔)

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝

اَلَا۔ ہاں۔ کلمہ تنبیہ ہے۔ توجہ دلانے اور ہوشیار کرنے کے لئے آتا ہے۔ اِنَّ؛ بے شک۔ اِنَّهُمْ؛ بے شک وہ لوگ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ؛ وہی ہیں فساد پھیلانے والے، خرابی پیدا کرنے والے، بگاڑنے والے۔ وَلٰكِنْ؛ اور لیکن۔ لَا يَشْعُرُوْنَ ان کو شعور نہیں، ان کو احساس نہیں، ایسی واضح بات کو بھی یہ نہیں سمجھتے۔

ترجمہ:- ہاں! بے شک یہی فساد برپا کرنے والے ہیں مگر ان کو (اس کا) شعور نہیں۔

یہ منافق کیا کرتے تھے؟ بہ ظاہر مسلمان اور بہ باطن کفر کافروں سے ملے ہوئے۔ مسلمانوں سے بھی ڈرتے اور کافروں سے بھی۔ وہ چاہتے کہ مسلمانوں کا غلبہ ہو تو وہ فائدہ میں رہیں اور اگر کافروں کا بھی غلبہ ہو جائے تو بھی فائدے میں رہیں۔ سچے مسلمان ان سے کہتے کہ یہ دو رُخی چال تم کو چلنا نہ چاہیئے۔ مسلمانوں کے راز کفار کے سامنے بیان نہ کرنا چاہیئے۔ سازشوں کا انجام خود سازشیوں کے لئے بھی اچھا نہیں ہوتا۔ یہ بزدل، نامرد منافق اوّل تو حیلے حوالے کر کے شریک جنگ نہ ہوتے۔

شریکِ جنگ ہوتے بھی تو عین معرکہ کارزار سے بھاگ جاتے اور اپنے ساتھ بہت سے بے سمجھ مسلمانوں کو بھی میدانِ جنگ سے ہٹا دیتے ۔ان سے کہا جاتا ہے کہ ایسی شرارتیں کیوں کرتے ہوتو وہ عذر و معذرت کرتے کہ ہم اچھے ہی کام کررہے ہیں ۔ ہم پالیسی کے لوگ ہیں ، سیاست کی ہم کو مہارت ہے ۔عقلمند آدمی وہ ہے جو سب سے ملے اور ممکن فوائد حاصل کرے ۔ یہ لڑائی بھڑائی جاہلوں کا کام ہے ۔ ہاتھ پاؤں کے کام سے دماغ کے کام کو فضیلت ہے وغیرہ ۔

خیر یہ تو ماضی کی کہانی تھی ۔ حال کے منافق کیا کر رہے ہیں ؟مجلسِ آئین وقوانین میں شریک ہوکر اصول و احکام اسلام کے خلاف قوانین منظور کراتے ہیں ۔خود بھی خلافِ شرع کام کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی خلافِ شرع کام پر مجبور کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو فوج میں بھرتی کرواکر مسلمانوں سے لڑاتے ہیں ،مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ پر کفار کا قبضہ کراتے ہیں اور کفار کا ممالک اسلامیہ پر قبضہ ہونے پر چراغاں کرتے ہیں ۔ ان میں رازداری بالکل نہیں ، ایثارِ مسلمین ہرگز نہیں ۔ مسلمانوں نے جہاں کوئی مفید کام کیا جھٹ اس کی اطلاع کافروں کو کردی ۔ یہ لوگ مساجد اور وعظوں میں کیوں آتے ہیں ؟ مسلمانوں کے خیالات سے واقف ہوکر کفار کو واقف کرا دینے کے لئے ۔نماز یا وعظ ہرگز ان کا مقصد نہیں ہوتا ، کھاتے ہیں مسلمانوں کا اور گاتے ہیں کفار کا ۔ ہمیشہ اسلامی خصوصیات اور امتیازات مٹانے میں سرگرم ۔اب السلام علیکم کی جگہ گڈ مارننگ اور بندے ماترم نے لے لی ہے ۔ پائے جامہ اُتر گیا ہے ، پتلون لپٹ گیا ہے ۔ خاتم الانبیاء سے مسلمانوں کا منہ پھرانے کے لئے دعویٰ نبوت بھی کرتے ہیں اور غیر نبی کو نبی ثابت کرنے کے لئے تیار ہیں ۔ جہاں کسی نے ان پر اعتراض کیا لگے پیغمبروں پر وہی الزام جمانے ۔توحید کے بڑے لمبے چوڑے دعاوی کرنے کو مستعد مگر بزرگانِ دین کی عظمت مٹانے میں بڑے ساعی ، روحانیات سے سخت نابلد ۔بعض جاہل ہندوؤں کے سرگروہ یا گرو کے پاس جاتے ہیں تو اپنا ہندوانی نام رکھ کر چیلوں کی فہرست میں اپنا نام لکھواتے ہیں اور پھر جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو وہی اسلامی نام ۔ایک بڑے تصوف کا دعویٰ کرنے والے نے ایک صاحب سے کہا ، آج کل بڑے کامل آئے ہوئے ہیں ان صاحب نے پوچھا کہ کیا مجذوب ہیں یا سالک ؟ ان صوفی صاحب نے کہا ’’ مسلمانوں میں اب کامل کہاں ؟ ایک ہندو گوشائیں تشریف لائے ہیں‘‘۔ واہ رے کمال ! جو کفر اور شرک کے ساتھ ہے ۔اصل میں ملائکہ کے اُستاد بھائی موحدوں نے پیغمبر سے ، بزرگوں سے بے ربط کردیا اور لازماً کفار کا غلام بنا دیا اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ؛ اللہ سے ربط پیدا نہ ہوا ، بزرگوں سے بے تعلق ہوگئے ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ ؛ ایک کو روئیں دو کو روئیں اونٹ رے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی ؟

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾

وَاِذَا ؛ اور جب ۔ قِیْلَ لَھُمْ ؛ ان سے کہا جاتا ہے ۔ اٰمِنُوْا ؛ ایمان لاؤ ۔ کَمَا ۔ جیسا اٰمَنَ النَّاسُ ؛ لوگ ایمان لائے ہیں ۔ قَالُوْا ؛ تو وہ کہتے ہیں ۔ اَنُؤْمِنُ ۔ کیا ہم ایمان لائیں ۔ کَمَا ؛ جیسا کہ ۔ اٰمَنَ ؛ ایمان لائے ۔ اَلسُّفَھَآءُ ؛ جمع سَفِیْہٌ

سبک سر، بیوقوف، نادان سَفَہَ کے معنے ہلکے پن کے ہیں۔ اَلَا۔ ہاں! اِنَّھُمْ ھُمُ السُّفَھَآءُ بے شک وہی بیوقوف ہیں۔ وَلٰکِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ؛ مگر ان کو اس کا علم نہیں۔

ترجمہ:- جب ان (منافقوں) سے کہا جاتا ہے تم بھی (مذہب پرست) مسلمانوں کی طرح ایمان لاؤ تو وہ کہنے لگتے ہیں" کیا ہم بیوقوفوں کی طرح ایمان لائیں؟" ہاں! بے شک خود وہی بے وقوف ہیں مگر ان کو (اپنی بیوقوفی اور نادانی کا) علم نہیں۔

قدیم منافق کہتے ہیں مسلمان بڑے بھولے ہیں، اپنے خیر وشر کو نہیں سمجھتے، دین کی حمیت، پیغمبر کی حمیت میں جان قربان کرنے تیار ہوجاتے ہیں۔ ان کو ڈپلومیسی سے کیا تعلق؟ سیاسیات سے کیا تعلق؟ ہم سیاستِ مدن کے ماہر ہیں، ہم فلسفہ سیاست سے واقف ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہماری جان و مال بھی بچے اور کامیابی بھی اس کے ساتھ رہے۔ عاقل وہی ہے جو حکمتِ عملی سے اپنا مقصد حاصل کرے۔ ہم مسلمانوں سے بھی ملتے ہیں اور منکرانِ اسلام سے بھی۔ ہم چاہتے ہیں کہ دنیا میں لڑائی بھڑائی نہ ہو، امن چین رہے۔ کافر اگر جہالت کرتے ہیں تو ہم کو جہالت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ عقلمند وہ ہے جو ایک ضرب سے دو فاختے گرائے۔ خیر! یہ تو زمانہ نبوت کے منافق تھے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اب کیا ہورہا ہے؟ ان ہی کے نظریئے ان کے سر میں ہیں، اُن ہی کے اُصول ان کے دل میں ہیں۔ پہلے اپنے آپ کو مسلمانوں کا بڑا ہمدرد ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قومی معاملات میں چندے دینے سے دریغ نہیں۔ مسجدوں میں نعرہ تکبیر لگانے میں بڑے مستعد مگر اس کے ساتھ کافروں کے ساتھ ہم نوالہ ہم پیالہ، ان کی ہاں میں ہاں ملانے اور ان کے پاس جھوٹی عزت حاصل کرنے میں بڑے شوق مند۔ مسلم اور منکرِ اسلام کا معاملہ پڑے تو بڑے رواداریعنی مسلمانوں کو کٹوانے اور غیر مسلموں کی تائید کرنے میں بڑے مستعد۔ واہ ری رواداری! مسلم غیر مسلم کے تقرر یا گتہ دینے کا مسئلہ آتا ہے تو غیر مسلموں کو ترجیح دی جاتی ہے۔ مسلمانوں سے کام لینے کا حوصلہ نہیں مگر ان کو نااہل ثابت کرنے کے لئے بڑے تیز زبان۔ ساری زبان آوری اور فصاحت، تمام آریٹری مسلمانوں کی ہجو میں صرف ہوتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی ہمدردی میں کہا گیا۔ مسلمانوں کی جان و مال کو کھوٹے داموں منکرانِ اسلام کے ہاتھوں بیچ ڈالا جاتا ہے۔ وَشَرَوْہُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاھِمَ مَعْدُوْدَۃٍ۔ برادرانِ یوسفؑ نے یوسفؑ کو چند کھوٹے داموں پر بیچ ڈالا یہ انہیں کی اتباع کرتے ہیں۔ یہ خود کو بڑا عقلمند سمجھتے ہیں مگر ہیں یہ بدنصیب، سخت بیوقوف، نہایت نادان، بالکل جاہل۔ قوم سے اس کے ارکان کی عزت ہے۔ جب قوم ہی نہیں تو افراد کدھر؟ اللہ مسلمانوں کو عقلِ صحیح، قلبِ صمیم، فہمِ مستقیم عطا کرے۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِھِمْ ۙ

قَالُوْٓا اِنَّا مَعَکُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَھْزِءُوْنَ ۝

وَاِذَا ؛ اور جب ۔ لَقُوْا ؛ ملاقات کرتے ہیں ۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؛ ان لوگوں سے جو ایمان لائے ۔ قَالُوْا ؛ تو کہتے ہیں ۔ اٰمَنَّا ؛ ہم ایمان لائے ۔ وَاِذَا ؛ اور جب ۔ خَلَوْا ۔ خالی ہوئے ، خلوت میں ملے ، تنہائی میں ملے ۔ اِلٰی ؛ طرف ، تک شَیٰطِیْنَ ؛ جمع شیطان ۔ سردارانِ کفار ۔ اِلٰی شَیٰطِیْنِھِمْ ؛ اپنے شیطانوں کی طرف ۔ قَالُوْا ؛ کہتے ہیں ۔ اِنَّا ؛ بے شک ہم مَعَکُمْ ؛ تمہارے ساتھ ۔ اِنَّمَا ؛ بے شک ، صرف ۔ نَحْنُ ۔ ہم ۔ مُسْتَھْزِءُوْنَ ؛ ہنسی کرتے ہیں ، مذاق کرتے ہیں ، ٹھٹا کرتے ہیں ، بناتے ہیں ۔

ترجمہ :- اور جب ایمان داروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو پکّے ایمان دار ہیں اور جب کٹے کافروں کے سرداروں سے تنہائی میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں ۔ ہم تو (مسلمانوں کو بناتے ہیں ۔ ان کا) مذاق اُڑاتے ہیں ۔

اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ وَیَمُدُّھُمْ فِیْ طُغْیَانِھِمْ یَعْمَھُوْنَ

اَللّٰہُ ۔ اللہ ۔ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ ؛ ان کے ہنسی اُڑانے کی سزا دیتا ہے ۔ وَیَمُدُّھُمْ ؛ اور ان کو مدد دیتا ہے ، بڑھاتا ہے ۔ فِیْ ؛ میں ۔ طُغْیَانِ ۔ سرکشی ، بدراہی ۔ فِیْ طُغْیَانِھِمْ ؛ ان کی سرکشی میں ۔ یَعْمَھُوْنَ ؛ اندھوں کی طرح چلتے ہیں ، بے راہی اختیار کرتے ہیں ۔

ترجمہ :- خدا ان کے اس مذاق اُڑانے کی سزا دے گا اور ان کو ان کی سرکشیوں میں اور بڑھائے گا کہ ان کو صحیح راستہ نہ ملے ۔

عربی زبان میں ایک معنی کو جس کے لئے الفاظ وضع نہیں ہوئے ان الفاظ سے ادا کرنا جو قریب واقع ہوتے ہیں مشاکلہ کہتے ہیں جیسے وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِثْلُھَا ؛ برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی یعنی برائی کی سزا ۔ ایک صاحب کو کپڑوں کی ضرورت تھی ۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ کے لئے کیا پکائیں ؟ انھوں نے کہا جُبہ اور قمیص پکایئے ۔

قَالُوْا اقْتَرِحْ شَیْئًا نَجِدْلَکَ طَبْخَہٗ ÷ قُلْتُ اطْبُخُوْالِیْ جُبَّۃً وَّ قَمِیْصًا

''لوگوں نے کہا آپ فرمائش کیجئے کہ آپ کے لئے اچھے کھانے پکائیں ، میں نے کہا میرے لئے جُبہ اور قمیص پکایئے'' ۔ یہ بھی اسی مشاکلہ پر مبنی ہے ۔ وَمَکَرُوْا وَمَکَرَاللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ ؛ یعنی لفظی معنی یہ ہیں کہ انھوں نے مکر کیا خدا نے ان سے مکر کیا اور خدا سب سے زیادہ مکر کرنے والا ہے ۔ یعنی مکر کی سزا دینے والا ہے ۔ ایسے آیاتِ متشابہات میں نتیجہ مراد ہوتا ہے ۔ بدمعاشی کے نتیجہ میں خدا کا سزا دینا مراد ہوتا ہے ۔ اسی طرح وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ ؛ خدا نے ان پر غصہ کیا یعنی ان کو سزا دی ، ان پر عذاب نازل کیا ۔ بعض نادان علم و ادب سے ناواقف ، عربی لٹریچر سے نابلد ، قرآن پر اور خدا پر اعتراض کرتے ہیں حالانکہ وہ خود اپنے جاہل ہونے کی اپنے منھ سے شہادت دیتے ہیں ۔

آؤ! ذرا اس زمانہ کے منافقوں کی کارروائیوں پرغور کریں ۔ وہ کیا کرتے ہیں ؟ غیر مذہب والوں سے ملتے ہیں ، ان سے کہتے ہیں کہ ہم تو آپ کے دوست ہیں ، آپ کے جاں نثار اور وفادار ہیں ۔ یہ نادان مسلمان دنیا کے نشیب وفراز سے واقف نہیں ۔ وہ سرکار سے (آپ لوگوں سے) مخالفت کرتے ہیں ۔ ہم ان کو رفتہ رفتہ اپنے رنگ پر لائیں گے ۔ مدارس میں سے دینی تعلیم تو نکال لی گئی ہے اور جہاں باقی ہے ہم کوشش کررہے ہیں کہ اس کو بھی نکال دیا جائے عربی کو ہم مٹا رہے ہیں ، ہم تحریک کر رہے ہیں کہ بجائے عربی خطبوں کے اُردو میں تقریر کی جائے جو ہماری ضرورتوں کو ظاہر کرے ۔ قرآنِ شریف کے بھی ترجمے کئے گئے ہیں ۔ اب قرآن سے غرض نہیں ، ہم ہمارے من مانے ترجموں اور تفسیروں کے سوا کچھ نہیں جانتے ۔ اُردو زبان میں جس قدر عربی الفاظ آتے ہیں ان کو خارج کر رہے ہیں ، محمد مصطفےٰ ﷺ سے پھر رہے ہیں اور بہت سے لوگ مصنوعی پیغمبر بن رہے ہیں ۔ ہم اپنے بعض پیشواؤں کو اتنا بڑھا رہے ہیں کہ گویا وہ بھی پیغمبر تھے اور ہم تیار ہیں کہ چند روز کے بعد ان کی پیغمبری ثابت کرکے رہیں گے ۔

بعض لوگ کرشن جی ، گوتم بدھ کے پیغمبر ہونے کے لئے احادیث وضع کر رہے ہیں اور بعض قدیم پیغمبروں کے ناموں کو ہندوستان کے اوتاروں پر جما رہے ہیں ۔ یہ سب کچھ تو اپنے مذہب سے تنزل کر رہے ہیں مگر ان کے مخالف کفار روز بروز اپنے مذہب کی خوبیاں ظاہر کر رہے ہیں ، اپنی زبان ، اپنے تمدّن ، اپنے لباس کو پھیلا رہے ہیں اور یہ منافق ان سب کارروائیوں سے بڑے خوش ہیں کہ اب نہ پیغمبر عرب کی ضرورت ہے نہ عربی کی ۔ خدائے تعالیٰ ان بے راہوں کی بے راہی کو اور بڑھاتا ہے اور ان کو کچھ بھی صحیح راستہ دکھائی نہیں دیتا ۔ ان منافقوں کے ظاہری حال کو دیکھیں گے کہ نہایت متقیوں کا لباس پہنے ہوئے ، بات بات میں شرک وکفر سے ڈرانا ، بدعت بدعت ان کے وردِ زبان ہے ۔ یہ لوگ قرآنِ شریف پڑھتے ہیں مگر قرآنِ شریف ان کے حلق کے نیچے نہیں اُترتا ۔ کھلے کافروں سے اس قدر نقصان نہیں ہوتا جتنا ان خانہ خرابوں کی وجہ سے ہوتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ دوزخ کے ساتویں طبقہ میں ان کا مقام مقرر کیا گیا ہے ۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿١٦﴾

أُولَٰئِكَ ؛ وہ لوگ ۔ اَلَّذِيْنَ ؛ جو ، جنھوں نے ۔ اِشْتَرَوْا ؛ خریدا ۔ اِشْتِرَاءٌ مصدر ۔ شَرٰى ؛ مادّہ ۔ ضَلَالَةٌ ؛ گمراہی بِ ۔ بعوض ۔ هُدٰى ؛ ہدایت ۔ فَ ، پس ۔ مَارَبِحَتْ ؛ نہیں فائدہ دیا ۔ رِبْحٌ ؛ فائدہ ۔ تِجَارَتٌ ؛ بیوپار ، لین دین ۔ وَمَا كَانُوْا ؛ اور نہ تھے ۔ مُهْتَدِيْنَ ؛ ہدایت پانے والے ، راہ یاب ، سیدھا راستہ چلنے والے ۔

ترجمہ :- یہی لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے عوض گمراہی خریدلی ۔ ان کی اس تجارت نے ان کو کوئی فائدہ نہ دیا اور ان کو (اچھا کام کرنے کی طرف) راستہ نہ ملا ۔

غور کرو کہ دنیا چند روزہ ہے ، ایک مسافر خانہ ہے ، چلتا سایہ ہے ، ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ۔ جو لوگ چند روز بیماری میں

پرہیز نہیں کرتے ، حکیم اور ڈاکٹر کا کہا نہیں مانتے ۔ ظاہر ہے کہ وہ دَرد اور دُکھ میں رہیں گے ۔ اسی طرح جو خدا کو نہ مانیں ، پیغمبر کے احکام کی تعمیل نہ کریں ، ابدی تباہی میں مبتلا ہوں گے ۔ دنیا بھی ہاتھ سے جائے گی اور آخرت بھی ۔

گزشتہ تمام اقوام کے حالات پر نظر ڈالو ، قدیم تاریخ کے صفحات اُلٹو ، تم دیکھو گے کہ نیکوں کا انجام نیک ہوا اور بدوں کا بد ۔ نمرود اور ابراہیمؑ و فرعون اور موسٰیؑ کے واقعاتِ زندگی کا مطالعہ کرو ۔ نمرود اور فرعون ناکامی کے دریا میں ڈوب گئے اور ابراہیمؑ و موسٰیؑ کو اللہ نے حیاتِ جاوید بخشی ۔ نمرود اور فرعون کا نام کس طرح لیا جاتا ہے اور خدا کے پیغمبر ابراہیمؑ اور موسٰیؑ کا نام کس عزت سے ؟ جو جنت کے عوض دوزخ خریدے اس سے بڑھ کر کون نقصان میں ہے ؟ جو رضائے الٰہی کے عوض غضبِ الٰہی لے اس سے زیادہ کون خسران اور نقصان میں ہے ؟ اللہ ہم سب کو راہِ ہدایت پر چلنے کی توفیق عطا کرے ۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ ٱلَّذِى ٱسْتَوْقَدَ نَارًا ۖ

فَلَمَّآ أَضَآءَتْ مَا حَوْلَهُۥ ذَهَبَ ٱللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِى ظُلُمَٰتٍ لَّا يُبْصِرُونَ ﴿١٧﴾

مَثَلُهُمْ ؛ ان کی مثال ۔ كَمَثَلِ الَّذِىْ ؛ اس شخص کی سی ہے ۔ جس نے ۔ اِسْتَوْقَدَ ۔ روشن کیا ، سلگایا ۔ اِسْتِيْقَادٌ ۔ مصدر ۔ باب اِسْتِفْعَالٌ ۔ وَقْدٌ مادّہ ۔ نَارًا ؛ آگ ۔ نِيْرَانٌ جمع ۔ فَ ؛ پس ۔ لَمَّا ؛ جب ۔ اَضَآءَتْ ؛ روشن ہوا ، روشن کیا ۔ مَا ؛ جو ۔ حَوْلَهٗ ؛ اس کے اطراف ، گرد ۔ ذَهَبَ ؛ گیا ۔ ذَهَبَ بِهٖ ؛ لے گیا ۔ اَذْهَبَ ؛ دور کیا ۔ یہ دونوں صورتیں متعدی کی ہیں مگر ذَهَبَ بِهٖ میں خود کا ساتھ رہنا ضرور ہے ۔ نُوْرٌ ؛ روشنی ۔ نُوْرٌ اور نَارٌ کا مادّہ ایک ہے مگر نور لطیف تر ہے اس مادہ میں نکلنے اور پھیلنے کے معنٰی رہتے ہیں ۔ وَ ۔ اور ۔ تَرَكَهُمْ ؛ کر چھوڑا ان کو ۔ فِىْ ؛ میں ۔ ظُلُمٰتٍ ؛ جمع ظُلْمَةٌ ؛ تاریکیاں ۔ ظلم کے مادّہ میں روکنے کے معنی ہیں ۔ ظلمت بھی آدمی کو چلنے پھرنے سے روکتی ہے اور ظالم بھی مستحق کو اس کے حق سے روکتا ہے ۔ لَا يُبْصِرُوْنَ ؛ نہیں دیکھتے ۔

ترجمہ :- ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی جب اس آگ نے اس کے ماحول کو روشن کردیا ، (یا اس آگ سے ماحول روشن ہوگیا) تو خدا نے ان کے نور کو غیب کردیا اور ان کو تاریکیوں میں یوں چھوڑ دیا کہ نہ اب ان کو کچھ دکھائی دیتا ہے (اور نہ سجھائی دیتا ۔)

اس آیت میں منافقوں کی روش و حالت کی مثال بیان کی گئی ہے کہ وہ ایمان تو لاتے ہیں اور نورِ ایمان بھی پیدا ہوجاتا ہے ۔ جب ان کا ماحول روشن ہوجاتا ہے اور وہ اس قابل ہوتے ہیں کہ کچھ کام کرسکیں ، اپنی حالت بدل سکیں ، ایمان سے مستفید ہوسکیں تو کفار سے ڈر کر ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں ۔ تھوڑا بہت ایمان جو تھا وہ بھی چلا جاتا ہے ۔ خدا ان کے دلوں کو ، ان کی عقلوں کو ، ان کے کرتوت کی وجہ سے پھر تاریک کردیتا ہے اور اب ان کو کچھ سجھائی نہیں دیتا کہ کیا کریں ۔

یہ لوگ وہم کے بندے، شکوک کے غلام بن جاتے ہیں ۔ ایمان داروں کا اطمینانِ قلب ان کو نصیب نہیں ۔ ان کی جان رات دن دغدغہ میں ہے ۔

واضح ہو کہ مفرد سے مفرد کو تشبیہ دی جاتی ہے اور ایک جملہ میں متعدد چیزوں کو متعدد چیزوں سے بھی تشبیہ دی جاتی ہے ۔ نیز چند چیزوں کے مجموعے سے ایک اجتماعی حالت پیدا ہوتی ہے اور اس کو ایک اجتماعی حالت سے تشبیہ دی جاتی ہے ۔ یہاں منافقوں کی اجتماعی حالت کو اس آگ روشن کرنے والے کی اجتماعی حالت سے تشبیہ دی گئی ہے ۔

ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ میں بہ نسبت اَذْهَبَ اللّٰهُ نُوْرَهُمْ کے زیادہ بلاغت ہے، جس چیز کو خدا لے جائے اس کو کون لوٹا لائے ؟

واضح ہو کہ جو چیز غیر معمولی ہو، انسانوں کی قوتوں سے باہر سمجھی جاتی ہو اور جب کوئی کرنے والا نظر نہیں آتا تو علت و معلول کی آخری کڑی یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کردی جاتی ہے ۔ یہ ہمیشہ یاد رکھو کہ جو الفاظ انسانوں کے لئے مستعمل ہوتے ہیں اور ماسوا اللہ کی طرف منتسب ہوتے ہیں ان کی نسبت خدائے تعالیٰ کی طرف باعتبار انجام کے ہے ۔ مثلاً غضب کی ابتدائی حالت ، خونِ دل کا جوش کرنا ، چہرہ کا خشک ہوجانا اور بغرضِ انتقام آگے بڑھنا اور ہاتھ اُٹھانا ہے ، جس کا انجام انتقام ہے پس غَضِبَ اللّٰهُ کے معنی ہیں : خدا ان کے اعمالِ بد کی ان کو سزا دیتا ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ غضب کی ابتدائی حالت خون دل کے جوش کرنے وغیرہ سے پاک ہے ۔

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾

صُمٌّ ۔ جمعِ اَصَمُّ ؛ بہرہ ۔ صَمَمٌ ؛ اس کا مادہ ہے ۔ جس کے معنی ٹھوس ہونے کے ہیں ۔ بھرواں بانس کو بھی اَصَمُّ کہتے ہیں ۔ لہذا اَصَمُّ کے معنی ہیں جس کے کانوں میں ڈھکنے پڑ گئے ہوں ، جو حق بات سن نہیں سکتا ۔ بُكْمٌ ؛ جمع اَبْكَمُ ۔ گونگا ، جس کے منہ سے حق بات نہ نکلے ۔ عُمْيٌ ؛ جمع اَعْمٰی ؛ اندھا ، نابینا ۔ عَمَاءٌ ؛ اندھیری ، ابر ۔ اَعْمٰی کی جمع عُمْیَانٌ بھی آتی ہے ۔ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ؛ پس وہ راہِ راست کی طرف رجوع نہیں کرتے ۔

ترجمہ :- وہ بہرے ہیں ، گونگے ہیں ، اندھے ہیں ۔ پس وہ (حق کی طرف) رجوع نہیں کرتے ۔

موجودہ زمانہ کی حالت کچھ ایسی ہوگئی ہے کہ دنیا کے تمام انقلابات دیکھتے ہیں ، ان کے اسباب و علل سامنے ہیں مگر ان کو کچھ سجھائی نہیں دیتا ۔ لاکھ نصیحت کی جائے وہ کبھی نہ مانیں گے ۔ گویا کہ انھوں نے سنا ہی نہیں ۔ حق گوئی کا وقت آتا ہے تو اپنے ذاتی اغراض یا بزدلی کی وجہ سے کبھی حق کا ایک لفظ منہ سے نہ نکلے گا ۔ ظالموں کے ظلم کی توجیہ کرنے میں بڑے ہوشیار ۔ اصل میں ان لوگوں کو آخرت کا پورا یقین نہیں ، خدا پر برابر ایمان نہیں ، پیغمبر کی تعلیم پر اعتماد نہیں ۔ وہ سمجھتے ہیں بس جو کچھ ہے دنیا ہے ۔ جائز ناجائز جس طور سے ہو کھاؤ پیو مزے اُڑاؤ عیش و عشرت میں بسر کرو ۔ ہفتہ کی فکر بچوں کے جمعہ کی خوشی بھی برباد کردیتی ہے ۔ ان خودغرضوں ، ہول دلوں سے کسی قسم کی اُمید نہیں کی جاسکتی ۔ خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے ۔

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ

يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝۱۹

اَوْ ؛ یا ۔ اصل میں یہ لفظ شک کے لئے وضع کیا گیا ہے مگر دو چیزوں کی برابری کے لئے بھی آتا ہے ۔ كَ ۔ مانند، مثل صَيِّبٍ ؛ صَابَ يَصُوْبُ ۔ کے معنے ہیں ۔ نَزَلَ يَنْزِلُ صَيِّبٌ کے معنے ہیں اُترنے والی چیز یعنی بارش یا بادل مگر یہاں بارش مراد ہے ۔ مِنْ ۔ سے ۔ اَلسَّمَآءِ یہ سُمُوٌّ بمعنے عُلُوٌّ سے مشتق ہے ۔ چھت ، ابر ، آسمان ۔ یہاں سَمَا سے ابر مراد ہے ۔ فِيْهِ اس میں ۔ ظُلُمَاتٌ ؛ تاریکیاں ، اندھیریاں ۔ وَ رَعْدٌ ؛ اور گرج ، تھرتھری ، کپکپی ۔ جاڑا ۔ وَ ۔ اور ۔ بَرْقٌ ؛ چمک ، بجلی ۔ يَجْعَلُوْنَ ؛ کرتے ہیں ، رکھتے ہیں ۔ اَصَابِعَ جمعِ اِصْبَعٌ ؛ اُنگلی ۔ اَصَابِعَهُمْ ؛ اپنی انگلیوں کو ۔ فِيْٓ ۔ میں ، بیچ ۔ اٰذَانٌ جمع اُذُنٌ ؛ کان ۔ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ ؛ اپنے کانوں میں ۔ مِنْ ۔ سے صَوَاعِقُ جمع صَاعِقَةٌ ؛ کڑاکے کے ساتھ گرنے والی بجلی ۔ بجلی جب تک چمکتی ہے برق ہے ، گرنے کے بعد وہ صاعقہ کہلاتی ہے ۔ حَذَرٌ ۔ خوف ، ڈر ۔ حَذَرَ الْمَوْتِ ؛ موت کے ڈر سے ۔ وَاللّٰهُ ؛ اور اللہ ۔ مُحِيْطٌ ؛ احاطہ کئے ہوئے ، گھیرے ہوئے ۔ اَحَاطَ بِهٖ ۔ اس کا احاطہ کیا ۔ بِ ۔ سے ، ساتھ ۔ كٰفِرِيْنَ ۔ منکرین ، حق پوش ۔

ترجمہ :- یا ان کی مثال بارش کی سی ہے جو آسمان سے آرہی ہے اس میں اندھیریاں بھی ہیں کڑک بھی ہے اور چمک بھی ۔ بجلی کی گرج سُن کر وہ اپنے کانوں میں انگلیاں دھر لیتے ہیں موت کے ڈر سے اور اللہ ان منکروں کو ہر طرح سے محیط ہے ۔

اس آیتِ شریف میں ان منافقوں کی ایک دوسری مثال بیان کی جارہی ہے یہ اسلام کو دیکھتے ہیں تو بعض چیزیں ان کی سمجھ میں نہیں آتیں ۔ کچھ مسلمانوں سے اور اسلام کی قوت سے ڈر جاتے ہیں اور کانپ اُٹھتے ہیں ۔ بعض چیزیں سمجھ میں بھی آجاتی ہیں ۔ اسلام کے کڑاکوں سے ڈر کر کانوں میں انگلیاں رکھ لیتے ہیں ۔ یعنی بالکل حیران و پریشان ہوجاتے ہیں کہ کہیں یہ آفت ، یہ بجلی ، یہ صاعقہ ان پر نہ آپڑے اور وہ موت کا نوالہ نہ بن جائیں ۔ مگر یہ بھاگ کر کہاں جائیں گے ، کتنی دور جائیں گے ؟ خدا تو تمام منکروں کو گھیرے ہوئے ہے ، محیط ہے ۔ دیکھو ! اس آیت میں خدائے تعالیٰ نے منافقوں کو بھی کافروں میں شامل کیا ہے کیونکہ ان کے متعلق فرماتا ہے :- وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ۔

اس وقت بھی منافقوں کی یہی حالت ہے کہ اسلام کی بعض باتیں ان کی سمجھ میں آتی ہیں تو مان لیتے ہیں اور بعض باتیں جو سمجھ میں نہیں آتیں ان سے انکار کر بیٹھتے ہیں ۔ قرآن کے اثر سے ان کو کچھ اُمید بھی ہوتی ہے ، کچھ خوف بھی ۔ کافروں سے ڈرتے ہیں اور پھر نظامِ اسلام کی خوبی کی وجہ سے ان کو کچھ دنیاوی کامیابی کی اُمید بھی ہوجاتی ہے ۔ اس واسطے وہ مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ میں ہیں نہ پورے مسلمان ہیں نہ کٹے کافر ۔ اصل میں منافق لوگ بزدل ہیں ، جان و مال کو ڈرتے ہیں ۔

منافقوں کی ایک اور مثال

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ
وَ اِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ۲ ۱۳ ع ۲

يَكَادُ ۔قریب ہے ۔ اَلْبَرْقُ ؛ بجلی ۔ يَخْطَفُ ؛ باب سَمِعَ ؛ اُچک لیتا ہے ۔ اَبْصَارَهُمْ ؛ ان کی بصارتوں کو، آنکھوں کے نور کو بَصَرْ یا بَصَارَتْ کہتے ہیں اور دل کے نور یا سمجھ کو بصیرت ۔ كُلَّمَا ؛ جس جس وقت، جب جب ۔ اَضَآءَ لَهُمْ ؛ ان کے لئے روشن ہوتی ہے ۔ مَشَوْا ؛ چلے چلتے ہیں ۔ فِيْهِ ؛ اس میں یعنی اس کی روشنی میں ۔ كُلَّمَا ؛ حرف شرط ہے ۔حرف شرط کے ساتھ ماضی بھی مضارع کے معنے میں ہوجاتا ہے اور ماضی کی صورت اس لئے اختیار کی جاتی ہے گویا کہ ہوچکا ۔ وَاِذَا ؛ اور جب ۔ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ ؛ ان پر ظلمت چھا جاتی ہے ، اندھیرا ہوجاتا ہے ۔ قَامُوْا ؛ ٹھیر جاتے ہیں ، ٹھٹک کر رُک جاتے ہیں ۔ وَلَوْ ؛ اور اگر ۔ اِذَا ؛ اگر، جب ۔ یہ دونوں حروف شرط ہیں مگر اِذَا مستقبل کے لئے آتا ہے ۔ اِنْ بھی حرف شرط ہے مگر اکثر شک کی صورت میں آتا ہے ۔ اِنْ یا اِذَا کے ساتھ ماضی بھی آئے تو مستقبل کے معنے رہتے ہیں ۔ ماضی کی صورت قطعی ہونے پر دلالت کرتی ہے گویا کہ شرط پائی گئی اور اس کے ساتھ جزا بھی پائی گئی ۔ لَوْ ماضی کے لئے آتا ہے اس کی چار صورتیں ہیں:-

(۱) اگر پہلی چیز پائی جاتی تو دوسری بھی چیز پائی جاتی مگر پہلی چیز نہیں پائی گئی اس لئے دوسری بھی نہیں پائی گئی جیسے ۔ وَلَوْ طَارَ ذُوْ حَافِرٍ قَبْلَهَا لَطَارَتْ وَلٰكِنَّهٗ لَمْ يَطِرْ ؛ گھوڑے اُڑتے تو میرا بھی گھوڑا اُڑتا مگر گھوڑے اُڑ نہیں سکتے اس لئے میرا بھی گھوڑا نہیں اُڑا ۔

(۲) پہلی صورت یعنی شرط پائی جاتی تو جزا بھی پائی جاتی مگر جزا نہیں پائی گئی اس سے معلوم ہوا کہ شرط بھی نہیں پائی گئی ۔ جیسے لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا اگر کئی خُدا ہوتے تو آسمان زمین تباہ ہوتے مگر آسمان زمین تو تباہ نہیں ہوئے اس سے معلوم ہوا کہ کئی خدا نہیں ہیں ۔

(۳) جزا کا پایا جانا دائمی اور لازمی ہے اگر مخالف ترین صورت بھی پائی جاتی تو جزا پائی جاتی لہذا موافق صورت میں بطریق اولیٰ پائی جائے گی جیسے نِعْمَ الْعَبْدُ صُهَيْبٌ لَوْلَمْ يَخَفِ اللّٰهَ لَمْ يَعْصِهٖ صہیب کیا اچھا بندہ ہے جس کو خوف خدا نہ بھی ہوتا تو بھی خدا کی نافرمانی نہ کرتا ، تو خوف کی صورت میں بطریق اولیٰ خدا کی نافرمانی نہ کرے گا ۔

(۴) وَصلیہ ۔بمعنی اگرچہ ۔ اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنِ علم طلب کرو اگرچہ چین میں ہو ۔ وَلَوْشَاءَ ؛ اگر خدا چاہتا ۔ (شَاءَ چاہا، چاہتا مثل خَافَ ۔ مَشِيَّةٌ مصدر، چاہنا ، ارادہ کرنا) تو سب کی ہدایت ہوتی مگر خدا نے نہ چاہا ۔ اس لئے سب کی ہدایت نہ ہوئی ۔ خدا نے سب کی ہدایت کیوں نہ چاہی ؟ خدا حکیم ہے ، علیم ہے ، ہر چیز کو اس کی استعداد کے موافق ، اس کی فطرت اور عینِ ثابتہ کے اقتضاء کے موافق ، اس کی حقیقتِ حال کے مناسب عطا فرماتا ہے ۔

یہ بات یاد رکھو کہ نادان کی عقل قول وفعل کے بعد ہوتی ہے اور عقلمند کا دل اور عقل پہلے ہوتی ہے ۔ نادان کام کرکے سمجھتا ہے کہ میں نے یہ کیا ۔ عاقل پہلے سوچتا پھر کہتا ہے یا کرتا ہے ۔ غرض کہ عاقل کی قدرت علم ومعرفت کے تابع رہتی ہے اور نادان کی قدرت آزاد ۔ لہذا خدائے تعالیٰ وہی کرتا ہے جو مناسب ہے اور جو اس کی حکمت کا تقاضا ہے ۔ قدرت کا علم کے تابع ہونا قدرت کے نہ ہونے اور عاجزی پر دلالت نہیں کرتا ۔ عاجز وہ شخص سمجھا جائے گا جو ممکن چیز کو پیدا نہ کرسکے ۔ محالات سے قدرت متعلق نہیں ہوسکتی ۔ مثلِ خدا محال ہے ۔ لہذا وہ تحتِ قدرتِ الٰہی نہیں ۔ خدائے تعالیٰ اس قدر کامل ہے کہ اپنے میں نقص نہیں پیدا کرسکتا ، کیوں کہ نقص محال ہے ۔ تم خودکشی کرسکتے ہو خدا خودکشی نہیں کرسکتا کیوں کہ خدا کا عدم محال ہے ۔ تم اپنے میں عیوب پیدا کرسکتے ہو ، جھوٹ بول سکتے ہو ۔ خدائے تعالیٰ ان سب عیوب سے پاک ہے ۔ کیونکہ خدا میں عیوب پیدا کرنا محال ہے اور محال تحتِ قدرت نہیں ۔ لَ ؛ البتہ ۔ ذَهَبَ بِ ۔ لے گیا ۔ سَمْعٌ ۔ سماعت ، شنوائی ، سننا ۔ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؛ ان کی شنوائی اور بینائی کو ، ان کے سننے اور دیکھنے کی قوتوں کو لے جائے ، نیست و نابود کردے ، فنا کردے ۔ اِنَّ اللّٰهَ ؛ بے شک اللہ ۔ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ ۔ ہر شئے پر ۔ قَدِيْرٌ ۔ قادر ہے ۔ قدرت رکھتا ہے ، کرسکتا ہے ۔ شَیء تین معنی میں مستعمل ہے ۔

(۱) وہ شئے جس کے متعلق ہم کچھ کہہ سکتے ہیں خواہ ممکن ہو ، واجب ہو ، محال ہو ۔

(۲) شئے موجود جیسے اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ؛ اللہ ہر چیز کو جانتا ہے خواہ خود کی ذات ہو یا ممکن کی ۔

(۳) مخلوق ، ممکن ، بندہ ۔ جیسے اللہ کو ہر شئے کی قدرت ہے اور وہ ہر شئے پر قادر ہے ۔ یہاں شئے سے مراد ممکن شئے ہے ۔ کیوں کہ ذاتِ واجب اور محال تحتِ قدرت نہیں ۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔

ترجمہ :- قریب ہے کہ بجلی ان کی بصارتوں کو اُڑا لے جائے (نیست و نابود کرے) جس جس وقت اس بجلی کی روشنی ہوتی ہے وہ چلتے ہیں اور جب ان پر تاریکی آجاتی ہے تو کھڑے ہوجاتے ہیں (ٹھٹک کر رہ جاتے ہیں) خدا چاہتا تو ان کی سماعت اور بصارت کو نیست و نابود کردیتا کیوں کہ وہ ہر شئے پر قادر ہے

اس تمثیل میں خدائے تعالےٰ یہ بتلا رہا ہے کہ ان منافقوں کو قرآن کی بعض آیتیں سمجھ میں آتی ہیں تو قبول کرلیتے ہیں اور جب بعض تعلیمات سمجھ میں نہیں آتیں تو اپنی کم عقلی کی وجہ سے شک وشبہ پیدا کرتے ہیں یا انکار کر بیٹھتے ہیں ۔ افسوس ! نہ انھوں نے اپنی سماعت سے کام لیا نہ اپنی بصارت سے جو خدائے تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں تھیں ۔

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار ÷ ہر ورقے دفترے ز معرفتِ کردگار

خدائے تعالیٰ کی ربوبیت کے جلوے ہر چیز سے نمایاں ہیں اور نظامِ عالم میں تاباں ہیں ۔ ہر چیز زبانِ حال سے پکار رہی ہے کہ میں ممکن ہوں ، میرا وجود بالعرض ہے ، مخلوقِ خدا ہوں ، ہر آن ، ہر لحظہ خدا کی ذاتِ پاک کی طرف محتاج ہوں مگر کوئی دلِ بینا اور گوشِ شنوا رکھے بھی تو ! اپنی قوتوں سے کام بھی تو لے ! اگر خدائے تعالیٰ ان کی سماعت اور بصارت کو نیست و نابود کردیتا تو کیا کرتے ؟ خدا کی دی ہوئی نعمتوں اور قوتوں سے جب استفادہ نہ کیا تو ان کو بے کار کردیا ۔ جب انھوں نے

خدا کی دی ہوئی قوتوں کو اپنی بے غوری ، جہالت ، نادانی کی وجہ سے بے کار کردیا تو اگر خدا سرے سے ان قوتوں کو ہی نیست و نابود کردیتا تو اس کو حق تھا۔ مگر نہیں ! وہ ارحم الراحمین ہے ۔ وہ موقع کے بعد موقع عطا کر رہا ہے کہ کل نہ سنبھلے تو آج سنبھلو اور آج نہ سنبھل سکے تو کل سنبھلو۔

سب سے پہلے خدائے تعالیٰ نے قرآن شریف کے کتاب کہلانے کے قابل ہونے کو بیان فرمایا ۔ پھر اس سے فائدہ اُٹھانے والے یعنی متقیوں کا ذکر کیا ، پھر سخت منکروں کا ذکر فرمایا ، پھر منافقین کا ذکر کیا جو بظاہر ایمان لاتے تھے مگر ان کے دلوں میں شک وشبہ رہتا تھا یا کافروں سے اپنے اغراض دنیوی کے لئے سازش کر لیتے تھے ۔ جب یہ سب ہو چکا تو فرماتا ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ﴿۲۱﴾

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ؛ اے لوگو ! الف لام والے لفظ کو جب منادیٰ بنایا جاتا ہے اور یآ حرفِ ندا لایا جاتا ہے تو بیچ میں اَیُّھَا یا ھٰذَا لاتے ہیں ۔ مگر لفظ اللہ پر بغیر ھٰذَا اور اَیُّھَا کے یآ حرفِ ندا آتا ہے ۔ قرآن شریف میں اکثر یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ کے مخاطب مکی لوگ ہیں ۔ اور یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ کے مخاطب مدنی لوگ ۔

اُعْبُدُوْا ؛ بندگی اختیار کرو ، عبادت کرو ۔ عبادت انتہائی عاجزی کا نام ہے ۔ طَرِیْقٌ مُعَبَّدٌ ؛ پامال راستہ جس کو لوگ بکثرت کھندلتے ہوں ، اس پر چلتے ہوں ۔ خدائے تعالیٰ کو موجود بالذات سمجھنا اور ماسوا اللہ کو موجود بالعرض سمجھنا ، خدائے تعالیٰ کو واجب الطاعت اور دوسرے صفاتِ کمالیہ سے موصوف سمجھنا عبادت ہے ۔ عبادت دل کی بھی ہوتی ہے جو عقیدہ کہلاتی ہے ۔ اور اعضا وغیرہ کی بھی ، جیسے نماز ، روزہ ۔ ان دونوں میں دلی عبادت یعنی عقیدہ اصل ہے ۔ بغیر علمِ صحیح وعقیدہ صحیحہ کے نماز روزہ سب کچھ اکارت ہے ۔ بدعقیدہ باغی ہے اور بداعمال ، مجرم ۔

رَبٌّ ؛ پروردگار ، پالنے والا ، پالنہار بابِ نَصَرَ ۔ رَبَّكُمْ ؛ تمہارے پروردگار کو ۔ اَلَّذِیْ ۔ جو ۔ خَلَقَ ؛ یہ دو معنی میں آتا ہے (۱) نیست سے ہست کرنا ، لَیس سے اَیس کرنا کتمِ عدم سے منصۂ وجود پر لانا (۲) اندازہ کرنا ۔ جیسے خَلَقَ النَّعْلَ ؛ جوتی کا پیمانہ لیا ، اس کا اندازہ کیا ۔ جیسے فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ؛ اللہ کیا برکت والا ہے ، سب اندازہ کرنے والوں سے بہترین اندازہ کرنے والا ہے ۔

خَلَقَكُمْ ؛ تم کو پیدا کیا ۔ وَالَّذِیْنَ ؛ اور ان لوگوں کو ۔ مِنْ قَبْلِكُمْ ؛ جو تم سے پہلے تھے ۔ لَعَلَّكُمْ ؛ شاید کہ تم ، تاکہ تم تَتَّقُوْنَ ؛ تقویٰ اختیار کرو ۔ تقویٰ اصل میں وَقْوٰی تھا وَقٰی یَقِیْ وِقَایَۃً سے ہے جس کے معنے ہیں حفاظت کرنا ، بچاؤ کرنا ، پرہیز کرنا ۔ اس سے باب افتعال سے اِتِّقَاءٌ ہے ۔

ترجمہ :- اے لوگو ! اپنے رب کی بندگی اختیار کرو ۔ جس نے تم کو جامہ ہستی پہنایا اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے قبل گزرے ہیں تاکہ تم متقی بنو (پرہیزگار ہوجاؤ ، اس کے احکام کی اطاعت کرو ، ممنوعات سے بچو)

دیکھو ! اس آیت میں بندوں کو شانِ ربوبیت کی طرف متوجہ کر رہا ہے کہ تم اس کی طرف امدادِ وجود میں ہر آن ،

ہر لحظہ محتاج ہو، موجود بالعرض ہو، ہمیشہ موجود بالذات کی طرف محتاج ہو۔ چاند اپنی روشنی میں آفتاب کی طرف ہر آن، ہر لحظہ محتاج رہتا ہے۔

دیکھو! کوئی کسی پر احسان کرتا ہے تو جس پر احسان کیا گیا وہ اس کا شکریہ ادا کرتا ہے، اس کی خدمت کرتا ہے۔ پندرہ روپیہ ماہوار پر سپاہی جان دیتا ہے۔ نوکر چاکر ماہوار یا ماہوار اور کھانے پر رات دن خدمت کرتے ہیں، تو کیا اس پروردگار کی بندگی ضروری نہیں جس نے تم کو پیدا کیا اور ان کو بھی پیدا کیا جو تم سے پہلے گذرے ہیں اور اس کی پرورش کا سلسلہ برابر جاری ہے؟ اگر ایک لحہ کے لئے امدادِ وجود روک دے تو دنیا نیست و نابود ہو جائے، کوئی موجود نہ رہے۔

ذرا اپنی پیدائش پر غور کرو۔ سو سال پہلے تم کب تھے؟ پیدا ہوئے ہیں تو تمہاری کس خدمت کے عوض؟ یہ سب خدا کا فضل ہے، خدا کی شانِ ربوبیت ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہوگی اگر تم ان لوگوں کو جو تم سے پہلے مخلوق ہوئے ہیں، جن کو خدا نے نیست سے ہست کیا ہے۔ جو تمہاری طرح خدا کے ہر آن، ہر لحظہ محتاج تھے ان کو معبود مانو، خدا کی طرح واجب الاطاعت سمجھو۔ ذرا سوچو! رام چندر جی کہاں ہیں؟ کرشن جی کہاں ہیں؟ گوتم بدھ کہاں ہیں؟ عزیر علیہ السلام کہاں ہیں؟ عیسٰی علیہ السلام کہاں ہیں؟ سب خدا کے بندے تھے جو جس قدر بڑا ہوگا اُس سے آثارِ بندگی زیادہ ہی نمایاں ہوں گے۔

ع آنانکہ غنی تراند محتاج تراند

لہذا کفر و شرک چھوڑو، خدا کی بندگی اختیار کرو، پرہیز گار بنو نہ کہ باغی، سرکش۔ خدا کے فرمانوں سے سرتابی کرنے والے، اس کے احکام کی تعمیل نہ کرنے والے نہ بنو۔ کس کی زبان ہے کہ خدا کے احسانات کو پورے طور سے بیان کر سکے؟

خوب سمجھو! عبدیت خدا سے بڑی نسبت ہے جو ناقابلِ زوال ہے۔ جتنا اپنی زندگی پر نظر کرو گے اپنی چیزیں کھوتے جاؤ گے۔ ذرا اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ پر غور کرو عبدیت کا مرتبہ رسالت سے بھی بڑھ کر ہے۔ رسالت زمانہ تبلیغ تک تھی، عالم دنیا میں تھی۔ یہ عبدیت ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

اَلَّذِیْ۔ جو۔ جَعَلَ۔ پیدا کیا، بنایا۔ باب فَتَحَ سے ہے۔ جَعَلَ دو (۲) معنی میں آتا ہے۔

(۱) پیدا کرنا۔ اس وقت اس کا ایک مفعول آتا ہے اور اس کو جعلِ بسیط کہتے ہیں۔ بمعنی خَلَقَ جیسے جَعَلَ زَیْدًا اَیْ خَلَقَهٗ۔

(۲) کسی چیز کو کسی چیز سے موصوف کرنا۔ جعل بمعنی صَیَّرَهٗ ہوتا ہے اس کو جعلِ مرکب کہتے ہیں اس کے دو (۲) مفعول آتے ہیں۔ جَعَلَ الْاَرْضَ فِرَاشًا میں ایک مفعول الْاَرْضَ ہے اور دوسرا فِرَاشًا۔

لَكُمْ؛ تمہارے لئے۔ ''لام'' نفع کے لئے آتا ہے اور عَلٰی ضرر کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ اللہ نے زمین کو کیوں فرش بنایا؟ ہمارے تمہارے فائدہ کے لئے۔

عبد کے لوازم معبود کے

ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہے ۔ ہم اہلِ سنت کے پاس ہر چیز فائدہ کے لئے بنائی گئی ہے اور اس کا استعمال ہمارے لئے جائز ہے سوائے اس کے کہ خدائے تعالیٰ نے اس کا استعمال خاص طور پر حرام کیا ہو ۔ شراب حرام ہے یعنی اس کا پینا ۔ شراب سے خراب زخم کو دھونا ناجائز نہیں ۔ تمام چیزیں ہمارے فائدہ کے لئے ہیں مگر اضافتاً ایک چیز کا استعمال ایک شخص یا ایک حالت کے اعتبار سے درست نہیں مثلاً میٹھا اچھی چیز ہے مگر صفراوی بیمار کے لئے نہایت مضر ہے ۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ شکر ہمارے لئے مفید نہیں ، ہمارے لئے بنائی نہیں گئی ۔ احکام عام حالات کے لحاظ سے دیئے جاتے ہیں نہ کہ شخصی اور خاص حالات کے لحاظ سے ۔ اَلْاَرْضُ ؛ زمین ، خاص حصہ زمین جس کی سطح سمندر سے اُونچی ہو ۔ اس کی جمع اَرَاضِیْ وَاَرَضُوْنَ آتی ہے ۔ خشکی بہ نسبت تری کے ایک تہائی ہے ۔ اور دو تہائی زمین پر سمندر ہے ۔

فِرَاشًا ؛ فرش ، بچھونا جس پر لیٹ سکیں ۔ نارنگی پر چیونٹی چلتی ہے اور نارنگی کی سطح اس کے لئے فرش ہے ۔ زمین کروی ہوا کرے ، ہمارے لیٹنے ، بیٹھنے کے کام ضرور آتی ہے لہذا ہمارے حق میں فرش ہے ۔

نصیحت کرنے والے سرسری مشاہدات کو دیکھ کر نصیحت کرتے ہیں تاکہ چھوٹے بڑے سب نصیحت حاصل کریں ! نصیحت کرنے اور احسانات بیان کرنے کا وقت جُدا ہوتا ہے اور حقایق و فلسفہ بیان کرنے کا وقت جُدا ، بچے کے سامنے اگر کوئی بڑا آدمی روٹی کو ''ہپّا'' کہے تو وہ ایسا کہنے میں حق بجانب ہے کیوں کہ مخاطب کی زبان میں گفتگو کی جاتی ہے اور اس کو سمجھایا جاتا ہے ۔ لِکُلِّ مَقَالٍ مَجَالٌ ہر کلام کا ایک مقام ہوتا ہے ۔

وَالسَّمَآءَ ؛ اور آسمان ۔ یہ ہم نے بیان کردیا ہے کہ سُمُوٌّ کے معنے عُلُوٌّ اور بلندی کے ہیں ۔ لہذا گھر کا چھت سماء ہے ، ابر سماء ہے ، آسمان سماء ہے ۔ یہ آسمان خواہ احاطہ کیا ہوا ایک جسمِ خاص ہو مثلاً ساری فضا میں پھیلا ہوا ایتھر ، خواہ وہ ستارے جو ہمارے سر پر نظر آتے ہیں ، سب سماء ہیں ۔

بِنَاءً ؛ ڈیرا جس میں اکثر عرب رہتے تھے یا رہتے ہیں یا تہذیب جدید میں ڈیرا لگا کر دعوتیں دی جاتی ہیں ۔ پس زمین کا فرش اور آسمان کا ڈیرا ان کی دعوت اور مہمانی کی ایک صورت ہے اس کی تعمیل آئندہ ہوگی ۔ وَاَنْزَلَ ؛ اور اتارا ۔ نَزْلٌ مادّہ نُزُوْلٌ ۔ اُترنا ۔ اِنْزَالٌ ۔ بابِ اِفعَال ، مصدر ۔ اکثر اِنْزَالٌ کا لفظ دفعتہً اُتارنے کے معنی میں آتا ہے اور تَنْزِیْلٌ کا لفظ رفتہ رفتہ اُتارنے کے معنے میں ۔

مِنَ السَّمَآءِ ؛ ابر سے ، آسمان سے ۔ مَاءً پانی ۔ اصل میں یہ لفظ مَوْہٌ ہے اس کی جمع مِیَاہٌ ہے اور اس کی تصغیر مُوَیْہٌ ہے جو اس کے اصل پر دلالت کرتے ہیں ۔ و کو الف کردیا ھ کو ہمزہ سے بدل دیا مگر یہ سب خلافِ قاعدہ ہے ۔ نحوی زبان کا تابع رہتا ہے نہ کہ زبان نحو اور قواعد کی ۔

تَمْوِیْہٌ ؛ گلٹ کرنا ، چاندی سونے وغیرہ کا پانی چڑھانا ، منافقی کرنا ، ظاہر کچھ باطن کچھ ظاہر کرنا ۔ فَ ۔ پس اَخْرَجَ ؛ نکالا ۔ اِخْرَاجٌ مصدر بابِ اِفعال ۔ نکالنا ۔ خُرُوْجٌ ؛ نکلنا ۔ بِہٖ ؛ اس (پانی اور بارش) کی وجہ سے ۔ مِنْ سے اَلثَّمَرَاتِ ؛ میوے ۔ ثَمَرَۃٌ واحد ۔ ثَمَرٌ جنس ۔ اس کی جمع اَثْمَارٌ اور ثِمَارٌ بھی آتی ہے ۔ فَاکِھَۃٌ کے معنے بھی میوے کے ہیں مگر فَاکِھَۃٌ وہ جو غذا نہ ہو ۔ غذائیت مقصود نہ ہو ۔ پس کھجور ، بادام فَوَاکِہ میں شریک نہ ہوں گے ۔ نیز ثمرے کے لئے کھانے کے قابل ہونا

ضروری ہے۔ حَنظَلْ بھی اپنے درخت کا ثمرہ ہے اچھے درخت کا ثمرہ اچھا اور برے درخت کا ثمرہ برا۔ نیک عمل کا ثمر نیک اور بدعمل کا ثمر بد۔ رِزْقًا۔ عطا، بخشش، غذا، ماکولات۔ رِزْقًا لَّكُمْ؛ تمہارا رزق۔ عربی میں لام، اضافت کا کام دیتا ہے۔ غُلَامٌ لِزَيْدٍ کے معنے ہیں غُلَامُ زَيْدٍ؛ زید کا غلام۔ فَلَا تَجْعَلُوْا۔ پس نہ بناؤ، نہ مانو، نہ سمجھو۔ لِلّٰهِ؛ اللہ کے لئے۔ اَنْدَادًا جمع نِدٌّ؛ برابر والا، جوڑ والا، پہلے کا کام دینے والا۔ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ؛ حالانکہ تم جانتے ہو، صاحبِ علم ہونے کا دعویٰ کرتے ہو، یہ سب چیزیں تم سے مخفی نہیں۔

ترجمہ:- جس نے تمہارے لئے (تمہاری ضیافت کے لئے) زمین کو فرش سا بنایا آسمان کا ڈیرا لگایا اور آسمان سے پانی برسایا اور اس (کی بارش) سے تمہارے لئے پھل نکالے (جس کو تم کھاتے ہو اور) وہ تمہارا رزق ہیں۔ پس (اتنے تمام احسانات کے بعد، آثارِ قدرت دیکھنے کے بعد، شانِ ربوبیت کے علم کے بعد سب میں آثارِ بندگی محسوس کرنے کے بعد) خدا کا شریک نہ مانو (خصوصاً) جب کہ تم کو اپنے عالم ہونے کا دعویٰ بھی ہے (اور یہ سب چیزیں تم کو محسوس ہوتی ہیں، تم سے مخفی نہیں)۔

اللہ تعالیٰ نے اُعْبُدُوْا کے ساتھ رَبَّكُمْ کا لفظ لایا ہے، جو دعویٰ مع دلیل ہے۔

دیکھو! کہا جاتا ہے، تم اپنے قدیم دوست کا لحاظ کرو، قدیم کا لفظ رعایت کرنے کی علت کے طور پر بیان کیا گیا ہے پہلے رَبَّكُمْ ہے جو تمام عالم کے نظام کی پرورش پر دلالت کرتا ہے۔ اس اجمال کے بعد تفصیل کی گئی ہے۔ تفصیل میں پہلے اَنْفُسْ سے استدلال کیا گیا ہے، پھر آفاق کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ خَلَقَكُمْ میں خود مخاطب کو اس کے ذاتی احوال پر، اس کے بعد خدا کے، اس کو نیست سے ہست کرنے پر غور کرنے کا حکم دیا ہے، پھر دوسرے لوگوں کی مخلوقیت پر متوجہ کرتا ہے کیونکہ لوگ عموماً اپنے بزرگوں کی پوجا کرتے ہیں۔ پھر آفاق کی طرف متوجہ کرتا ہے اور اپنے احسانات کو تھوڑی تفصیل سے بیان فرماتا ہے۔

ذرا اپنے آپ پر غور کرو۔ تم کیا تھے؟ نیست تھے، نابود تھے، پھر عالمِ شہادت میں آئے تو نطفہ بنے، نطفے میں مختلف صورتیں آئیں۔ خونِ بستہ بنے، مضغہ گوشت بنے، جان پڑی، پیدا ہوئے، ماں کے پیٹ میں ناف سے غذا پہنچتی تھی۔ پیدا ہوتے ہی کس نے سکھایا کہ ماں کا سینہ چوسو، ماں سے تمہاری غذا ملے گی؟ بعض لوگوں کے قول کے مطابق نطفے میں کیڑے تھے، جراثیم تھے، وہ کیڑے ایک دوسرے کو کھانے لگے، ماں کا زاید خون پینے لگے اور کافی بڑے ہوکر باہر نکلے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض دفعہ دو تین بچے بھی ہوتے ہیں اور زیادہ بھی (یہ بھی ممکن ہے کہ ماں سے بغیر باپ کے ملے ہوئے خود اس کی منی میں ایسے کیڑے یا جراثیم پیدا ہوجائیں اور بچہ بغیر باپ کے پیدا ہوجائے) اور بڑے ہوئے تو ان کی ضیافت کے لئے زمین کا فرش اور آسمان کا ڈیرا لگایا گیا، پانی برسایا گیا، زمین سیراب ہوئی۔ غلّے اور میوے نکلے جن کے بغیر انسان کی زندگی محال تھی۔ اتنے احسانات کے بعد بھی اس کو نہ ماننا افسوس ناک ہے، خطرناک ہے۔

انسان خود اپنے آپ پر غور کرے اور اپنے رب کو مانے

اسلام اور قرآن کی تعلیم میں ہمیشہ غور وفکر اور تفکر کی ہدایت کی جاتی ہے ۔ دوسرے مذاہب میں عقل وفہم سے کام نہیں لیا جاتا ، استعارات سے حقیقت کی طرف راستہ نکالنے کا حکم نہیں دیا جاتا ۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ " مکار پیشوایانِ مذاہب " کے پنجہ سے نہیں نکلتے ۔ صرف اسلام کی تعلیم میں تفکر سے کام لیا جاتا ہے اور ہر ایک آدمی غور وفکر کر کے بڑے بڑے مراتب تک پہنچ سکتا ہے ۔ یہاں نہ ذات کا جھمیلہ ہے نہ خاندان کی خصوصیت ۔ جو کرے گا پائے گا ۔ اسلام کا راز فکر وعمل میں ہے ۔ علم بغیر عمل کے وبال ہے اور عمل بغیر علم کے گمراہی وضلال ہے ۔ اسلام میں ہمیشہ تقویٰ پر زور دیا جاتا ہے کہ مضر چیزوں سے اپنے آپ کو بچاؤ ۔ خدائے تعالیٰ نے تمہارے جسم کی پرورش کے لئے تمام سامان مہیا کئے ہیں تو کیا تمہاری روح کی پرورش کے لئے سامان مہیا نہ کرے گا ۔ دیکھو ! اکثر بچوں کے پڑھنے کی بسم اللہ کی جاتی ہے ، ابتدا کی جاتی ہے ، اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم دی جاتی ہے ۔ مگر لاکھوں میں ایک تحقیقات کرنے والا اور ریسرچ کرنے والا نکلتا ہے ۔ یہ تو ظاہری علم کا حال ہے ۔ باطنی علم کی تعلیم کے لئے اللہ تعالیٰ اُسی کو منتخب کرتا ہے جس کی فطرت اعلیٰ ہو ، استعداد قوی ہو اور اس کی قوتیں کامل ہوں ایسا شخص پیغمبر ہوتا ہے ۔ خدا سے لیتا ہے اور بندوں کو دیتا ہے ۔ خدا کے قرب کو ولایت اور تبلیغ کو رسالت کہتے ہیں ۔ لہذا اللہ تعالیٰ اثباتِ رسالت میں فرماتا ہے ۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ

وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

وَ ؛ اور ۔ اِنْ ؛ اگر ۔ كُنْتُمْ ؛ تھے تم یا ہو تم ۔ فِیْ ۔ میں ۔ رَیْبٍ ۔ شک ، حوادثِ زمانہ ، بدگمانی ، بدنامی ، بے قراری ۔ رَابَ (مثلِ بَاعَ) ۔ شک میں ڈالا ۔ اَرَابَهٗ ؛ بے قرار کیا ۔ اَرَابَ الرَّجُلُ اَوِ الْاَمْرُ محلِ بدگمانی وشک ہوا ۔ یہاں رَیْبٌ سے مراد شک ہے ۔ مِمَّا ؛ اس چیز سے ۔ نَزَّلْنَا ؛ ہم نے اُتارا ۔ عَلٰی عَبْدِنَا ؛ ہمارے بندے پر ۔ فَأْتُوْا ؛ پس آؤ ۔ فَأْتُوْا بِ ؛ پس لاؤ ۔ سُوْرَةٍ ؛ فصیلِ شہر ، کلام اللہ کا اتنا حصہ جو دوسرے حصہ سے ممتاز ہو ، اس کا نام علیحدہ ہو ، اس کی ابتداء انتہاء معلوم ہو ۔ مِنْ مِثْلِهٖ ؛ اس کے جیسے سے ۔ ممکن ہے کہ ہٖ کی ضمیر عَبْدَ کی طرف پلٹے اور معنی ہوں : حضرت کے جیسے اُمی سے ۔

حضرت کے زمانہ میں عرب میں تعلیم کا رواج اور لکھنے پڑھنے کی واقفیت ہی کم تھی ، نہ مدارس تھے نہ مکاتب ۔ خال خال کوئی مذہبی پیشواء لکھنا پڑھنا جانتا تھا ۔ بعض بعض تجارت پیشہ یا سردارِ قوم کچھ کچھ کتابت سے واقف تھے ۔ حضرت محمد مصطفیٰ ابھی شکمِ مادر ہی میں تھے کہ حضرت کے والدِ ماجد حضرت عبداللہ کا انتقال ہوگیا ۔ چار سال کے تھے والدہ ماجدہ بی بی آمنہ کا بھی انتقال ہوگیا ۔ تعلیم وتربیت کرتا تو کون کرتا ؟ مگر نہیں ، اللہ ان کا مربی تھا ، معلّم تھا ۔ اس نے علم لدنی سے آپ کو سرفراز کیا ۔ اور ہوسکتا ہے کہ ہٖ کی ضمیر مَا نَزَّلْنَا کی طرف پلٹے یعنی قرآن ۔ پس اس وقت معنی یہ ہوں گے کہ قرآن کی چھوٹی سی چھوٹی سُوْرَة کے برابر ایک سورۃ تو بنا کر لاؤ ۔

وَ ؛ اور ۔ اُدْعُوْا ۔ بلاؤ ، پکارو ۔ شُهَدَاءَ جمع شَهِيْدٌ ؛ حاکم ، گواہ ۔ حاضرِ مجلس ، دیکھنے والا ، مددگار ، وہ جو فی سبیل اللہ قتل کیا گیا ہو ۔ شَهِدَ شُهُوْدًا (مثل سَمِعَ) ؛ حاضر ہوا ، علم و اطلاع حاصل کی ، دیکھا ۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں اَشْهَدُ کے معنی ہیں ” میں جانتا ہوں ، میں اپنے علم و یقین سے بیان کرتا ہوں ۔ اَشْهَدُ بِاللّٰهِ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں ۔ شُهَدَائَكُمْ ؛ تمہارے پاس کے جاننے والے ، ماہرینِ فن ، مددگاروں کو ۔ مِنْ ۔ سے ۔ دُوْنَ ؛ پاس ، کم ۔ اَدْنٰى ؛ کمترین ۔ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؛ خدا کے سوائے ۔ اِنْ كُنْتُمْ ؛ اگر تم ہو ۔ صٰدِقِيْنَ ۔ سچے ۔ صِدْقٌ ؛ ٹھوس ، مضبوط ۔ صِدْقُ الْكُعُوْبِ ؛ بھرواں بانس ۔ صِدْقٌ ؛ سچی خبر ، وہ خبر جو واقعہ کے مطابق ہو ۔ صدق کے مقابل کذب ہے یعنی بے اصل بات ۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ؛ اگر تم (اپنے انکار میں) سچے ہو ۔

بعض کے خیال میں خبر صادق وہ ہے جو اعتقادِ متکلم کے موافق ہو ، چاہے واقعہ کے مطابق ہو یا نہ ہو ۔ بعض کے پاس خبر صادق وہ ہے جو اعتقاد اور واقعات دونوں کے موافق ہو ۔ اور خبر کاذب وہ ہے جو دونوں کے خلاف ہو ۔ یہ لوگ صدق و کذب کے درمیان ایک واسطہ نکالتے ہیں یعنی جو بات صرف واقعہ کے خلاف ہے یا صرف اعتقاد کے خلاف ہے وہ نہ صادق ہے نہ کاذب ۔ مگر یہ سب خیالات درست نہیں ۔ صحیح تعریف صدق و کذب کی وہی ہے جو بیان کی گئی یعنی جو واقعہ کے مطابق ہو وہ صادق ہے اور جو واقعہ کے خلاف ہو وہ کاذب ہے ۔

ترجمہ :- اور اگر اس میں (قرآن کے منجانب اللہ ہونے میں) تم کو شک و شبہ ہے جس کو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو (اچھا) تم اس (اُمی) پیغمبر جیسے شخص سے یا قرآن کی جیسی ایک سورۃ تو لاؤ اور خدا کے سوا (ماہرینِ فن کو ، حاضرینِ مجلس کو) اپنے یاروں ، مددگاروں کو بلالو (ان سے مدد چاہو اپنے دیوتاؤں کو بھی پکارلو ۔ سب مل کر ایک سورۃ تو بناؤ) اگر (تمہارا شک بجا ہے اور اپنے انکار میں) تم سچے ہو ۔

صاحبو ! خدا کی بنائی ہوئی چیز اور بندوں کی بنائی ہوئی چیز میں آسمان زمین کا فرق ہوتا ہے ۔ دیکھو ! دودھ کے اجزاء معلوم ہوگئے ہیں ، ان کو ملا کر دودھ تو بناؤ ۔ قسم قسم کے درخت ، قسم قسم کے پھول ، کاغذ سے اور دوسری چیزوں سے آدمی بناتا ہے مگر ایک چڑیا کو تو دھوکہ دے دو ! ایک چوہے کو تو یقین دلادو کہ تمہاری بنائی ہوئی چیز خدا کی بنائی ہوئی چیز کے برابر ہے ! ایک مچھر یا مکھی تو بنا دو ! تم ہرگز نہ بنا سکوگے ۔ آدمیوں کی بنائی ہوئی چیز کی نقل دوسرا آدمی کرسکتا ہے ۔ گیس کا جواب گیس ، دبابہ کا جواب دبابہ ، طیارہ کا جواب طیارہ بن ہی رہا ہے مگر خدا کی بنائی ہوئی چیز کی نہ نقل اُتری ہے نہ اُترے گی ۔ جان ڈالنا تو بہت بڑی چیز ہے ، صورت بھی نہیں بنا سکتے ۔ جب خدا کی اور بندے کی بنائی ہوئی چیز کا معیارِ امتیاز یہ ٹھیرا تو قرآن کا جواب تو تیار کرو ۔

قرآن کس بات میں معجزہ ہے ؟ اس کے متعلق لوگ مختلف الرائے ہیں ۔ ہمارے خیال میں ہر فن کا آدمی اگر قرآن کا مطالعہ کرے گا تو قرآن خود اُس کے فن میں معجزہ بن کر ظاہر ہوگا ۔ اب ہم چند وجوہ بیان کرتے ہیں جن سے معلوم ہوجائے گا کہ قرآن معجزہ ہے ۔

انسان کی بنائی ہوئی چیز کا خدا کی بنائی ہوئی چیز سے کوئی تقابل نہیں

حِفاظت

دنیا کی کوئی مذہبی یا غیر مذہبی کتاب ایسی نہیں جس کی حفاظت قرآنِ مجید کے برابر کی گئی ہو۔ ہندوؤں کی وید، پارسیوں کی ژندو دساتیر بلکہ توراۃ انجیل، تواتر تو کجا خبر احاد سے بھی ثابت نہیں ہوسکتیں۔ قرآنِ شریف کی حالت یہ ہے کہ زمانہ نبوت سے اب تک لاکھوں اس کے راوی، اس کے حافظ، اس کے قاری چلے آرہے ہیں۔ کوئی شہر تو کیا کوئی اسلامی قصبہ ایسا نہیں جس میں چند جید حافظ نہ ہوں۔ کیا مجال کوئی حافظ تراویح میں ایک کلمہ کے عوض دوسرا کلمہ پڑھ دے یا زیر زبر کی غلطی کردے اور سامع اُس کو لقمہ نہ دے! یہ تو فاحش اغلاط ہیں، قاری صفاتِ حروف کی بھی تنقید کرتا ہے۔ کب چھوڑتا ہے اگر کوئی قلقلہ یا ھمس نہ کرے یا مدطویل ومتوسط وطبعی میں تمیز نہ کرے یا بے محل تفخیم یا ترقیق کردے۔ کب جائز رکھتا ہے اگر اخفا کی جگہ اظہار یا ادغام کردے۔ قرآنِ شریف میں کتنے الف ہیں کتنے بـا، تـا وغیرہ ہیں، سب حروف شمار کئے ہوئے ہیں۔ غرض کہ قرآنِ شریف کی حفاظت کا وعدہ اللہ نے کیا اور کس ناقابل انکار طریقہ سے اس کو ثابت کیا۔

دنیا میں اسلام ہی ایک باقی رہنے والا دین ہے تو اس کا منبع، اس کی مقدس آسمانی کتاب بھی اتنی ہی اہمیت رکھتی ہے۔ جو چیز محفوظ ہی نہ ہو، جس کی صحت کا پتہ نہ ہو، جس کی روایت ہی مسلسل نہ ہو، کس بناء پر اس کی تبلیغ کی جاسکے گی؟ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ؛ قرآنِ شریف کے نغمے، ہارمونی، موسیقی اور سلاست پر غور کرو، قرآنِ شریف کے الفاظ کچھ ایسے نفیس مخارج کے حروف سے مرتب ہیں اور قرآن شریف میں ایسی سلاست و روانی ہے کہ نہ پڑھنے والے کی زبان پر گراں ہوتے ہیں نہ سننے والے کے کان پر۔ ایسی ضخیم کتاب! اتنا بڑا حجم! اور اس میں ایک لفظ بھی ثقیل یا متنافر نہیں۔ دوسرے شعراء اور خطباء کے کلام میں یہ بات کہاں؟ ایک تجربہ مجھے ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ دوسروں کو بھی اس کا تجربہ ہوگا یا غور کرنے کے بعد اس کا تجربہ ہوجائے گا کہ بعض حضرات جو اپنی مادری زبان میں بات کرتے وقت ہکلاتے ہیں وہ قرآن شریف پڑھتے ہیں تو زبان کو بالکل رکاوٹ نہیں ہوتی بلکہ ان کی زبان صاف زبان والوں سے بھی قرآن پڑھنے میں تیز چلتی ہے۔ مجھے میرے دوستوں پر اس کا تجربہ ہوا ہے، خود میری زبان میں عقدہ ہے، مگر قرآنِ شریف پڑھتا ہوں تو زبان صاف چلتی ہے۔ یہ قرآنِ شریف کی سلاست اور حسنِ مخارج کی کافی دلیل ہے۔

اسلُوب، اسٹائیل

امرأ القیس کے دیوان میں ایک دو مختلف شعر ان لوگوں کے لگادیں جو اس کے ہم پایہ ہیں تو ممکن ہے مگر مسلسل دو چار شعر ہرگز نہیں ملا سکتے۔ کسی نے اِبْنُ الْمُقَفَّعْ سے کہا کہ آپ طویل قصیدے کیوں نہیں کہتے؟ تو اس نے کہا جاہلیت کا رنگ قائم رکھنا سخت مشکل ہے۔

کوئی قرآنِ شریف اور حدیث کو ملا کر دیکھے، حدیث کا اسلوب قرآن کے اسلوب سے ہرگز نہیں ملتا۔ جو لوگ اسالیبِ کلام سے واقف ہوتے ہیں وہ فوراً کہہ دیتے ہیں کہ یہ شعر امرأ القیس کا ہے یا زہیر کا، زمانہ جاہلیت کا ہے یا ان لوگوں کا

جنھوں نے اسلام و جاہلیت دونوں کو پایا ہے یا یہ کہ یہ شاعر بغداد کا ہے یا شام کا، حجاز کا ہے یا مصر کا عرب کا ہے یا عجم کا۔ اگر ایک شعر سے پورا علم نہیں ہوسکتا تو دو چار شعر کے بعد امتیاز ہو ہی جاتا ہے۔ اُردو داں بھی سمجھ لیتے ہیں کہ یہ شعر سوداؔ کا ہے یا میرؔ کا، ذوقؔ کا ہے یا غالبؔ کا، داغؔ کا ہے یا امیرؔ کا۔ ہر زبان کے نقادِ سخن شعراء ونظماء کے باہم کلام میں امتیاز کرتے ہیں، اعلےٰ شاعر کو ادنیٰ سے جدا کرتے ہیں۔ جہلِ مرکب، ہٹ دھرمی، بے جا مخالفت اور بات ہے۔ ذوقِ سلیم نہ رکھنے والے معرضِ بحث میں نہیں۔ صاحبِ ذوق کلامِ عالی سنتا ہے اور پہروں بلکہ دنوں اس کا مزہ لیتا ہے۔ ایسے صاحبِ ذوق عرب بلکہ عجم کو بھی بلاشبہ قرآن کے اعجازِ فصاحت و بلاغت میں کیا کلام ہوسکتا ہے؟ جس کی نسبت اس بہترین اور گرامی ترین ہستی کی طرف ہو جس کا ارشاد ہے:- **اوتیت جوامع الکلم** اور **انا افصح العرب والعجم** مگر قرآن شریف کچھ اور ہی شئے ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ شریف حضرت رسولِ مقبول ﷺ کا کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے

الغرض ہمارے سامنے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، مظہر العجائب رضی اللہ عنہ کے خطب ہیں اللہ اور بندے میں جو فرق ہے وہی قرآن اور ان کلاموں میں ہے۔ خطبِ ابنِ نباتہ مقاماتِ بدیعی یا حریری اور دوسروں کے کلام کی حقیقت ہی کیا ہے۔ ایک نادان کہتا ہے کہ حریری بھی اعلےٰ درجہ کی فصاحت کا مالک ہے حقیقتاً اس نادان نے کلامِ فصحا دیکھا ہی نہیں، اس کو ڈھلی ہوئی اور سوہن کی ہوئی چیز میں تمیز نہیں، اس کو زندہ اور مردہ میں فرق نہیں، اسے آمد اور آورد میں امتیاز نہیں۔ شریف مرتضیٰ کا کلام جو "نہج البلاغہ" کے نام سے موسوم ہے اور جس میں حضرت علیؓ کے بعض خطبے بھی موجود ہیں، حریری سے زیادہ رتبہ رکھتا ہے۔ بدیعی کے اچھے فقرات کے سامنے حریری دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔

ایک نادان مسیلمہ الکذاب قرآن کا جواب دیتا ہے۔ **الفیل ۔ ماالفیل ۔ وما ادراک ماالفیل ۔ له خرطوم طویل و ذنب و بیل** ۔کیا یہ **القارعة** کا جواب ہے؟ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْعَظِیْمَ خانہ غفلت خراب! کیوں مسخرا بنتا ہے! کیوں اپنے آپ پر لوگوں کو ہنساتا ہے! جس طرح خدا کا فعل معجزہ ہے اُسی طرح اس کا قول بھی معجزہ ہے۔ تصویر یا مجسمہ بنا کر چڑیا کو دھوکا نہیں دے سکتے تو ان مہملات وخرافات سے تو ہم کو کیوں کر دھوکا دے سکے گا۔ **اعوذ باللہ** ۔ ہرگز نہیں۔ یہ سب الفاظِ بلا معنیٰ ہیں، یہ تنِ بے جان ہے، مردار ہے، جا اور اس کو خاک میں دبا آ۔ خدا کا کلام بندہ کے کلام سے بالکل علیٰحدہ ہے، بالکل ممتاز ہے، اعجاز ہے! اعجاز!

خدائی لہجہ

شاعر یا منشی جس درجہ کا ہوتا ہے اسی درجہ کا اس کا کلام ہوتا ہے۔ ایک غمگین آدمی کے کلام سے غم ظاہر ہوتا ہے۔ ایک سپاہی کے کلام سے شجاعت ٹپکے گی۔ متنبّی سیف الدولہ کے ساتھ خود بھی شریکِ جنگ رہتا تھا تو اس کے قصیدہ کا زور ہی الگ ہے۔ شعرائے جاہلیت کے اشعار میں بے ساختگی، سادگی، صداقتِ آمد ہے۔ زمانہ تمدن کے شعرا کے کلام میں صنائع بدائع ہیں، جن میں بناوٹ اور تکلف نمایاں ہے۔ خدا کے کلام کا لہجہ اور قوت ہی الگ ہے۔ سننے والے کا دل کانپ اُٹھتا ہے۔ اسی طرح پیغمبر اور بزرگانِ دین کا کلام بھی الگ ہوتا ہے اور ادباء اور نمائشی لوگوں کا کلام جُدا۔ صاحبِ فراست وعقلِ سلیم قرآن کو دیکھتا ہے اور بے ساختہ کہہ اُٹھتا ہے۔ مَاهٰذَا مِنْ كَلَامِ الْبَشَرِ ؛ یہ کلام کلامِ بشر سے وراء الوراء ہے۔

یکسانی

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہر زبان میں ایک بڑا شاعر ہوجاتا ہے جس کی مثال مستقبل نہیں لاسکتا تو کیا وہ بھی کلام اللہ ہوجائے گا ؟ عربی میں امرأ القیس اور فارسی میں فردوسیؔ ، اُردو میں میرؔ تقی یا آج کل غالبؔ پرستوں کے پاس غالبؔ یا بعض کے پاس میر انیسؔ یا یونانی میں ہومرؔ اور انگریزی میں شکسپیرؔ گذرے ہیں ۔ اس شخص کو سمجھنا چاہئیے کہ ان شعراء کی جو تعریف کی جارہی ہے وہ بہ حیثیتِ مجموعی ہے ۔ ان کی تعریف اس پیمانہ پر نہیں ہے کہ کوئی ان کے تین شعر کے برابر بھی شعر نہیں کہہ سکتا ۔ امرأ القیس کی کمزوریوں کو دیکھنا ہوتو اعجاز القرآن دیکھو ، اس کی تنقید پر غور کرو ۔ غالبؔ کا تمام دیوان چھان مارو اس میں سے چند ہی چوٹی کے شعر نکلیں گے ۔ میر تقی کے دیوان سے چند ہی نشتر نکلیں گے ۔ سوداؔ ، داغؔ ، امیرؔ کے کلام میں بھی چند ہی اچھے سے اچھے شعر نکلتے ہیں ۔ تعصب اور بات ہے ۔ مرزا دبیرؔ کے کلام میں چند بند بلکہ چند مرثیئے ایسے ہیں جو میر انیسؔ کے بعض مرثیوں اور بند سے اچھے ہیں ۔ فردوسیؔ ، نظامیؒ ، سعدیؒ ، خسروؒ ، جامیؔ ، مولانا رومؒ کے کلام میں اعلیٰ درجہ کے بھی شعر ہیں ، اوسط درجہ کے اور معمولی بھی ۔ ان میں سے کسی کو کسی پر ایسی ترجیح نہیں کہ دوسرے کے چند شعر بھی ان کے اشعار کے برابر یا ان سے اعلیٰ نہ نکلیں ۔

میں سنتا ہوں کہ شکسپیرؔ کا ماخذ تاریخ اور دوسروں کے ڈرامے ہیں ۔ صرف دو ڈرامے اس کے ذاتی ہیں اور ان میں وہ کھو گیا ہے ۔ نیز اس کے کلام میں یکسانی کہاں ؟ عمر کے بڑھنے سے ، زمانہ کے بدلنے سے ، اس کے ڈراموں میں تغیر آتا گیا ۔ پھر نقادِ سخن کی قدر اندازی سے بے چارے کے پرخچے اُڑ گئے ہیں ، اس کے سانیٹ سے ملٹنؔ کے سانیٹ کم نہیں ۔ نفسِ فصاحت کے لحاظ سے بیکنؔ بھی ایک مسلم اُستاد ہے ۔ کون کہتا ہے کہ بیکنؔ کی نثر شکسپیرؔ کی نظم سے کم ہے ؟ بہر حال اگر شکسپیرؔ اچھا ہے تو بیکنؔ اور ملٹنؔ بھی اچھے ہیں ۔ بن جانسنؔ بھی اس کی ٹکر کا ہے ۔ یہ نہیں کہ شکسپیر کے سامنے سب ہیچ ہوگئے ۔ جانسنؔ اور ہومرؔ کے متعلق بعض محققین نے لکھا ہے کہ کہیں ہومرؔ نے اچھا لکھا ہے تو کہیں جانسنؔ نے ۔ دنیا کے تمام شعراء اور خطباء میں کوئی ایسا نہیں جو دوسروں پر اتنی فوقیت رکھتا ہو کہ کسی کے کلام کا ایک حصہ بھی اس کے کسی حصہ کے برابر نہ ہو اور اس کا تمام وکمال کلام ایک درجہ پر ہو یا اس کے دو قولوں میں تناقض نہ ہو یا اس کے کلام میں تغیر و اصلاح ممکن نہ ہو ۔

قرآنِ شریف کی یہ حالت ہے کہ اس میں سے نہ ایک حرف نکل سکتا ہے نہ زیادہ ہوسکتا ہے ۔ نہ جملے کی شکل تبدیل ہوسکتی ہے نہ ایک لفظ کی جگہ اس کا مترادف ہی رکھا جاسکتا ہے ۔ حالانکہ قرآنِ شریف (۲۳) سال تک اُترتا رہا ۔

غیب گوئی

یہ بات ظاہر ہے کہ آدمی کو نہ ماضی کا علم ہوتا ہے نہ مستقبل کا ۔ وہ تو صرف وہی چیز جانتا ہے جو اُس کی آنکھوں کے سامنے آئے یعنی اس کا علم مشاہدہ تک محدود ہے ۔ اخبار بالغیب یعنی غیب کی خبریں دینا مادی انسان کا کام نہیں ۔ قرآنِ شریف میں وہ قصص بھی بیان کئے گئے ہیں جن سے حضرت کا تمام خاندان ناآشنا تھا ۔ یہی وجہ تھی کہ منکرین امتحاناً ایسے قصوں کے متعلق سوالات کرتے تھے ۔ قرآن شریف میں ایسی پیشگوئیاں بھی ہیں جو اب تک برابر صحیح اور درست اُترتی آئی ہیں ۔

قصص

حضرت آدمؑ ، اماں حواؑ اور اِبلیس کا قصہ ، ہابیل و قابیل کا واقعہ ، حضرت نوحؑ ، حضرات ابراہیم ولوط و اسمٰعیل واسحٰق و یعقوب و یوسف علیہم السلام کے قصص ، حضرت صالحؑ ، قومِ ثمود ، حضرت شعیبؑ و اہلِ مدین و ایکہ ، حضرت داؤدؑ وسلیمانؑ ، حضرت موسٰیؑ و ہارونؑ اور فرعون و ہامان اور قارون کے حالات اور دیگر انبیا کے حالات ، ذوالقرنین ، قومِ سبا ، اصحابِ اخدود و کہف ورقیم ، اصحاب الرس کے قصص و حالات بہ تفصیل بیان کئے گئے ہیں اور حضرت کے مخالفین زمانہ نے بھی اس کو تسلیم کیا مُرورِ زمانہ اور بُعد کی وجہ سے اگر بعض کے آثار باقی نہ رہے ہوں تو کیا پروا ہے ، اصل سوال کرنے والے اور مخاطبِ اوّل نے تو مان لیا۔

پیش گوئی

قرآنِ شریف میں بہت سی پیش گوئیاں ہیں ، نمونے کے طور پر چند یہاں ذکر کی جاتی ہیں ۔ قُلْ لِلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْيُسْلِمُوْنَ ۔ (سورہ فتح)

(اے پیغمبر) دیہاتی عرب جو (سفر حدیبیہ سے) رہ گئے ہیں ان سے کہہ دو کہ بڑے لڑنے والوں (یعنی فارس و روم) کے مقابلہ کے لئے بلائے جاؤ گے تو تم ان سے لڑتے رہو ، یہاں تک کہ وہ مسلمان ہوجائیں ۔ روم و فارس کی لڑائیاں حضرت ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت میں ہوئیں تو یہ خلافتِ شیخین کی بشارت ہے ۔

الٓمّٓ ○ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ○ فِيْ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۔ (سورہ روم)

الٓمّٓ ۔ قریب کے ملک (یعنی فارس میں) رومی (جو نصاریٰ ہیں) اہلِ فارس سے جو آتش پرست ہیں مل گئے ہیں ، مغلوب ہوگئے ہیں ۔ لیکن یہ لوگ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب چند سال میں (پھر اہل فارس پر) غالب آئیں گے ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ واقعہ تاریخی پیش گوئی کا بڑا زبردست معجزہ ہے ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس وعدۂ اِلٰہی کی صحت پر یقین کرکے ایک سردار قریش سے شرط باندھی کہ رومیوں کی فتح ہوگی ۔ وعدۂ اِلٰہی سچا ہوا اور ابوبکر صدیقؓ کامیاب ۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۔ (سورہ قمر) عنقریب اس جماعت کو ہزیمت ہوگی اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے ۔ یہ شکست اہلِ بدر کی پیش گوئی تھی جس کو اللہ نے پورا کیا ۔ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ ۔ (سورہ الفتح)

”بے شک اللہ نے اپنے رسول کو واقعی سچا ہی خواب دکھایا تھا کہ انشاء اللہ تم (مسلمان) مسجد حرام میں بے خوف وخطر باطمینان (تمام) داخل ہوں گے (وہاں جاکر) تم (کچھ تو) سرمنڈائے ہوئے رہو گے اور (کچھ فقط) بال کترائے ہوئے“۔ یہ آیت فتح مکہ کی پیشگوئی ہے جس کو اللہ نے پورا کیا ۔

قرآن شریف کی تاثیر

حضرت عمر رسول اللہ ﷺ سے لڑنے کے لئے نکلے تھے، راستے میں بہن کے گھر پہنچے، بڑے اصرار سے قرآن مانگا، دیکھا، سورہ طٰہٰ پڑھا تو دل میں اُتر گیا۔ باطل کی تائید کے لئے چلے تھے، فاروق اعظم بن گئے۔ عتبہ قریش کا ایک بڑا سردار تھا۔ حضرت نے قرآن شریف سنایا تو دونوں ہاتھ ٹیک دیئے اور لگا جھومنے اور آنسو بہانے۔ ولید نے سنا تو کہا ان علیھا طلاوۃ وفیھا حلاوۃ۔ اس پر تازگی اور اس میں حلاوت ہے۔ ابوجہل پہنچا اور کہا ''اتنے بڑے سردار ہوکر ایک بچے کی باتوں میں آگئے اور تعریف بھی کرنے لگے! عربوں پر تمہاری اس تعریف کا برا اثر ہوگا۔ تم کو قرآن کی ہجو اور اس پر اعتراض کرنا چاہئیے''۔ ولید نے کیا کہا؟ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ اس نے سوچا اور اٹکل دوڑائی فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ اس کو خدا کی مار کیسی اٹکل دوڑائی کچھ سمجھ میں نہ آیا ثُمَّ نَظَرَ ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ پھر غور کیا (مگر کوئی بات دل کو نہ لگی) پھر تیوری چڑھائی اور برا سا منھ بنالیا۔ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ۔ پھر پیٹھ پھیر لی اور اعتراض نہ کرنے کو اپنے لائق نہ سمجھا اور شیخی میں آگیا فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ پھر لگا کہنے یہ تو بس چلتا ہوا جادو ہے جو نقل کیا جاتا رہے گا، کہیں رکتا نظر نہیں آتا۔ (سورہ مدثر)

کوئی اس کے جواب پر غور کرے کہ اس نے زبان داں، فصیح و بلیغ ہونے کے لحاظ سے قرآن کی فصاحت و بلاغت پر کیا اعتراض کیا؟ کچھ نہیں صرف چلتا جادو کہہ دیا۔ ظاہر ہے کہ انسان جب کسی بات کو طاقتِ بشری سے خارج دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ تو جادو ہے۔ طاقتِ بشری سے خارج تو اس نے مان لیا، ہاں! معجزہ کے عوض جادو کہہ دیا۔ کیا وہ جادوگر تھا؟ جادو کی حقیقت سے واقف تھا؟ کچھ نہیں۔ جس فن کا وہ تھا، جس کا وہ ماہر تھا اس میں تو وہ مان گیا کہ قرآن کا مثل طاقتِ بشری سے خارج ہے۔ جادو، وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے۔ ایک اور نوعِ تاثیر ہے جو ظلماتِ مادیت میں پھنسے ہوئے اشخاص کو نظر نہیں آتی اور وہ قضائے مقصود و دفعِ امراض، دفعِ مس خبائث ہے اس کے لئے بونی کی شمس المعارف، مرقع شریف اور دیگر کتب دیکھو۔ ان عملیات میں سب سے اعلےٰ اور قوی الاثر عمل، آیاتِ قرآنیہ کا ہے۔ میں ایک علمی آدمی ہوں، تعلیم میرا کام ہے، مگر دن بھر میں کتنے ہی لوگوں کو جن کو میں کوئی آیتِ مبارک بتا دیتا ہوں فائدہ ہوتا ہے۔ ہزار تاثیر کی ایک تاثیر کہ اس وقت قرآن شریف کی تعلیم و تاثیر سے ستر، اَسّی کروڑ آدمی حلقہ بگوش اسلام ہیں۔ مسلمانوں کی غفلت کی وجہ ہے کہ قرآن کی تبلیغ کا برابر انتظام نہیں ورنہ قرآن نور بن کر آنکھوں میں گھستا اور روح بن کر دل و دماغ میں بستا۔ میرے پاس تو قرآن کا مقصدِ اعظم اور اس کا اعجازِ مجسم اس کی تعلیم ہے۔ ارسالِ رسل کی غایت تعلیم ہی ہے۔ دوسرے سب توابع ہیں مگر قرآن کے مقصد کے توابع بھی دوسروں کے مقاصد کے مقابل اعجاز ہی اعجاز ہیں۔

صرفہ

قرآنِ شریف کس امر میں معجزہ ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ نظّام جو بڑا ادیب بھی ہے اور فلسفی بھی، کہتا ہے کہ قرآن کے جواب دینے کی قوت اللہ تعالیٰ نے حضرت کے اہلِ زمانہ سے سلب کرلی تھی۔ اس کے خیال میں قرآن کا مثل ممکن تھا

مگر سب لوگوں سے وہ قوت ہی سلب کرلی گئی تھی تو جواب کیوں کر دیا جاسکتا ؟ اس کا خیال بالکل غلط ہے کیوں کہ اس طرح قرآن مجید معجزہ نہ ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ کا فصحاء و بلغاء سے جواب کی قوت سلب کرلینا معجزہ ہوا ۔ افسوس کہ اتنے بڑے ادیب پر قرآن کی حقیقت نہ کھلی ، ورنہ قرآن کی ایک ایک سورت ایک ایک آیت پر سر دُھنتا ، قربان ہوتا ۔ غالبًا وہ قرآنِ شریف کو سہلِ ممتنع سمجھ کر اس ورطہ میں غوطہ کھا رہا ہے کہ قرآن کا مثل ممکن ہے مگر یہ امکان کبھی فعلیت میں نہیں آتا ۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ۝

فَاِنْ ؛ پس اگر ۔ لَمْ تَفْعَلُوْا ؛ تم نے نہیں کیا ، تم نہ کرو گے ۔ لفظ اصل میں تَفْعَلُوْنَ تھا لَمْ کی وجہ سے نون گر گیا اور بمعنی مضارع منفی ہوگیا ۔ یعنی نہیں کیا ۔ وَلَنْ تَفْعَلُوْا ؛ اور ہرگز نہ کرسکو گے جس طرح لَمْ کی وجہ سے نون گرا تھا ، لَنْ کی وجہ سے بھی نون گر گیا ہے اور مستقبل منفی موکد کے معنٰی دیتا ہے فَاتَّقُوْا ؛ تو بچو ، ممنوعات سے بچو ۔ معاصی سے پرہیز کرو ، گناہوں کو چھوڑ دو ۔ اَلنَّارَ ؛ آگ ، آتش ، غضبِ الٰہی ۔ اَلَّتِیْ ؛ جو ۔ وَقُوْدُ ۔ ایندھن ، جس سے آگ کی جاتی ہے ۔ اَلنَّاسُ ؛ لوگ ۔ اَلْحِجَارَةُ پتھر ۔ اُعِدَّتْ ۔ اَعَدَّ یُعِدُّ اِعْدَادًا ؛ تیار کرنا ۔ باب اِفْعَالٌ ۔ عَدَدٌ مادّہ ۔ لِلْكٰفِرِیْنَ ؛ کافروں کے لئے ، حق پوشوں کے لئے

ترجمہ :- پھر اگر تم نہ کرسکو اور تم ہرگز نہ کرسکو گے تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں (جو) کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ۔

اگر تم اپنے دوستوں و دیوتاؤں سے امداد لے کر بھی قرآن کی سورۃ کے برابر ایک سورۃ بھی نہ لاسکو اور تم ہرگز نہ لاسکو گے تو قرآن کا اعجاز ثابت ہوچکا ، خدائی قوت کا تم کو یقین ہوچکا تو اس کی مخالفت کی وجہ سے آتشِ غضبِ الٰہی سے بچو جس میں لوگ اور پتھر جلیں گے ۔

یہ آگ کن کے لئے بنائی گئی ہے ؟ کافروں کے لئے ۔ مسلمان ہوکر ، اللہ رسول کو جان کر ، ان کے احکام سے واقف ہوکر پھر بھی مخالفت کرنا اور کافروں کے لئے بنائی ہوئی دوزخ میں جانا نہایت شرم کی بات ہے ، بڑا افسوس ہے ، بدنصیبی ہے ۔

اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان ہمیشہ کے لئے دوزخ میں نہ رہیں گے ۔ بعض مذاہب میں ہر بدعمل کی سزا ملنا ضروری ہے ۔ چنانچہ خوارج مرتکبِ کبیرہ یعنی بڑے گناہ کرنے والے کو کافر سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا ۔ بعضوں کا خیال ہے کہ ایمان کے ساتھ کوئی عمل بد نقصان دہ نہیں رہتا ۔ اس آیت سے آپ کو صاف معلوم ہورہا ہے کہ گنہگار مسلمان کا دوزخ میں جانا ممکن ہے مگر دائمًا دوزخ میں رہنا کافروں کے لئے ہے ۔

ہمارے پاس توبہ سے گناہ معاف ہوسکتے ہیں ، شفاعتِ انبیاء و اولیا سے بھی معافی حاصل ہوسکتی ہے ، توبہ یعنی " ماضی پر ندامت اور مستقبل میں احکامِ دین پر استقامت " نہایت بڑا فعل ہے ۔ جسم ، اعضائے ظاہری کے ساتھ دل و روح بھی ہیں ۔ ظاہر ہے کہ جب دو متضاد قوتیں کام کرتی ہوں تو غالب کا اثر نمایاں ہوگا اور مغلوب کا نمایاں نہ ہوگا ۔ لہٰذا توبہ کا اثر گناہوں کو ڈھانک لے گا ، مٹادے گا ، نیکی سے مبدل کرادے گا ۔ یہ سب توبہ کی قوت پر مبنی ہے ۔ ہمارے پاس شفاعت کا مسئلہ حق ہے

دوزخ کافروں کے لئے بنائی گئی ہے اس لئے مسلمان اس میں ہمیشہ نہ رہیں گے ۔

توبہ سے گناہ ڈھک جاتے ہیں

گنہگار شفاعت کرنے والے سے اَلْحُبُّ فِی اللّٰہ یعنی خدا واسطے کی محبت رکھتا ہے۔ کیا یہ قلبی فعل نہیں ہے؟ کیا یہ محبت بے اثر رہے گی؟ ہرگز نہیں! شفاعت بن کر رسول اللہ ﷺ سے اور دیگر اولیا سے ظاہر ہوگی اور خدا سے رحمت بن کر نمایاں ہوگی۔ یہ کفارۂ مسیح نہیں ہے کہ گناہ کریں لوگ اور سب کے گناہوں کی پوٹلی، بنڈل یا بوجھ لے کر حضرت مسیح علیہ السلام دوزخ میں جلیں اسلام میں عدل وانصاف ہے "کرے کوئی بھرے کوئی" نہیں ہے۔ وَلَا تَزِرُوَازِرَةٌ وِّزْرَاُخْرٰی؛ ایک کا عذاب ایک پر ہو نہیں سکتا

صاحبو! سائنس کی حیرت انگیز ترقیاں دیکھ کر لوگ کچھ ایسے مرعوب ہوگئے ہیں کہ معجزہ سے انکار کرنے لگے ہیں۔ یہ بیماری یورپ سے نکلی اور مسلمانوں کو بھی لگ رہی ہے گویا کہ یہ داءِ فرنگ ہے۔ ان لوگوں کے خیال میں یہ قوانینِ فطرت، لاز آف نیچر، نوامیسِ الٰہیہ میں تغیر نہیں۔ مگر ذرا غور کرو! نوامیسِ الٰہیہ اور ان کے جان لینے کا دعویٰ! حالانکہ دو ہزار برس پہلے کی تاریخ نہیں ملتی۔ اسباب ظاہری بھی ہوتے ہیں اور باطنی بھی، جسمانی بھی ہوتے ہیں اور روحانی بھی۔ مادیات کے چند قواعد سے واقف ہونے پر پورے قوانینِ الٰہیہ کی واقفیت کا دعویٰ درست نہیں۔ انسان کو سلسلہ ہائے علت ومعلول پر ہمیشہ غور کرنے اور ان سے زیادہ واقفیت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر گذشتہ زمانہ کے لوگ صرف اپنے چند معلومات پر فطرت کا انحصار سمجھتے تو علمی ترقیاں محدود ہوجاتیں۔ ایک پانچ چھ سال کے لڑکے کا آفتاب کو روشن ڈوبتا دیکھ کر سورج گہن سے انکار کرنا کیا صحیح ہوسکتا ہے؟ تیری عمر کتنی؟ تیرا استقراء کتنا؟ تیرا علم کتنا؟ جو چیز تیرے معلومات کے خلاف ہو اس سے انکار کرنا تیری نادانی ہے۔ جہل ہے، جہلِ مرکب ہے۔ بڑے سے بڑا عالم، بڑے سے بڑا فلاسفر، خدائے تعالیٰ کی قدرت کے بحرِ ذخار کے سامنے ایک کیڑے سے زیادہ نہیں، جراثیم میں سے ایک جرثومے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ اے نادان انسان! چند فیٹ کی ٹیپ سے آسمان زمین کو ناپنے نکلا ہے؟ توبہ کر! خدا کے آثارِ قدرت سے انکار نہ کر۔ تیری مثال یہ ہے! آسمان سے بارش ہوئی، ایک ناپاک گڑھا پانی سے بھر گیا، ایک مینڈکی اِس کنارے سے اُس کنارے تک چلی گئی اور لگی ٹرانے کہ میں نے ایک بڑا بحری سفر پورا کیا۔ اُسے کیا معلوم کہ خدا کی خدائی میں سات سمندر بھی ہیں۔ او نادان انسان! تجھے کیا معلوم کہ خدا کی خدائی میں کتنے عوالم ہیں؟ ہر عالم کے کیا نوامیس ہیں؟ جو چیز معلوم نہ ہو، جس کا تجربہ نہیں، بے شک تم اس کے متعلق یہ کہہ سکتے ہو کہ مجھے اس کا علم نہیں، مجھے اس کا تجربہ نہیں۔ یہ نہیں، کہ یہ ہے ہی نہیں!

دیکھو! تم ایک بہت بڑے مغالطہ میں پڑے ہو۔ اپنے عدمِ علم کو عدمِ وجود کے مساوی سمجھتے ہو۔ جہلِ مرکب سدِ راہ ہے علمی ترقی کا، آنکھیں کھولو اور خدا کے آثارِ قدرت دیکھتے چلے جاؤ "میں سب کچھ جانتا ہوں" کو چھوڑو، میں "بہت کم جانتا ہوں" کا اقرار کرو۔ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا پر ایمان لاؤ اور رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا کی دُعا کرو۔ پھر وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا کا انعام پاؤ اور پھر اپنی ترقی کو دیکھو۔

وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ
كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ

وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۗ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

وَ ؛ اور ۔ بَشِّرْ ؛ خوشخبری دو باب تَفْعِیْلٌ ۔ بُشْرَةٌ ؛ چہرہ ۔ بَشَرٌ انسان کو اس لئے کہتے ہیں کہ اُس کے منہ پر حیوان کے جیسے بال نہیں ہوتے ، بشارت اور خوش خبری کا اثر چہرہ سے نمایاں ہوتا ہے ۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؛ ان لوگوں کو جو ایمان لائے ۔ وَعَمِلُوْا ؛ اور کام کئے (بَابِ سَمِعَ) اَلصّٰلِحٰتِ ؛ اچھے کام ۔ اَنَّ لَهُمْ ؛ کہ ان لوگوں کے لئے ۔ جَنّٰتٍ ؛ جنتیں ہیں ، باغ ہیں ۔ جَنَّ یَجُنُّ کے معنی ڈھانکنے کے ہیں ۔ وہ مخلوق جو ہماری آنکھوں سے نظر نہیں آتی اس کو جن کہتے ہیں ۔ مَجْنُوْنٌ ؛ دیوانہ جس کی عقل ڈھک گئی ہو ۔ مِجَنَّةٌ ۔ سپر ۔ جَنِیْنٌ ؛ پیٹ میں کا بچہ ۔ جَنَّةٌ ۔ وہ باغ جس میں بکثرت درخت ہوں ۔ تَجْرِیْ ۔ بہتی ہیں ۔ (باب ضَرَبَ) جَرَیَانٌ مصدر ۔ مِنْ تَحْتِهَا ؛ ان (باغوں) میں نیچے نیچے ۔ اَلْاَنْهٰرُ ؛ جمع نَهْرٌ ۔ نَهْرٌ کے معنی کشادگی کے ہیں ۔ بڑے دریا کو عربی میں نہر کہتے ہیں اور ہندی میں جسے نہر کہتے ہیں اس کے لئے جَدْوَلٌ کا لفظ ہے كُلَّمَا ؛ جس جس وقت ، جب جب رُزِقُوْا ۔ دیئے جائیں ، کھلائے جائیں ۔ مِنْهَا ؛ اس جنت سے ۔ مِنْ ثَمَرَةٍ ؛ ثمرہ سے ، پھل سے ۔ رِزْقًا ؛ کسی قسم کی کھانے کی چیز ۔ قَالُوْا ؛ کہتے ہیں ، ان لوگوں نے کہا ۔ هٰذَا ؛ یہ ۔ اَلَّذِیْ ؛ جو ۔ رُزِقْنَا ۔ دیئے گئے تھے ہم ۔ مِنْ قَبْلُ ؛ اس سے پہلے ۔ وَاُتُوْا بِهٖ ؛ اور ان کو وہ چیز دی گئی ۔ مُتَشَابِهًا ؛ ملتی جلتی ۔ وَلَهُمْ ؛ اور ان کے لئے ہے ۔ فِیْهَا ؛ ان (جنتوں) میں ۔ اَزْوَاجٌ ۔ جوڑے ، بی بیاں ۔ عربی میں مرد کا جوڑا زوج اور عورت کا بھی جوڑا زوج ، جیسے سَیِّدَتُنَا خَدِیْجَةُ زَوْجُ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ ؛ زوجہ کا لفظ عربی کے لحاظ سے بالکل بے اصل ہے ۔ مُطَهَّرَةٌ ؛ پاک ، پاک کئے ہوئے ، جن کو خدا نے پاک صاف ستھرا پیدا کیا ۔ وَهُمْ ؛ اور وہ لوگ ۔ فِیْهَا ؛ ان جنتوں میں ۔ خٰلِدُوْنَ ؛ ہمیشہ رہنے والے ہیں ۔ خُلُوْدٌ مصدر ۔ ہمیشہ رہنا ۔ خُلْدٌ ۔ جنت جس میں ہمیشہ رہیں گے ۔ عربی میں بعض دفعہ خُلُوْدٌ کا لفظ ایک طویل زمانہ تک رہنے کو بھی کہہ دیتے ہیں ۔

ترجمہ :- (اے پیغمبر ! یا ہر وہ شخص جس میں مخاطبت کی صلاحیت ہے) ان لوگوں کو خوش خبری دے دو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے (کس بات کی خوش خبری ؟ اس بات کی خوشخبری) کہ ان کے لئے جنتیں ہیں جن میں (درختوں کے) نیچے نہریں بہتی ہیں جب جب ان لوگوں کو اس جنت کا پھل دیا جائے تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہم کو پہلے دیا گیا تھا اور واقعہ بھی یہی ہے (کہ دنیا کی ہر چیز یا عمل سے آخرت کا بدلہ بھی ملتا جلتا رہے گا) اور ان لوگوں کیلئے اس جنت میں پاکیزہ بی بیاں ہوں گی ۔ اور وہ ہمیشہ وہاں رہیں گے

مسلمان کا ایمان بین الخوف والرجا رہتا ہے ۔ جہاں اِتَّقُوا النَّارَ ہے اس کے ساتھ ہی وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؛ بھی ہے یہ بشارت و نذارت صادقِ مصدوق ﷺ کی ہے ۔ ان کا ہر کلمہ سچائی ، ہر ایک بات واقعہ کے مطابق دوسرے مصلحین کی طرح خواہ مخواہ اخلاقی تعلیم کے لئے ایک کہانی نہیں بنائی گئی ۔ جس نے دنیوی کام میں جھوٹ نہیں کہا وہ آخرت کی باتوں میں

عمل صالح اور اس کے نتائج

جھوٹ کیوں کر کہہ سکتا ہے؟ منکر سے منکر، مخالف سے مخالف آپ کو محمد امین کہتا تھا۔ بڑا افسوس ہوگا اگر مسلمان آپ کو نبی امین نہ سمجھے، ان کی ہدایتوں پر اعتماد نہ کرے۔ یہ خوشخبری کس کو دی جارہی ہے؟ ان کو جو ایمان بھی رکھتے ہیں اور عملِ صالح بھی کرتے ہیں۔ ایمان کی قوت پر عملِ صالح مرتب ہوتا ہے۔ جن کے دلوں میں ایمان ہے اور قوی ایمان ہے وہ ضرور عملِ صالح کریں گے۔ جن کو یقین نہیں وہ کیا عملِ صالح کرسکتے ہیں۔ عملِ صالح کیا ہے؟ ہمارا ہر فعل، نماز، روزہ، حج، زکوۃ، بیع وشریٰ زندگی کے تمام شعبے تحتِ امرِ الٰہی ہوں۔ ہر شخص کے ساتھ اس کا عملِ صالح اور عملِ صالح کے ساتھ اس کے نتائج ولوازم لگے رہتے ہیں۔ نہ انسان فنا ہوتا ہے نہ اُس کے اعمال اور نہ اُس کے نتائج۔ جیسا عمل ویسی جزا۔ اعمال کی روح اخلاص للہ، اخلاص لوجہ اللہ اور اطاعتِ رسول ہے۔ اعمال اگر بے جان بھی ہوں دنیوی اغراض و مقاصد کے لئے ہوں، تب بھی اس کا نتیجہ ظاہر ہوگا ہی۔ جو شکر کھائے گا اس کا منہ میٹھا ہوگا، جو ایلوا چاٹے گا اس کا حلق ضرور کڑوا ہوگا۔ دنیوی نیک کاموں کا نتیجہ راحت ہے، آرام ہے، آبرو ہے، عزت ہے، حکومت ہے۔ جو دنیا کی طرف توجہ نہیں کرتا اور صرف آخرت اس کے پیشِ نظر ہے اس کے لئے اُخروی راحت ہے، جنت ہے۔ جو دین دنیا دونوں کے لحاظ سے مناسب کام اور عملِ صالح کرتا ہے اس کا دین بھی اچھا اور دنیا بھی اچھی۔

مسلمانو! دنیوی کاموں میں اگر نیکی اور درستگی کا لحاظ نہ رکھو گے تو تم کو آخرت تو ملے گی مگر دنیا خراب ہوجائے گی۔ اسلام میں رہبانیت اور جوگی پن نہیں ہے۔ مسلمان کے لئے دنیا اور آخرت دونوں ملے ہوئے ہیں۔ جہاں سے دودھ ملتا ہے وہاں خون بھی ہے۔ بچہ نے جہاں دانت مارا حلال دودھ حرام خون بن گیا۔ مسلمان کے پاس رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً ہے۔ مسلمان کے پاس ہر محسوس چیز میں بھی تجلیاتِ الٰہی و اسماءِ خداوندی کا پرتو ہے۔

برگِ درختانِ سبز درنظرِ ہوشیار ÷ ہر ورقے دفترے زمعرفتِ کردگار

مسلمان کے پاس ہر مسبب سبب سے وابستہ، ہر معلول علت سے مربوط ہے، کونسی چیز خدائے تعالیٰ سے وابستہ نہیں کہ اس کو چھوڑ دیا جائے؟ مسلمان کے پاس اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ہے۔

بے وجہ نہیں دل کشیِ صورتِ باطل ÷ باطل میں بھی ہے حق کا تماشا مرے آگے (حسرت صدیقیؔ)

دل میں ایمان کی روشنی ہو تو تمام حقائق منکشف ہوں۔

لطفِ مئے تجھ سے کیا کہوں زاہد ÷ ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

اے بیلوں کی طرح اپنی شریکِ زندگی سے ملنے والو! تم جذبہ محبت اور بے خودیٔ الفت سے واقف نہیں۔ ہمارے پاس محبت بڑا عظیم الشان جذبہ ہے۔ محبت کی بارش آسمان سے ہوتی ہے، عرش سے ہوتی ہے اور مُردہ دلوں کو زندگی عطا کرتی ہے اس کی ناقدری اپنے نفس پر ظلم ہے۔ مرکز محبت سے ملنے کو حیوانی جذبہ سمجھنا حیوانوں ہی کا کام ہے!

جنت میں حوریں ہوں، خدمت کے لئے بوائز یعنی غلمان ملے ہوں بے شک اللہ کی نعمت ہے، اگر ان میں کے اسرار بھی منکشف ہوں تو نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ہے۔ دنیا میں دنیوی نعمتوں کی وجہ سے خدا کی قدوسیت پر کیا برا اثر پڑا ہے کہ آخرت میں

اس سے ملتی ہوئی نعمتیں دی جائیں تو کچھ برا اثر پڑے گا ؟ مسلمانوں کی جنت یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتِ ہے یعنی اس دن کی زمین ہی اور ہوگی اور آسمان ہی اور ۔ اور فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۔ آدمی کو کیا معلوم کہ اس کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک میں کیا چیز چھپائی رکھی ہے اور اُعِدَّتْ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَالَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَمَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ ؛ اللہ کے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں ہیں کہ جن کو نہ آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سنا اور نہ کسی آدمی کے دل پر اس کا خطرہ بھی گزرا ۔ ایک حقیقت ہے جس کا ہر عالم کے لحاظ سے ظہور ہورہا ہے ۔ اچھوں سے اچھا کردار، بروں سے برے افعال اور جب آدمی دوسرے عالم میں منتقل ہوگا تو وہی اعمال و افعال اس عالم کے مناسب حال صورت لیں گے ۔ آیت میں بھی اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ہے ۔ یعنی اس کے افعال کے مشابہ جزا و سزا دی جائے گی ۔ اس مقام پر ہوسکتا ہے کہ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ سے مراد دنیوی نعمتوں سے ملتی جلتی نعمتیں ہوں مگر خاص لذت اور راحت کے ساتھ اور ہوسکتا ہے کہ بے روح اعمال کے ساتھ بے مزہ میوے اور نعمتیں ہوں اور اہلِ اخلاص اور اہلِ اسرار کے لئے ان کے لائق نعمتیں ۔ ہر دم تجلیٔ تازہ کیونکہ تجلی میں عود نہیں ۔ ہوسکتا ہے کہ خود جنت میں ایک قسم کا میوہ کھائیں اور اسی قسم کا دوسرا میوہ کھائیں تو اس کا مزہ ہی کچھ اور ہو ۔ ہر پھل کا مزہ جُدا ہوتا ہی ہے مگر ہر خاص میوے کے فرد کا مزہ ایک دوسرا ہی مزہ رہتا ہے ۔ دنیا میں کیسی ہی اچھی نعمت ہو، راحت ہو، اگر وہ چند روز کے بعد زائل ہوجانے والی ہے تو ہیچ پوچ ہے ۔ وہی نعمت اعلیٰ ہے جو لازوال ہو، جس کو فنا نہ ہو ۔ اس لئے خدائے تعالیٰ نے جنت کے ساتھ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ بھی فرمایا کیونکہ جب نہریں ہوں گی تو درختوں کو پانی پہنچے گا اور وہ تروتازہ اور شاداب رہیں گے مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ کے معنی ہوسکتا ہے کہ درختوں کے نیچے نیچے سے نہریں بہتی ہوں، ہوسکتا ہے کہ زمین میں پائپ لگے ہوں ۔

اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خوش خبری دیتا ہے کہ نیک لوگ جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ۔ اس مقام پر چند ضروری باتوں پر توجہ دلاتا ہوں ۔ ایک چیز جس سے مخاطب بالکل واقف نہیں اس سے مشابہ تر اور قریب تر چیز سے بیان کی جائے گی ۔ ایک گاؤں والے نے نہ برفی کو جانا تھا نہ چکھا تھا ایک واقف کار سے پوچھا کہ برفی کیسی ہوتی ہے؟ اس نے کہا گڑ کے جیسی ۔

دیکھو ! اس ناواقف گاؤں والے کے آس پاس کیا ہے؟ نمک، مرچ، پیاز، ادرک لہسن، آٹا، چاول، گڑ ۔ اس ناواقف کو برفی کا تصور پیدا کرانا چاہیں تو سب سے قریب تر چیز گڑ ہی ہوگی ۔ جنت کی نعمتوں کو بھی اسی طرح سمجھو کہ ہم جن جن الفاظ میں ان کو بیان کرسکتے ہیں ان سب سے بہتر وہی ہوگا جس کو خدائے تعالیٰ نے بیان کیا ہے ۔ برفی کو گڑ کہنا اس سے بہتر ہے کہ کوئی مرچ یا نمک کہہ دے ۔ لہذا میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ خدا کی تعبیرات دوسری سب تعبیرات سے بہتر ہیں ۔ وہ دانا ہے، وہ حکیم ہے، دوسرے نادان ہیں اور ان کی تعبیر ناقص ۔ ہوشمند وہی ہے جو حقیقی تعبیر ممکن نہ ہو تو مثالی تعبیر سے مقصود کو ادا کرے ۔ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ سے بھی صاف معلوم ہورہا ہے کہ وہ مادیات سے پاک اور نقائص سے مبرا ہیں ۔ نادانی سے شبہات پیدا کرنا اپنے جہل کو ثابت کرنا ہے ۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحْیٖٓ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ

اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ
كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ
وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

اِنَّ اللّٰهَ ؛ بے شک اللہ ۔ لَا يَسْتَحْيٖٓ ۔ حیا نہیں کرتا ، نہیں شرماتا ، نہیں رکتا ، نہیں ترک کرتا ۔ حیا کے معنے انسان کے قوائے طبعی کا اپنے کام سے رُک جانا ۔ اپنی غلطی پر شرمانا ندامت ہے ۔ اپنے کئے پر سخت شرمندہ ہونا خجالت ہے ۔ بے شرمی کے ساتھ نہایت جرأت سے برا کام کرنا ، بری بات کہنا اور کسی کی پروا نہ کرنا وقاحت ہے ۔ جو لفظ خدائے تعالیٰ کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں وہ باعتبار انجام کے ہوتے ہیں ۔ پس لَا يَسْتَحْيٖٓ کے معنے نہ چھوڑنے کے ، ترک نہ کرنے کے ہیں ۔ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا ؛ مثال دینا اس بات کو ، کہ مثال دے ۔ مَثَلًا مَّا ۔ کوئی سی مثال ہو مَثَلًا کے ساتھ مَا زیادتِ تنکیر کے لئے ہے ۔

مثال کیوں دی جاتی ہے ؟ جو چیز غیر مرئی اور آنکھوں سے پوشیدہ ہے اس کو ایسی چیز سے مثال دی جاتی ہے جو آنکھوں کے سامنے ہو ۔ مثلاً ہم زید کی بہادری بیان کرنا چاہتے ہیں تو اس کو شیر سے تمثیل دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں زید مثل شیر کے ہے کیونکہ شیر کی بہادری مسلم اور آنکھوں کے سامنے ہے ۔ تمثیل و تشبیہ میں کئی چیزیں ہوتی ہیں ۔ مشبہ ، مشبہ بہ ، وجہ تشبیہ ، غرض تشبیہ ۔

مثال بالا میں زید مشبہ ہے ، شیر مشبہ بہ ہے اور وجہ تشبیہ شجاعت ہے اور غرض تشبیہ زید کی تعریف ہے ۔ مشبہ بہ کے حقیر ہونے سے تشبیہ پر کوئی برا اثر نہیں پڑتا ۔ دنیا کی حقارت بیان کرنا چاہیں تو کہتے ہیں کہ وہ مچھر کے برابر ہے بلکہ اس سے بڑھکر پر پشہ کے برابر ہے ۔ اس تشبیہ سے تحقیر کا اظہار بطرز ادنیٰ ہوتا ہے ۔ غرض کہ جس تشبیہ سے غرض تشبیہ پوری ہوتی ہے وہ اچھی ہے ، چاہے مشبہ بہ اچھا ہو یا برا ، چھوٹا ہو یا بڑا ۔

بَعُوْضَةً ؛ مچھر ، پشہ ۔ بَعْض کے معنے ہیں کاٹنا اور چھوٹا کرنا ۔ مچھر چونکہ چھوٹا ہوتا ہے اس لئے عربی میں اس کو بَعُوْضَةً کہتے ہیں ۔ فَمَا فَوْقَهَا ؛ یا اس سے زیادہ ۔ خواہ جسم میں زیادہ جیسے مکھی ۔ یا چھوٹے اور حقیر ہونے میں زیادہ جیسے پرپشہ ۔ مچھر کا پر ۔ فَاَمَّا پس ، لیکن ۔ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؛ جو ایمان رکھتے ہیں ، جو ایمان لائے ۔ فَيَعْلَمُوْنَ ؛ پس جانتے ہیں ، ان کو معلوم ہے ۔ اَنَّهُ ؛ بے شک وہ ۔ الْحَقُّ ؛ سچ ، درست ، ثابت ۔ عربی میں حَقَّ يَحِقُّ کے معنے ثَبَتَ يَثْبُتُ کے ہیں ۔ امرِ ثابت ، حق و صدق میں فرق ہے کہ خبر اگر واقعہ کے مطابق ہو تو وہ صادق ہے اور واقعہ حق ہے ۔ واقعہ کے ثبوت کی وجہ سے خبر کو بھی حق کہہ دیں تو ہوسکتا ہے ۔

ایک چیز ایک شخص کے ذمہ واجب الادا ہے تو اس پر دوسرے کا حق نکلتا ہے ۔ جو چیز واجب الادا ہو اس کو حق کہتے ہیں

تمام عالم کا وجود جس ذاتِ مقدسہ سے قائم ہے اور جو اپنی ذات سے موجود ہے اور واجب الادا ہے وہ حق ہے ۔ غرض کہ حق کے بارے میں ثبوت و وجود ملحوظ ہے ۔

مِنْ رَّبِّهِمْ ؛ ان کے پروردگار کی طرف سے یعنی جو لوگ صاحبِ علم وفہم ہیں وہ تمثیل کے مقصد کو دیکھتے ہیں غرض تشبیہ اور وجہ تشبیہ اور مشبہ اور مشبہ بہ کو دیکھتے ہیں ۔ مثال سے جو غرض ہے اگر حاصل ہوجاتی ہے تو مان لیتے ہیں اور خدا نے جو تمثیل دی ہے ، اس کا لطف اُٹھاتے ہیں ، اس کا نشہ رکھتے ہیں اور اس سے مزے لیتے ہیں ۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مگر جو منکر ہیں ، حق ناشناس ہیں ، کفر کی تاریکی ان کے دل پر چھاگئی ہے وہ کیا کہتے ہیں ؟ فَيَقُوْلُوْنَ ؛ پس کہتے ہیں مَاذَآ اَرَادَاللّٰهُ ؛ خدا نے کیا چاہا ۔ بِهٰذَا مَثَلًا ؛ اس مثال دینے سے ۔ نادان لوگ ، مکھی ، مچھر ، پرپشہ وغیرہ تشبہات اور تمثیلات کو دیکھ کر کہتے ہیں یہ کیا مثالیں ہیں ؟ اللہ نے ایسی حقیر چیزوں کی کیوں مثال دی ؟ ان جاہلوں کو خبر نہیں کہ مثال دینے سے مطلب کسی چیز کا سمجھانا ہے ۔ حقیر چیز کو حقیر چیز ہی سے تمثیل دی جائے گی ۔ نہ ان کو مشبہ ، مشبہ بہ سے غرض ۔ نہ وجہ اور غرضِ تشبیہ سے مطلب ان کا کام ہے واہی تباہی اعتراض کرنا ، دل میں ایمان نہیں تو بے کار اعتراضات زبان سے نکل رہے ہیں يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ؛ اس ایک مثال سے خدا بہت سوں کو گمراہ کرتا ہے وَيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا اور اسی سے بہت سوں کو ہدایت بھی کرتا ہے ۔ برسنے والے پانی کے پاک اور اچھے ہونے میں کیا کلام ہے ۔ مگر سانپ کے منہ میں زہر بنتا ہے اور زنبورِ عسل کے منہ میں شہد ۔ کہیں کچلہ بنتا ہے کہیں جدوار ۔ لینے والے کی قابلیت ہے ۔ لافنگ گیلری کے آئینے کے سامنے جایئے کہیں آپ موٹے دکھیں گے اور کہیں دُبلے ، کہیں سیدھے کھڑے دکھیں گے اور کہیں سر نیچے اور پیر اوپر ۔ بھلا اس میں آپ کا کیا قصور ہے ؟ آئینہ اپنی استعداد اور قابلیت کے مطابق انعکاس کرتا ہے ۔

قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی سے کوئی فعل صادر یا واقع ہو تو اس کے لئے اسم فاعل یا صفتِ مشبہ کہا جاتا ہے مثلاً جس سے ضرب واقع ہو اس کو ضارب کہتے ہیں ۔ یہاں يُضِلُّ ماقبل سے مل کر معنی رکھتا ہے : ضلال یا گمراہی کو ظاہر کرنے والا ۔ مگر خدائے تعالیٰ کے لئے مُضِلٌّ کا لفظ نہیں کہا جاسکتا ۔ کیونکہ اس کے معنی ہیں گمراہ کرنے والا ۔ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا میں خدا کی صفت مضل نہیں بن سکتی ۔ اسی واسطے اسمائے الٰہی توقیفی ہیں یعنی رسول اللہ ﷺ سے سننے پر موقوف ہیں ۔ جیسے اَلرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ هُوَاللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ وغیرہ وغیرہ ۔ پس اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ سے مُسْتَهْزِءٌ اور مَكَرَاللّٰهُ سے مَكَّارٌ کہنا درست نہیں کیونکہ يَسْتَهْزِئُ اور مَاكِرِيْنَ مشاکلہ کے طور پر ہیں جو پورے جملہ میں درست ہوسکتا ہے اور مفرد درست نہیں وَمَا يُضِلُّ بِهٖ ؛ اور نہیں گمراہ کرتا ہے اس سے ، اور اظہار ضلال نہیں کرتا ۔ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ؛ مگر فاسقوں کو فِسْقٌ کے معنے ہیں نکلنا ۔ عرب کہتے ہیں فَسَقَتِ الرُّطَبَةُ عَنْ قِشْرِهَا ؛ کھجور چھلکے میں سے نکل گیا ۔ فاسق وہ ہے جو گناہ کرکے حکم و اطاعتِ الٰہی سے نکل جائے اس کے کئی درجے ہیں (۱) تَغَابِيْ ؛ کم سمجھی سے ، بے پرواہی کی وجہ سے گناہ کرنا (۲) اِنْهِمَاكٌ گناہ میں بالکل مشغول ہوجانا ، اس کا عادی ہوجانا (۳) جُحُوْدٌ ؛ انکار کرنا ۔ آدمی جب گناہ کرتا ہے تو دل پر سیاہی کا نقطہ آجاتا ہے ۔ شروع شروع ڈرتا ڈرتا گناہ کرتا ہے ، آہستہ آہستہ گناہ کی عادت ہوتی ہے اور خوفِ خدا سے بے پرواہی پیدا ہوتی ہے ، اور بڑھتا ہے تو دل پر اور تاریکی بڑھتی ہے اور لوگوں کے سامنے کھلم کھلا گناہ کرنے لگتا ہے ، پھر احکامِ الٰہی کی تاویل کرنا شروع کرتا ہے ،

پھر تاویل کرنا بھی چھوڑ دیتا ہے اور احکام سے انکار کرنا شروع کردیتا ہے ، پھر اپنے ساتھ دوسروں کو بھی اپنا ہم رنگ بنانا چاہتا ہے جب انسان جحود اور انکار کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے تو کافر ہوجاتا ہے ۔

یہ ہم نے بیان کردیا ہے کہ گناہ مُرْجِیَہ کے پاس ایمان کے رہتے ضرر بخش نہیں ۔ احادیثِ شفاعت دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان دوزخ میں جائیں گے اور حضرتؐ کا نام لے لے کر چلائیں گے ، حضرتؐ کو اس کی اطلاع دی جائے گی اور آپ دربارِ خداوندی میں شفاعت کرکے نکلوالیں گے ۔ خوارج کے پاس گناہ کرنا کفر کے مساوی ہے اور گناہ کرتے ہی آدمی کافر ہوجاتا ہے مسلمان نہیں رہتا ۔ یہ مذہب بھی غلط ہے کیونکہ قرآنِ شریف میں ہے وَاِنْ طَائِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا ؛ اگر مومنوں کی دو جماعتیں باہم قتل وکشت کریں ۔ دیکھو ! باوجود قتل وکشت کرنے کے بھی خدائے تعالیٰ ان کو مومنین فرما رہا ہے یہ لوگ جرم اور بغاوت میں تمیز نہیں کرسکتے ۔ شرک وکفر خدائے تعالیٰ سے بغاوت ہے اور گناہ ، جرم ہے ۔ کفر و بغاوت کی سزا دوزخ میں ہمیشہ رہنا ، جہنم ٹیم یا پھانسی ہے اور گناہ اور جرم کی سزا چند روزہ دوزخ میں یا قید خانہ میں رہنا ہے ۔ معتزلہ کے پاس فاسق گنہگار نہ مسلمان نہ کافر بلکہ ایک درمیانی حالت میں ہے ۔

یہ بات ظاہر ہے کہ کفر و اسلام کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ۔ عدم ایمان کا نام کفر ہے ۔ اَلَّذِیْنَ ؛ جولوگ یَنْقُضُوْنَ ؛ توڑتے ہیں ، رَسّی کا بل کھولتے ہیں ۔ عَھْدٌ ؛ معاہدہ ، محافظت ، خبرگیری ، رعایت ، وصیت ۔ کیونکہ اس کی رعایت کی جاتی ہے لحاظ رکھا جاتا ہے ۔ قسم ، کیونکہ اس کی خبرگیری کی جاتی ہے ۔ تاریخ ، کیونکہ اس کی حفاظت کی جاتی ہے ۔ تاریخ اور عَھْدَ اللّٰہِ سے مراد کیا ہے ؟ فطرت انسانی کا بندگی ، احتیاج اور طاعت کا اقرار کرنا ، احکامِ الٰہی کی بندگانِ خدا کو تبلیغ کرنا ، بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ کی تعمیل ۔

صاحبو ! قرآن میں ہے وَاِذْ اَخَذَاللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِنْ کِتٰبٍ وَّ حِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآئَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ ؕ (ال عمران) تمام پیغمبروں سے عہد لیا گیا کہ اگر نبی کریم محمد مصطفےٰ ﷺ کے زمانہ کو پاؤ تو اُن کی اتباع کرو ، اُن کی مدد کرو ۔ لَوْکَانَ مُوْسٰی حَیًّا مَّا وَسِعَہٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ ؛ اگر موسیٰ میرے زمانے میں ہوتے تو ان سے بجز میری اطاعت و اتباع کے کچھ نہ ہوسکتا ۔ بادشاہوں کے لئے عدل و انصاف ، عامۃ الناس کے لئے حقوق اللہ وحقوق النبی وحقوق الناس کا ادا کرنا فرض اور لازم کیا گیا ۔ ان ہی سب چیزوں سے کل قیامت میں سوال ہوگا ۔ جو عہدِ الٰہی پورا کریں گے وہ سرفراز ہوں گے ، کامیاب ہوں گے ، جو خلافِ عہد کریں گے ان کو عذاب ہوگا ، خدا کا غصہ ان پر نازل ہوگا ۔

مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِہٖ ؛ عہد کے پکا ہونے کے بعد مِیْثَاق کا مادہ وَثَقَ ہے ۔ اعتماد کیا ، مضبوط کیا ۔ وَیَقْطَعُوْنَ ؛ اور کاٹ دیتے ہیں ، منقطع کردیتے ہیں اس رشتہ اور تعلق کو مَآ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖ اَنْ یُّوْصَلَ ؛ جس کے جوڑنے کا خدا نے حکم دیا تھا ۔ وَیُفْسِدُوْنَ ؛ اور فساد کرتے ہیں ، بگاڑتے ہیں ۔ فِی الْاَرْضِ ؛ زمین میں اُولٰٓئِکَ ؛ وہی لوگ ہیں ۔ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ؛ وہی ہیں نقصان اُٹھانے والے ، خسارے میں پڑنے والے ۔ فاسقوں کی تعریف اور ان کے صفات اللہ تعالےٰ نے یہ بتائے ہیں کہ وہ عہدِ الٰہی کو توڑتے ہیں جو ایک فطری امر تھا ۔ اور امر کی اتباع اور نواہی سے اجتناب نہیں کرتے اور دنیا میں شر و فساد

مچاتے ہیں، ظلم وستم، قتل وغارت، بندگانِ خدا سے بدسلوکی کرتے ہیں۔ ان تمام بدعہدیوں کا نتیجہ کیا ہوگا۔ خَسِرَ الدُّنیَا وَالْاٰخِرَةَ ہوگا۔ دنیا تباہ، دین برباد ہوگا۔ انسان کو ہمیشہ فطرتِ خداوندی کا لحاظ رکھنا ضروری ہے جو اس کے خلاف کرتے ہیں تو پھر وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ ؛ انھوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا مگر اپنے آپ کو تباہ کیا۔

ترجمہ:- بے شک اللہ کسی مثال کے بیان کرنے سے نہیں شرماتا ہے (نہیں رکتا ہے۔ جنت، حور وغلمان تو کیا) مچھر بلکہ اس سے زیادہ حقیر چیز کی بھی مثال دینے سے نہیں رکتا۔ پھر جو ایمان دار ہیں وہ تو خوب سمجھتے ہیں کہ یہ مثال حق ہے (اور) خدا کی طرف سے ہے اور جو (بے ایمان ہیں، منکر ہیں) کافر ہیں (حق پوش ہیں) وہ کہتے ہیں کہ خدا کو اس مثال کے دینے سے کیا فائدہ؟ (یہ کیسی مثال ہے؟ اس کا مطلب کیا ہے؟ دیکھو! ایک ہی مثال ہے) اس سے بہت سے (بے سمجھ یا ہٹ دھرم) گمراہ ہورہے ہیں اور بہت سے (حق شناس) ہدایت پارہے ہیں۔ (مگر اس سے کون گمراہ ہورہے ہیں) کوئی نہیں بجز فاسقوں کے (بدکاروں کے) جو مضبوطی کے بعد عہدِ الٰہی کو توڑتے ہیں اور جن تعلقات کے جوڑنے کا خدا نے حکم دیا تھا ان کو کاٹتے ہیں (توڑتے ہیں) اور زمین میں شر وفساد مچاتے ہیں۔ یہی ہیں خسارہ (اور نقصان) اُٹھانے والے (خود کو تباہ کرنے والے)۔

اس مقام پر ایک بات خیال رکھنے کے قابل ہے۔ تم مکان بناتے ہو تو پہلے اس کو سوچتے ہو، اس کا تصور قائم کرتے ہو، نقشہ بناتے ہو، پھر خارج میں گھر بناتے ہو، اسی طرح دنیا میں جو کچھ ہورہا ہے وہ سب عالم مثال میں تھا۔ اسی کی مطابقت سے دنیا میں سب کچھ ہورہا ہے۔ تمہاری حقیقت کے مطابق تمہاری روح بنی، تمہاری روح کا، استعدادات کے مطابق عالمِ مثال میں ظہور ہوا۔ دنیا میں ظہور ہوا۔ دنیا میں جو کچھ ہورہا ہے اسی کے مطابق اوصاف آخرت میں نمایاں ہوگا ان سب میں اصلی چیز تمہاری حقیقت ہے۔ جو چیز جس عالم میں پہنچتی ہے اسی کے مطابق اوصاف و استعدادات نمایاں ہوتے جاتے ہیں۔ دنیا ایک خیال ہے۔ عرب شاعر کہتا ہے۔

اَلْعَیْشُ نَوْمٌ وَالْمَنِیَّةُ یَقْظَةٌ ÷ وَالْمَرْءُ بَیْنَھُمَا خَیَالٌ سَارِیْ

زندگی ایک خواب ہے، موت بیداری ہے، اور ان دونوں کے درمیان انسان ایک چلتا پھرتا خیال ہے کسی بزرگ کا قول ہے اَلنَّاسُ نِیَامٌ فَاِذَا مَاتُوْا انْتَبَھُوْا ؛ لوگ سورہے ہیں۔ مریں گے تو ہوشیار ہوں گے۔ پس صاحبو! اس حیاتِ دنیا کو کیا حقیقی چیز سمجھ رہے ہو؟ ماضی تو خواب ہوچکا ہے، حال بھی خواب ہوجائے گا اور مستقبل بھی۔ مرو گے تو ساری دنیا بھی خواب وخیال ہوجائے گی۔ حقیقی چیز تو وہی ہوگی جو ابدالآباد ہوگی۔ اس کے بعد خدائے تعالیٰ موت وحیات اور حشر کے متعلق اِرشاد فرمائے گا۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

كَيْفَ ؛ کیوں کر، کس طرح، کس حالت میں ۔ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ ؛ خدا کا انکار کرتے ہو ۔ وَكُنْتُمْ ؛ اور تھے تم اَمْوَاتًا ؛ مُردے، معدوم، نیست ۔ فَاَحْيَاكُمْ ؛ پھر تم کو زندہ کیا، تم کو موجود کیا، حیات بخشی ۔ ثُمَّ ؛ پھر يُمِيْتُكُمْ ؛ تم کو مار ڈالے گا ۔ کون رہا ہے کہ تم رہو گے؟ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؛ پھر تم کو زندہ کرے گا ۔ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ؛ پھر تم اسی کے پاس واپس جاؤ گے، واپس کئے جاؤ گے ۔

ترجمہ:- تم اللہ کا کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ تم مُردے تھے پھر تم کو اُس نے حیات بخشی، پھر تم کو موت دے گا، پھر حیات دے گا، پھر اُسی کی طرف واپس جانا ہے ۔

اس سے پہلے خدائے تعالےٰ نے برہانِ ربوبیت کو پیش کیا ہے یعنی اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ تم، تمہارے بزرگ اور دنیا میں جو کچھ ہے سب کا پرورش کرنے والا، پروردگار اور رب، اللہ ہی ہے ۔ اب اس آیت میں برہانِ خالقیت پیش فرماتا ہے اور لوگوں کو ان کی مخلوقیت پر توجہ دلاتا ہے ۔ کیا تم سو (۱۰۰)، دوسو (۲۰۰) سال پہلے تھے یا ہزار برس پہلے تھے یا سو (۱۰۰)، دوسو (۲۰۰) برس کے بعد یا ہزار، دو ہزار برس کے بعد رہو گے؟ موت ایسی چیز نہیں جس سے کوئی انکار کر سکے ۔ نہ فرعون رہا نہ ہامان، نہ شداد نہ نمرود ۔ ہزاروں آئے اور خدائی کے دعوے بھی کئے ۔ مگر ہوا کیا؟ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۔

تمہارا وجود، دو عدموں کے بیچ میں ہے ۔ پہلے بھی عدم تھا، بعد بھی عدم ہے ۔ تمہارا وجود کیا ہے؟ لوہار کے ہتوڑے کے نیچے سے اُڑنے والی چنگاریاں! اس ادنیٰ سی زندگی پر کیوں پھول رہے ہو؟ وجود کیا تمہارا عینِ ذات ہے یا لازمہ ذات؟ ہرگز نہیں! اگر وجود عینِ ذات یا لازمہ ذات ہوتا تو تم سے کبھی جدا نہ ہوتا کیونکہ ذات سے ذاتیات اور اس کے لوازم کبھی جدا نہیں ہوتے ۔ پس معلوم ہوا کہ وجود تمہارے لئے اصلی نہیں، تمہارا وجود ذاتی نہیں ۔ آخر یہ آیا کہاں سے؟ ایک ایسی ذات کے پاس سے جس کا وجود اصلی ہے، ذاتی ہے ۔ سب اسی کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں ۔ وہ صمد ہے، حق ہے ۔ تم بندے ہو، اس کے مخلوق ہو ۔

دیکھو! خدا اوامر بھی رکھتا ہے، نواہی بھی رکھتا ہے ۔ صرف خدا کو مان لینا کافی نہیں ہے بلکہ ہمارا ایمان خوف و رجا دونوں کے درمیان رہنا چاہئیے ۔ دنیا میں اگر جزا و سزا نہ ملے تو قیامت ہونے والی ہے، احکم الحاکمین کے دربار میں جانا ہے، وہ ہر ایک کو اس کا حق دلائے گا، نیک کو نیکی کی جزا دے گا اور بد کو بدی کی سزا ۔ تعجب کی کیا بات ہے؟ ذرا غور کرو! جو سوتا ہے وہ جاگے گا، جو جاگتا ہے وہ سوئے گا ۔

صاحبو! ہم کہاں تھے؟ اس ذاتِ بے چون و بے چگونہ کے دامن میں چھپے ہوئے تھے ۔ اس کی رحمت نے ہم کو ظہور کا لباس پہنایا ۔ اب ہم کو ایسے کام کرنے چاہئیں جو اس سے جدائی نہ پیدا کریں، دوری کا باعث نہ بنیں، غضب کا موجب نہ ہوں، خوشی خوشی مریں، خرمی کے ساتھ اُٹھیں، خدا کی رضا مندی کی جنت میں جائیں اور دامنِ الٰہی میں مثلِ سابق چھپ جائیں ۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ
فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾ ع ۳

هُوَ ؛ وہ ۔ اَلَّذِيْ ؛ جو، جس نے ۔ خَلَقَ لَكُمْ ؛ تمہارے لئے پیدا کیا ۔ مَا فِي الْاَرْضِ ؛ جو زمین میں ہے ۔ جَمِيْعًا ؛ تمام ۔ ثُمَّ اسْتَوٰى ؛ پھر متوجہ ہوا، سیدھا ہوگیا ۔ باب اِفتعال ہے ۔ سَوْءٌ اور سَوَاءٌ اس کا مادہ ہے اِلَى السَّمَآءِ ؛ آسمان کی طرف ۔ فَسَوّٰىهُنَّ ؛ پھر ان کو درست بنایا ۔ باب تَفْعِيْلٌ ہے ۔ سَبْعَ ؛ سات ۔ سَمٰوٰتٍ ۔ سَمَاءٌ کی جمع ہے ۔ آسمان ۔ وَهُوَ ؛ اور وہ ۔ بِكُلِّ شَيْءٍ ؛ ہر شئے کو ۔ عَلِيْمٌ ؛ جانتا ہے، عَالِمٌ اسمِ فاعل ہے اور عَلِيْمٌ صفتِ مشبہ ہے ۔ صفتِ مشبہ دوام، استمرار اور ہیشگی پر دلالت کرتی ہے جو طبیعی یا مثل طبیعی کے دائمی ہو ۔

ترجمہ :- وہی (خدا) تو ہے جس نے تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے پیدا کیا پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور ان کو سات آسمان بنایا اور وہ سب کچھ جانتا ہے (کونسی چیز ہے جو اس سے چھپی ہوئی ہے ؟)

خدائے تعالیٰ اپنی شانِ ربوبیت کی طرف بندوں کو متوجہ کر رہا ہے اور اپنے احسانات یکے بعد دیگرے بیان کرتا جارہا ہے منجملہ اس کے فرماتا ہے کہ جو کچھ زمین میں ہے اس کو ہم نے تمہارے فائدے کے لئے پیدا کیا ہے ۔ پس اصل ہر چیز میں حِلت ہے اور حرمت کے لئے دلیل کی ضرورت ہے ۔ جس چیز کے کھانے پینے کی ممانعت کی گئی ہے اس میں انسان کا نقصان ہے ۔ اگر کھانے پینے سے روکا ہے تو دوسرے قسم کے استعمال سے نہیں روکا ۔ شراب پی نہیں سکتے مگر زخم کو اس سے دھو سکتے ہیں ۔ سنکھیا کھا نہیں سکتے مگر اس کی مدد سے بندوق کی گولیاں اور چھرے ڈھال سکتے ہیں، سوئی، چاقو وغیرہ کو آب دے سکتے ہیں ۔ اسی طرح تمام چیزوں کی حالت ہے ۔ تریاق میں ناگ سانپ پڑتا ہے ۔ بعض زخموں میں بچھو کا تیل کام آتا ہے ۔ غرض جو جتنا غور کرے گا اسے معلوم ہوگا کہ ہر چیز فائدے کے لئے ہے مگر اس کے علم اور صحیح استعمال کی ضرورت ہے رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ؛ مالک ! تو نے اس کو بے کار نہیں پیدا کیا ۔ کیا ہم ہر چیز کو استعمال کر سکتے ہیں ؟ اہلِ حق کا مذہب یہ ہے کہ ہر چیز کو استعمال کر سکتے ہیں اور اس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں مگر جن چیزوں کے استعمال سے ممانعت کی گئی ہو ۔ یعنی اصل حلت ہے ۔ اور بعض کے پاس اصل اشیاء میں حرمت ہے ۔ ساری خدائی خدا کی ہے، مالک کے بغیر اجازت کسی چیز میں تصرف نہیں کر سکتے ۔ غرض کہ ان کے پاس اصل حرمت ہے اور اجازت کے علم کی ضرورت ہے مگر پہلا مذہب حق ہے جیسا کہ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا سے معلوم ہوتا ہے یعنی زمین میں جو کچھ ہے تمہارے لئے پیدا کیا گیا ہے ۔ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؛ پھر خدائے تعالیٰ نے آسمانوں کی طرف قصد کیا اور ان کو بہت سے آسمان بنائے عربی میں سبع بمعنی سات کا لفظ کثیر اور بہت کے معنی میں آتا ہے اور سماء کا لفظ ہر اس چیز کو جو اوپر ہو، کہا جاتا ہے، ابر ہو یا ستارے ہوں یا کوئی اور چیز ۔ قرآن شریف میں ہے : اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ ؛ یعنی ہم نے قریب تر کے آسمان کو کواکب یعنی

ستاروں سے زینت دی ۔ جیسے چھت کے نیچے قندیلیں لٹکتی ہیں ۔ اس آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام مادی دنیا پہلے آسمان کے اندر ہے، ایک دوسری آیت میں ہے زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنیَا بِمَصَابِیْحَ ہم نے قریب کے آسمان کو چراغوں یعنی ستاروں سے زینت دی ۔ یہ آیت بھی ہمارے خیال کی تائید کرتی ہے ۔ اس مادی دنیا کے اوپر اور کچھ عوالم ہوں تو کیوں انکار کیا جائے ۔ جلد باز علماء کی بڑی سبک سری ہے کہ جہاں دو چار باتیں معلوم ہوئیں کہ سمجھنے لگے کہ ہم نے ساری خدائی کو پالیا، احاطہ کرلیا، حالانکہ مَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّاھُوَ ؛ خدا کے لشکروں کو خدا ہی جانتا ہے ۔ صاحبِ کشف و عرفان جانتے ہیں کہ کونسی مخلوقات ہیں ۔جن ہیں ، ملائکہ علوی ہیں ، سفلی ہیں ۔کون کون سے عوالم ہیں ۔ عالمِ مثال کے کتنے درجات ہیں بعض سے بعض اعلیٰ ہیں ۔ اوپر کا درجہ نیچے کے درجے کے لحاظ سے گویا آسمان ہے ۔ مذہب کو سائنس سے ہرگز نہ ملانا چاہئیے ۔ مادیات کا روحانیات سے کیا تعلق ، بنڈی کا طیارے سے کیا تصادم ؟ مادیات والوں کے نظریئے اور خیالات ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں ، بدلتے رہیں گے اس سے مذہب کو کیا مطلب ؟

ایک زمانہ تک بظاہر بطلیموسی نظام کا زور تھا ۔ ان کے خیال میں زمین ، زمین پر پانی کا کرہ ، ہوا پر ایتھر کا کرہ ، اس پر فلکِ قمر ، اس پر فلکِ عطارد ، اس پر فلکِ زہرہ ، اس پر فلکِ شمس ، اس پر فلکِ مریخ ، اس پر فلکِ مشتری ، اس پر فلکِ زحل ، اس پر فلکِ ثوابت ، اس پر فلکِ اطلس ۔

آج کل نظامِ فیثا غورثی کا زور ہے ۔ زمین کا ایک ٹکڑا اس سے نکل کر قمر بنا اور وہ زمین کے گرد پھر رہا ہے ۔ زمین اور دیگر سیارے شمس یعنی آفتاب سے نکل کر اس کے گرد پھر رہے ہیں ۔ زمین شبانہ روز بھی اپنے محور پر ایسا گھومتی ہے جیسے دھرے پر پہیا ، تکلے پر چرخہ ۔ ہر شش ماہ میں کبھی ایک جانب شمس کی طرف مائل ہوتی ہے کبھی دوسری طرف اور سال بھر میں مع قمر یعنی چاند کے ، شمس کے اطراف گردش کرتی ہے دیگر سیارے بھی زمین کی طرح شمس کے اطراف گھومتے ہیں ان کی ترتیب حسب ذیل ہے :-

شمس سے قریب تر عطارد ، اس کے بعد زہرہ ، اس کے بعد زمین ، اس کے بعد مریخ ، اس کے بعد چھوٹے چھوٹے سیارے ہیں ، اس کے بعد مشتری ، اس کے بعد زحل ، اس کے بعد یوری نَس ، اس کے بعد نپ چون ۔ یہ ثوابت جو باریک باریک چھوٹے چھوٹے روشن اجرام نظر آتے ہیں سب آفتاب ہیں ۔ ان میں سے بعض ہمارے شمس سے بڑے ہیں ، بعض چھوٹے ہیں ۔ یہ شموس گردش میں ہیں ۔ دو دو کی جوڑیاں باہم ایک دوسرے کے گرد گردش کرتی ہیں یا سب ایک شمس الشموس کے گرد گردش کر رہے ہیں ۔ مذہبی لحاظ سے یہ ایک خدا کی قدرت کا تماشا نظر آتا ہے ۔ مجموعہ عالم ایک نظامِ قدرتِ الٰہی معلوم ہوتا ہے اور سب سے اس کے مسخر ہونے کا ثبوت ملتا ہے ۔

اک ہم آہنگی سب میں ہے موجود ÷ جو سراغِ رہِ حقیقت ہے (حسرت صدیقی)

مگر ہم کو کیا پڑی ہے کہ نظامِ بطلیموسی کے تابع اپنے مذہب کو بنائیں اور خواہ مخواہ فلکِ ہشتم کو کرسی اور فلکِ نہم کو عرش مانیں یا ہم اپنے مذہب کو نظامِ فیثا غورثی کے تابع بنائیں اور شمس کی حرکت کو کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ سے ثابت کریں ۔

نصیحت کرنے میں ، بات چیت کرنے میں مذہبی آدمی کو یا بطلیموسی کو یا فیثا غورثی کو سب کو یہی کہنا پڑتا ہے کہ آسمان

ہمارے سر پر ہے، آفتاب فلاں برج میں ہے۔ ہبوط میں ہے یا شرف میں۔قمر فلاں منزل میں ہے یا برج میں ہے۔ کام کاج میں فائدہ اُٹھانے کے وقت الگ طرح کی گفتگو کرتے ہیں اور بیانِ حقائق وہیئت کے وقت جدا طرح کی گفتگو ہوتی ہے۔ ہم نہ کسی سے لڑتے ہیں نہ کسی کے خیالات کے مطابق اپنے مذہب کو تابع بناتے ہیں۔ ہمارا آسمان زمین ہی اور ہے، ہم کو روحانیات سے غرض ہے نہ مادیات سے۔

او خدا کی خدائی اور نوامیسِ الٰہی کو جان لینے کا دعویٰ کرنے والے! او! ناقابلِ ذکر جگہ سے نکل کر ناقابلِ بیان مقام میں پرورش پانے والے جرثومہ! ذرا بتا تو دے تو سارے شہر میں کتنا ہے؟ تیرا شہر ہندوستان میں کتنا؟ ہندوستان کرہ زمین پر کتنا ہے؟ یہ زمین آفتاب کے سامنے کتنی ہے؟ تیرا آفتاب نہر المجرہ کہکشاں کے کروڑہا کروڑ آفتابوں کے سامنے کیا حقیقت رکھتا ہے؟ ان آفتابوں کے ساتھ کتنے سیارے ہیں؟ ان سیاروں کے کتنے چاند گردش کر رہے ہیں؟ ان سیاروں میں کس کس قسم کی مخلوق آباد ہے؟ ان کرات میں کیا کیا نوامیسِ الٰہیہ کارفرما ہیں؟ اپنی زبان کے گھوڑے کو روک! خدا کے سامنے سپر تلوار ڈال دے! چھوٹا منہ بڑی بات نہ کر! تو نے اپنی حقیقت کو کب دریافت کیا کہ دوسرے حقائق دریافت کرلے گا؟ فرشتوں کی اتباع کر۔ سُبْحٰنَکَ لَاعِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَاعَلَّمْتَنَا کا اعتراف کر۔ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا پر ایمان لا ہر آن سرِ تسلیم و عجز جھکا دے اور چلے چل۔

تکوینِ عالم اور پیدائشِ مخلوقات کے متعلق مذاہب میں مختلف امور بیان کئے گئے ہیں، ان میں اکثر استعارات ہیں۔ ان مجازات سے حقیقت کی طرف راستہ نکال لینا ایک کٹھن منزل ہے۔ اتنا تو سب کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایک حقیقی وجود رکھنے والا عِلّتُ العِلل اور مسببُ الاسباب ضرور ہے اور وہ اللہ ہے، خدا ہے، ''گاڈ'' ہے، غرض کہ ہے ضرور! مادیات کا مرجع ایک مجرد عن المادیات ہے، پاک ذات ہے! اس کے صفات میں حیات ہے، علم ہے، علم میں اس کے معلومات ہیں، اس میں قدرت بھی ہے۔ علم و قدرت کے اجتماع سے تمام عوالم خواہ مادی ہوں یا غیر مادی، ظاہر و نمایاں ہوئے۔ ہر نقطہ پر ایک اعتباری حقیقت پیدا ہوتی ہے، جو اپنے لوازم و خواص کے ساتھ رہتی ہے۔ ہمارے جتنے کمالات ہیں سب اسی سرچشمہ سے نکلے ہیں۔ ہم اس سے جس قدر دور ہوتے گئے کمزوری بڑھتی گئی، عیوب و نقائص پیدا ہوتے گئے۔ ہر تعین کچھ نہ کچھ ضرور کھوتا ہے اور اس میں عدم کی ترقی ہوتی ہے۔ وجود خیر ہے اور عدم شر۔ تعین کو توڑو اور اعدام سے منہ موڑو تو وجودِ حقیقی اور ہستی مطلق سے قریب ہوگے۔ تمام انبیاء و رسل، پیغمبر اور اوتار کی جدو جہد شرور سے بچانے میں ہے۔ وہ خیرِ محض و وجودِ مطلق کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ جنت قرب و رضائے الٰہی کا مظہر ہے اور جہنم اس سے بُعد اور اس کے غضب کا محل۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۰

وَاِذْ ؛ اور جب ۔ فعلِ مقدر ۔ اُذْکُرْ سے متعلق ہے یا ابتداء خلقی مبتداء مقدر کی خبر ہے ۔ قَالَ رَبُّکَ ؛ تمہارے رب نے کہا ۔ لِلْمَلٰٓئِکَةِ ؛ فرشتوں سے ۔ مَلَائِکَة مَلَکٌ (بفتحتین) کی جمع ہے ۔ اس کے مادہ میں زبردستی اور قوت ملحوظ ہے ۔ مَلِکٌ (بفتحہ م) بادشاہ ، مالک ، آقا ۔ اِنِّیْ ؛ بے شک میں ۔ جَاعِلٌ ؛ پیدا کرنے والا ہوں ۔ فِی الْاَرْضِ ؛ زمین میں ۔ خَلِیْفَةً ؛ نائب ، قائم مقام ۔ خَلْفٌ کے معنے پیچھے ۔ نائب اصل کی غیبت میں کام کرتا ہے ۔ یہاں خلیفہ سے مراد وہ شخص ہے جس میں شانِ حکومت ہو ، تصرف وقوت ہو ۔ اس کی جمع خلفاء ہے یہ تاء اسمیت کی ہے تانیث کی نہیں ۔ قَالُوْا ؛ فرشتوں نے عرض کیا ۔ اَتَجْعَلُ فِیْهَا ؛ کیا تو زمین میں ایسے کو پیدا فرماتا ہے ۔ مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا ؛ جو زمین میں شر وفساد پھیلائے گا ۔ فَسَدَ یَفْسُدُ فَسَادًا ؛ بگڑنا ، خراب ہوجانا ۔ اِفْسَادٌ ؛ بگاڑنا ، خراب کرنا ، تباہ کرنا ۔ باب اِفْعَال ہے جو فعلِ لازم کو متعدی بناتا ہے ۔ وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ ؛ اور خوں ریزی کرے گا ۔ سَفَکَ یَسْفِکُ سَفْکًا (باب ضَرَبَ سے) ، بہانا ۔ سَفْکٌ ؛ آنسو اور خوب بہانا ۔ سُبْکٌ ؛ چاندی ، سونے کو پگھلا کر موس میں ڈالنا ۔ سَنٌّ ۔ مشک کے منہ سے پانی وغیرہ ڈالنا سَنٌّ ۔ آہستہ آہستہ بہانا ۔ اَلدِّمَاء جمع دَمٌ ؛ خون ۔ دَمٌ اصل میں دَمَوٌ تھا ۔ آخر سے واو گر گیا اور دِمَاءٌ دِمَاوٌ تھا ۔ الف کے بعد واو ہمزہ سے بدل گیا جیسا کہ کِسَاوٌ کِسَاءٌ ہوگیا ۔ وَنَحْنُ ؛ اور حالانکہ ہم نُسَبِّحُ ؛ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں سَبَحَ ؛ تیرا ، پاک ہوا ۔ سَبَّحَ ؛ پاک کیا ، اظہارِ پاکیزگی کیا ۔ نُسَبِّحُ ؛ ہم تسبیح کرتے ہیں ۔ بِحَمْدِکَ تیری تعریف کے ساتھ ، تیری حمد کے ساتھ ۔ اختیاری عمدہ کام ، عمدہ صفت پر حمد ہوتی ہے ۔ یہ مرتبہ واحدیت اور بشرط شئے کا ہے ۔ وَنُقَدِّسُ لَکَ ؛ اور ہم تیری کمالِ پاکیزگی کو بھی بیان کرتے ہیں ۔ صوفیہ کے پاس تعینات سے پاکیزگی اور لوازمِ امکان سے مُنَزَّہ ہونے کو تسبیح کہتے ہیں ۔ اور تسبیح شانِ تنزیہ کی ہوتی ہے ۔ اس کو مرتبہ احدیت کہتے ہیں ۔ یہ مرتبہ بشرط لاشئے بھی کہلاتا ہے اور شانِ لاتعین ، قید اور بے قید دونوں سے آزاد ہونے کو تقدیس کہتے ہیں ۔ اس مرتبہ کو لابشرط شئے و وحدتِ مطلقہ بھی کہتے ہیں ۔ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ میں هُوَ وحدتِ مطلقہ اور مرتبۂ تقدیس پر اور اَلْاَوَّلُ احدیت و مرتبۂ تسبیح وتنزیہ پر اور اَلْاٰخِرُ واحدیت اور مقامِ حمد پر دلالت کرتے ہیں ۔

واضح ہو کہ تسبیح زبانِ قال سے بھی ہوتی ہے ، دل سے بھی اور زبانِ حال سے بھی ۔ مصنوع زبانِ حال سے اپنے صانع کے کمالات کو اور اس کے عیوب ونقائصِ مخلوقات سے پاک ہونے کو بیان کرتا ہے ۔ یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؛ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کی تسبیح کرتے ہیں ۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؛ کوئی شئے ایسی نہیں جو اس کی تسبیح وتحمید نہ کرتی ہو مگر تم ان کی تسبیح کو دریافت نہیں کرتے ، سمجھتے نہیں ۔ قَالَ ۔ اللہ نے فرمایا ۔ اِنِّیْ اَعْلَمُ ؛ میں جانتا ہوں ۔

ہوسکتا ہے کہ اَعْلَم فعلِ مضارع واحد متکلم ہو اور مَالَا تَعْلَمُوْنَ جو تم نہیں جانتے اس کو میں جانتا ہوں اور ہوسکتا ہے کہ اَعْلَمُ افعل التفضیل کا صیغہ ہو یعنی میں سب سے زیادہ جانتا ہوں اس کو جس کو تم جانتے نہیں ۔ اَعْلَمُ مضاف اور مَالَا تَعْلَمُوْنَ ؛ مضاف الیہ ۔

ترجمہ:- (تم ہمارے اس احسان کو بھی یاد کرو) جب کہ تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا، ''میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں'' (فرشتوں نے) عرض کیا'' کیا تو زمین میں ایسے کو پیدا کرے گا جو شر و فساد پھیلائے گا خوں ریزی کرے گا، حالانکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح و تقدیس بھی کرتے ہیں''۔ (اللہ نے) فرمایا'' میں (ان اسرار کو) جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے''۔

فرشتوں نے آدم کے نا قابلِ خلافت وحکومت ہونے پر، ان کی قوتِ شہوی رکھنے پر یُفْسِدُ فِیْهَا سے اشارہ اور قوتِ غضبی پر یَسْفِکُ الدِّمَآءَ سے اشارہ کیا اور اپنے عابد و زاہد ہونے کو نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ سے ظاہر کیا تسبیح وتحمید کا معاوضہ قربِ الٰہی ان کو حاصل تھا۔ انہوں نے اس پر قناعت نہیں کی اور اپنی خلافت وحکومت کا استحقاق ظاہر کیا۔ آدمؑ کی جامعیت پر ان کی نظر نہیں پڑی۔ جو لوگ ظاہر و باطن دونوں کی صلاحیت رکھتے ہیں ان کو خلفائے راشدین کہتے ہیں۔ جو دنیوی انتظامات اور مادی آئین وقوانین سے واقف ہوتے اور ان پر عامل ہوتے ہیں ان کی عاقبت خراب سہی مگر حکومت ضرور ملتی ہے۔ آپ عابد و زاہد، عالم و عارف ہیں تو آپ کو آخرت میں جنت ملے گی، دنیا میں آپ کو پیشوائی اور رہنمائی فرمانا چاہئیے، آپ خود حکومت کی خواہش نہ کریں، اس میں آپ کو کامیابی نہ ہوگی۔ بہت سے بزرگانِ ملّت نے شریعت کے مطابق حکومت وسلطنت چلانے کا ارادہ کیا مگر عَبِیْدُ الدِّرْهَمِ وَالدِّیْنَارِ پرستوں نے ساتھ نہ دیا، دنیا کے عوض آخرت کو بیچ دیا، فاسقوں کے تیغ وتبر بن گئے، کافروں کی غلامی اختیار کی، ان کی خاطر مسلمانوں کی گردنیں کاٹیں، مقاماتِ مقدسہ پر قبضہ کروادیا۔ ماشاء اللّٰہ۔

اوحق گو! حق پرستو! تم نے اپنا فرض ادا کیا۔ خدا و رسول کے لئے جدوجہد کی اور ان سے جا ملے۔ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ ؛ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی، یہ اپنے پروردگار سے ڈرنے کا نتیجہ ہے

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ
بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝

وَعَلَّمَ ؛ اور تعلیم دی۔ اٰدَمَ۔ آدم کو۔ اَلْاَسْمَاءَ کُلَّهَا ؛ تمام چیزوں کے نام، اَسْمَآءَ الْاَشْیَاءِ ۔ ثُمَّ ۔ پھر۔ عَرَضَهُمْ ؛ ان چیزوں کو پیش کیا۔ اس میں ذوی العقول کی تغلیب ہے اس لئے عَرَضَهُمْ فرمایا عَرَضَهَا نہ فرمایا عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ؛ فرشتوں پر۔ فَقَالَ ۔ پھر خدا نے فرمایا۔ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ ؛ مجھے بتلاؤ۔ بِاَسْمَآءِ ۔ ناموں کو۔ هٰٓؤُلَآءِ ؛ ان کے۔ هٰذَا کی جمع هٰٓؤُلَآءِ ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ ؛ اگر ہو تم۔ صٰدِقِیْنَ ؛ سچے۔

ترجمہ:- (اور اللہ تعالیٰ نے) تمام چیزوں کے نام آدم کو سکھا دیئے پھر تمام چیزوں کو ملائکہ (یعنی فرشتوں) کے

سامنے رکھ دیا پھر فرمایا کہ ان کے نام بتلاؤ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچّے ہو (کہ آدم مستحقِ خلافت و حکومت نہیں اور تم مستحقِ خلافت وحکومت ہو)۔

آدمؑ کی فطرت ایسی جامعِ کمالات و اوصاف ہے کہ کوئی اس سے سبقت نہیں لے جاسکتا۔ وہ حقائقِ اشیا کو جانتا ہے۔ آگ، پانی، مٹی، پتھر سب اس کی حکومت اور قبضۂ قدرت میں ہیں۔ تمام حیوانات اس کے سامنے گردن جھکائے ہوئے ہیں تمام نباتات کھڑے اس کا منھ تک رہے ہیں، جمادات اس کے زیرِ قدم پامال ہو رہے ہیں۔ وہ جِنّات کو شیشہ میں اُتارتا ہے۔ عروج وترقی کرتا ہے تو نعلین پہنے عرشِ عظیم تک پہنچتا ہے (ﷺ) فرشتے کہہ اُٹھتے ہیں: وَمَا مِنَّآ اِلَّا وَلَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ؛ جبرئیل پکار اُٹھتے ہیں: اگر یک سرِ موئے برتر پرم ÷ فروغ تجلی بسوزد پرم

سر میں ہوا بھرتی ہے تو خدائی کا دعویٰ کر بیٹھتا ہے۔ گرتا ہے تو اتنا گرتا ہے کہ اسفل السافلین تک پہنچ جاتا ہے۔ تلسی کی، بڑ کے درخت کی، آگ کی، مٹی کی، سانپ کی، ستاروں کی، سب کی پوجا کرتا ہے۔ گئو ماتا کا موتر پیتا ہے۔ ذرا دیکھو! اس کا کتنا عروج ہے اور کتنا نزول! صاحبِ فہم کے لئے۔ دوسری چیزوں کو چھوڑو، خود انسان میں خدائے تعالیٰ کے اوصاف وکمالات کے تماشے بھرے ہیں۔ وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔

کونسی شئے ہے جو نہیں مجھ میں ÷ اک طلسمات کا پُتلا ہوں میں (حسرت صدیقی)

انسان نے جو کچھ کیا اور جو کچھ کر رہا ہے اور کرے گا سب اسی حقیقتِ انسانیہ کی تفصیل ہے۔ دادا کی قابلیتیں پوتوں سے ظاہر ہو رہی ہیں، ہمارے تمام کمالات کا سرچشمہ بابا آدمؑ ہی ہیں۔ عینِ ثابتہ، حقیقتِ ممکنہ ومعلوماتِ الٰہی کے مضمرات و استعدادات کا ظہور عالمِ ارواح میں، ان کا ظہور عالمِ مثال میں، ان کا ظہور عالمِ شہادت، ناسوت، مادیات میں ہوتا ہے۔ دلِ دانا وچشم بینا رکھتے ہو تو عالمِ مثال میں اب بھی اس کا نقشہ دیکھ سکتے ہو۔ وہاں ماضی، حال، مستقبل سب کچھ ہے۔ تم بے اختیاری سے اکثر بے سروپا خواب دیکھتے ہو وہ خیالِ متصل ہے۔ اسی طرح صاحبِ کشف عالمِ مثال کو دیکھتا ہے۔ انشاء اللہ آئندہ کہیں مناسب مقام پر اس کی تحقیق وتفصیل کی جائے گی۔

اِلٰہی! ہمارا امتحان نہ لے۔ لے تو بابا آدمؑ کی طرح لے، پہلے سکھا پڑھا، پھر میدانِ امتحان میں سے کامیاب و فائز المرام نکال۔ آمین۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝

قَالُوْا؛ فرشتوں نے عرض کیا۔ سُبْحٰنَکَ؛ تو پاک ہے۔ اصل میں نُسَبِّحُکَ سُبْحَانًا تھا۔ یہ مصدر ہے، مفعولِ مطلق ہے۔ فعل حذف کیا گیا مفعولِ مطلق مفعول بہ کی طرف مضاف کردیا گیا۔ لَاعِلْمَ لَنَا؛ ہم کو کچھ علم نہیں۔ اِلَّا مَاعَلَّمْتَنَا؛ مگر اس قدر علم ہے جس قدر تو نے ہم کو تعلیم دی۔ مَا مصدری ہے کیونکہ مستثنٰی منہ علم ہے جو مصدر ہے۔ اِنَّکَ اَنْتَ؛ بے شک تو ہی اَلْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ؛ علم والا ہے، حکمت والا ہے۔ تو آدم کی استعداد کو سرِ خلافت کو جانتا ہے، تیرا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

صاحبو ! انسان کی استعداد اور اس کی قابلیت کی کچھ انتہا نہیں ، اس کے معلومات کی حد نہیں ، فرشتے ہوں یا کوئی اور مخلوق ، سب کا علم محدود ہے ۔ جس کام کے لئے وہ مخلوق ہوئے ہیں اسی کے لائق ان کو علم دیا گیا ہے ان کا علم قابلِ ترقی نہیں ۔ جو کچھ ہے ان کو ابتدائے خلقت ہی سے مل جاتا ہے ۔ تفکر اور استنباط بالکل کم بلکہ ندارد ۔ حضرت انسان غور سے مطالعہ کرتے ہیں ، ہوشیاری سے ترکیب و تحلیل کرتے ہیں ، استخراجِ جزئیات ، استخراجِ کلیات و تحصیل نتائج کرتے ہیں ، ہمیشہ اختیار و امتحانِ نتائج کرتے رہتے ہیں ۔ کسی مرتبہ پر قناعت نہیں کرتے ، خود محنت کرتے ہیں ، دوسروں سے مدد حاصل کرتے ہیں کتاب و کتابت سے بھی کام لیتے ہیں ۔ مادیات ، روحانیات جس کے پیچھے لگ پڑتے ہیں کچھ نہ کچھ حاصل کئے بغیر نہیں رہتے

ترجمہ :- (فرشتوں نے) عرض کیا ، تو پاک ہے ، ہم کو اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہم کو دیا ۔ بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے ۔

قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝

قَالَ ؛ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ يٰٓاٰدَمُ ؛ اے آدم ۔ اَنْۢبِئْهُمْ ۔ ان سے بیان کردے ۔ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ؛ ان چیزوں کے نام ، ان کے حقائق ۔ خواص و لوازم جب بیان کئے جائیں گے تو ضرور الفاظ و اسماء کا واسطہ ہی پڑے گا ۔ فَلَمَّآ ؛ پھر جب ۔ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ؛ آدم نے فرشتوں کو جب چیزوں کے نام بتلا دیئے ۔ قَالَ ؛ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ اَ ۔ کیا ۔ لَمْ اَقُلْ ؛ میں نے نہیں کہا تھا ۔ لَكُمْ ؛ تم کو ، تم سے ۔ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ ؛ بے شک میں جانتا ہوں ۔ غَيْبَ ۔ پوشیدہ ، نظر سے دور چیزیں ۔ خدا کے لحاظ سے کوئی شئے غیب نہیں ، ہمارے لحاظ سے غیب ہے ۔ خدا کی ذاتِ مقدسہ ، حقیقتِ حقہ ، غیبِ مطلق ہے ، نہ انسان ، نہ جن ، نہ ملک ، کوئی اس کو کما حقہ ادراک نہیں کرسکتا ۔ خدا کی ذات تو بہت اعلیٰ وارفع ہے ، اپنی ہی ذات اور اس کے واجب جل مجدہ سے ربط کو کب جان سکتا ہے ؟ بعض چیزیں بعض کی نسبت سے حاضر ہیں اور بعض کی نسبت سے غیب یا غائب ۔ ممکنات کا وجود ہی بالعرض ہے تو علم کیونکر بالذات ہوگا ۔ علم بالذات ، علم ذاتِ حقہ ، علم جمیع ممکنات ، خاصہ اِلٰہی ہے بندوں میں اس کو ماننے سے شرک لازم آتا ہے ۔ باقی تمام غیب اضافی ہیں ۔ ان سے کسی کو موصوف سمجھنے سے شرک لازم نہیں آتا ۔ شرک ، صفتِ خاصہ الٰہی میں ہوتا ہے ۔ بعض دشمنانِ مسلمین ہیں کہ مسلمانوں کے کافر سمجھنے کو دین و ایمان اور کمالِ تقویٰ جانتے ہیں ۔ مردود علیہم قولہم ۔

غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؛ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ پوشیدہ ہے ، آسمان و زمین کے اسرار اور رازوں کو میں جانتا ہوں ۔ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ ؛ اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو ، آدم کے نقائص اور اپنے فضائل ۔ بَدْوٌ مادّہ اِبْدَاءٌ مصدر ۔ بابِ افعال وَمَا كُنْتُمْ ؛ اور جو تم تھے تَكْتُمُوْنَ تم چھپاتے (اپنے استحقاقِ خلافت کو) كَتَمَ ، كِتْمَانًا ؛ چھپانا ۔ باب نصر سے ۔

انسان کے لئے غیب اضافی ماننے سے شرک لازم نہیں آتا

ترجمہ :- (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا ۔ اے آدم ! تو انہیں ان کے نام بتلا ۔ پھر جب آدم نے فرشتوں کو ان کے نام بتلا دیئے تو (اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے) فرمایا ۔ کیا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے غیب کی باتیں جانتا ہوں اور تم جو ظاہر کرتے ہو اور چھپاتے ہو سب جانتا ہوں ۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

وَاِذْ قُلْنَا ؛ اور (اس احسان کو یاد کرو) جب کہ ہم نے کہا ۔ لِلْمَلٰٓئِكَةِ ؛ فرشتوں سے ۔ اُسْجُدُوْا ؛ سجدہ کرو، گردن جھکاؤ، سرِ تسلیم خم کرو ۔ ابو مکنف بنی عامر کا شاعر کہتا ہے ۔

بِجَمْعٍ تَضِلُّ الْبُلْقَ فِیْ حَجَرَاتِهَا ÷ تَرَالْاَكْمَ فِيْهِ لِلْحَوَافِرِ سُجَّدًا

تم مجھ کو اس وقت جانو گے کہ میں ایک بڑا لشکر لے کر حملہ کروں گا جس کے حصوں میں ابلق گھوڑے گمراہ ہو جاتے ہیں یعنی ان کا پتہ تک نہیں لگتا ۔ تم دیکھو گے کہ اس لشکر میں گھوڑوں کے ٹاپوں کے لئے ٹیلے سر خم کرتے ہیں ، عاجزی ظاہر کرتے ہیں ۔ سَجْدَۃٌ ؛ کے معنٰی لغت میں گردن جھکانے کے ہیں ۔ اور شرح میں بطور عبادت کے سات اعضاء یعنی سر، ہاتھ کے دو پنجے ، دو گھٹنے ، پاؤں کے دو پنجے زمین پر رکھنا ۔ سجدہ انتہائے عاجزی پر دلالت ہے ۔ اور اس کا مستحق سوائے خدا کے کوئی نہیں ۔

ابتدائے زمانہ میں سجدۂ تعظیم وتحیت جائز تھا ۔ آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے ، یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے سجدۂ تعظیمی کیا یا ان کے سامنے صرف گردن جھکا دی ۔ اب رسول اللہ ﷺ نے سجدۂ تعظیمی کو بھی منع فرمایا ۔ قرآنِ شریف میں ہے لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ ؛ نہ آفتاب کو سجدہ کرو نہ ماہتاب کو بلکہ اللہ کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا لہٰذا اب سجدۂ تعظیمی بھی کسی کو درست نہیں ۔ حضرت رسول اللہ ﷺ کے دست و پا کو جو بوسہ دیا گیا وہ جائز ہے ۔ جس کام کو حضرتؐ نے منع نہیں فرمایا اس سے کون منع کر سکتا ہے ؟ عربی میں ل ، اِلٰی معنے میں بھی آتا ہے ۔

اَلَیْسَ اَوَّلُ مَنْ صَلّٰی لِقِبْلَتِنَا ÷ وَاَعْرَفُ النَّاسِ بِالْقُرْاٰنِ وَالسُّنَنِ

کیا سب سے پہلے انہوں نے تمہارے قبلہ کی طرف سجدہ نہیں کیا ؟ کیا قرآن اور حدیث و سنت سب سے زیادہ جاننے والے نہیں ہیں ؟ یہاں لِقِبْلَتِكُمْ کے معنی اِلٰی قِبْلَتِكُمْ کے ہیں ۔ پس لِاٰدَمَ کے معنی اِلٰی اٰدَمَ کے ہیں یعنی سجدہ کرو خدا کو مگر آدم کو قبلہ بنا کر ۔ مسلمان تو کعبۃ اللہ شریف کو بھی سجدہ نہیں کرتا بلکہ کعبہ کی جہت کرتا ہے ۔ کعبہ ایک عمارت ہے جس میں کوئی صورت نہیں ۔ بعض دفعہ وہ عمارت ڈھا دی گئی مگر مسلمانوں کی نماز کبھی بند نہیں ہوئی ، کیونکہ کعبہ صرف جہتِ جامع ہے نہ کہ مسجود فَسَجَدُوْا ؛ پھر تمام (فرشتوں) نے سجدہ کیا ۔ اِلَّا ؛ مگر ۔ اِبْلِیْسَ ۔ شیاطین کا سردار ۔ اَبٰی ؛ انکار کیا ۔ باب فَتَحَ اِبَاءٌ مصدر ۔ وَاسْتَكْبَرَ ؛ اور خود کو بڑا سمجھا ۔ باب اِسْتِفْعَالٌ ؛ جسمانی خاصیت میں ۔ كِبْرٌ ؛ خود پسندی ، تکبر ۔ كَبِيْرٌ ؛ بڑا ۔ كِبَرٌ ؛ بڑائی ، بزرگی ۔ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ ؛ اور تھا کافروں ہی سے ۔ اس کا عین ثابتہ ، اس کی حقیقت کافروں کی تھی ۔

اللہ پہلے ہی جانتا تھا کہ وہ کافر ہے، اس کا انجام کفر پر ہی ہوگا۔ کبھی کَانَ ، صَارَ کے معنی میں بھی آتا ہے یعنی اس نے عدول حکمی کی۔ خدا کو غلط احکام دینے والا سمجھنے سے کافر ہوگیا۔

سب سے پہلے جس نے معاصی کی ابتدا کی، شر و فساد پھیلایا وہ ابلیس ہے۔ وہ فاسد قوتِ غضبی کا مرکز ہے۔ اب بھی جو شرور پیدا ہورہے ہیں وہ ابلیس ازم کی اتباع میں ہورہے ہیں۔ میں ابلیس ازم سے تھوڑی سی بحث کرلینا چاہتا ہوں اس لئے اس کے چند اصول ونظریئے بیان کردوں گا۔

(۱) اپنی ذات کو اعلیٰ ذات اور دوسروں کی ذات کو ادنیٰ اور نیچ سمجھنا۔ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ؛ یعنی مجھے تونے آگ سے یعنی لطیف تر اور آدم کو مٹی یعنی کثیف تر سے پیدا کیا۔ اُونچی ذات کے سامنے علم وتقویٰ کوئی چیز نہیں۔

(۲) توحید فی الحکم کوئی چیز نہیں، حکم کرنے میں عقل آزاد ہے۔

(۳) خدا پر الزام لگاتا ہے کہ وہ غلط احکام دیتا ہے۔ افضل کے رہتے مفضول کو خلافت دیتا ہے۔

(۴) خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ تو دیکھا مگر نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ کو نہ مانا یعنی جو کچھ ہے مادیات ہے، روحانیات کوئی چیز نہیں

(۵) جب آدم علیہ السلام پر کچھ زور نہ چلا تو ماما حوا سے مدد لی یعنی عورتوں کی مدد سے مردوں پر، یعنی صاحب عقل لوگوں پر غلبہ حاصل کرنے کی تدبیر کی۔

(۶) وَقَاسَمَهُمَا اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ ؛ آدم اور حوا کے سامنے قسمیں کھائیں کہ میں تمہارا بہی خواہ ہوں یعنی حصولِ مقصد کے لئے جھوٹی قسمیں کھانے سے نہ ڈرنا چاہیئے۔ اس کو پالیٹکس کہتے ہیں۔ اسی کا نام پالیسی، سیاست ہے۔ خصوصاً قومی کاموں میں دھوکا دینا عین ہنرمندی ہے۔ بڑا ہی عقلمند وہ ہے جو بڑے بڑوں کو چکر میں لاکر تباہ کردے۔ نہ قسم وعہد کوئی چیز ہے، نہ معاہدہ قابلِ پابندی۔ معاہدہ اسی لئے کیا جاتا ہے کہ توڑا جائے گا۔

(۷) عزت کے سامنے نہ دنیا کی پرواہ کرو نہ عقبیٰ کی۔

صاحبو! اس وقت کیا ہورہا ہے؟ وہی ابلیس ازم کی اتباع۔ ہر شخص اپنی قوم، اپنی ذات، اپنے فیشن کو اعلیٰ سمجھتا ہے اور دوسرے کو اپنی قومیت میں شریک نہیں کرتا۔ جرمن اپنی قوم کی لے رہا ہے، انگریز، انگریزوں کی۔ دو تین ہزار برس ہوئے وسطِ ایشا سے ہندوستان میں آرین قوم آئی۔ برہمن، چھتری، ویش اعلیٰ ذات والے سمجھے جارہے ہیں۔ برہمن اپنے کو دیوتا سمجھتے ہیں اور غریب اصلی باشندوں کو ملیچ یعنی ناپاک، شودر یعنی خدام سمجھتے ہیں۔ نہ روٹی نہ بیٹی، نہ دوسروں کو اپنی قوم میں لیا نہ اصلی ہندوستان کی عورتوں سے شادی بیاہ کرکے اپنے میں ہندوستانیوں کا خون ملایا۔ ابھی تک پردیسی کے پردیسی ہیں لاکھ خود کو ہندوستانی بتلائیں مگر ہیں خاص وسطِ ایشا کے۔ دیگر تمام اقوام کی بھی یہی حالت ہے کہ مفتوح غریب رعایا کو ذلیل وخوار سمجھتے ہیں۔ ان کی رسوئی یا کھانے کے پاس سے کتا چلا جائے تو کچھ پرواہ نہیں مگر غریب ہندوستانی کا ہاتھ نہ لگے۔ سارا کھانا ناپاک ہوجائے گا۔ انگلستان اور امریکہ کے بعض ہوٹلوں کے بورڈ پر لکھا ہوا ہے" کتے کو ساتھ لانے اور انڈین کو اس میں آنے کی اجازت نہیں" یہ تو ابلیس ازم اور اس کی شاخوں کا حال ہے اب ذرا الٰہی ازم اور اسلام کا حال بھی سنو! خدا ایک ہے اس کے سوا کسی کا حکم نہیں جو خدا کو ایک مانے، اس کے احکام کی اطاعت کرے، الٰہی ازم میں شریک، مسلم قوم میں داخل،

جو حقوق قدیم مسلمانوں کے ہیں وہی حقوق نومُسلم کے بھی ہیں ۔ اسلام حریت اور مساوات کی تعلیم دیتا ہے ۔ اس میں "فلاں ابن فلاں چیزے نیست" ہے ۔ اسلام میں معیارِ بزرگی ، علمِ صحیح ، عملِ صالح ہے ، تقویٰ ہے ، پرہیزگاری ہے ۔ ذرا مکہ شریف کو جاؤ خود حیدرآباد میں مکہ مسجد میں جاکر دیکھو تو بہترین عالم اور اچھا قاری امام بنے گا ۔ باقی سید ، شیخ ، مغل ، پٹھان ، نومسلم ، قدیم الاسلام ، عرب ، افغان ، ترک ، ہندوستانی ، گورا ، سانولا ، کالا ، سب بازو سے بازو لگائے نماز پڑھ رہے ہیں ۔ بادشاہ رعایا کے ساتھ بازو سے بازو لگائے کھڑا ہے ۔ سب شہنشاہِ ارض و سما کے سامنے سربسجود ہیں ۔ قبیلہ کی عصبیت ہے نہ رنگ کی نہ زمین کی نہ زبان کی ۔

ابنِ عمر کے غلام ، امام مالک کے اُستاد ہیں ۔ سبکتگین الپتگین کا غلام ہے ۔ قطب الدین ایبک جس کا دِلی میں قطب مینار ہے غلام تھا اور پھر شہنشاہ ہندوستان ہوگیا تھا ۔ الغرض امن و امان ، حریت و مساوات چاہتے ہو تو الٰہی ازم میں شریک ہوجاؤ ۔ یہ سارا کشت وخون موقوف ہوجائے گا ۔ تم نے دیکھا ؟ الٰہی ازم اور ابلیس ازم میں کیا فرق ہے ؟ دونوں کے نظریوں میں ارض وسما کا ، خاک اور پاک کا فرق ہے ۔

ترجمہ :- (ہماری اس عنایت کو بھی یاد کرو) جب کہ ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ (تعظیمی) کرو (آدم کی طرف سجدہ کردیا ۔ ان کے سامنے گردنِ تسلیم خم کرو) تو بجز ابلیس کے تمام فرشتوں نے سجدہ کیا ۔ اس نے انکار کیا اور اپنے آپ کو بڑا (اور بڑی ذات کا) سمجھا اور وہ تو تھا ہی کافروں سے ۔

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۪ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝

وَقُلْنَا ؛ اور ہم نے کہا ۔ يٰٓاٰدَمُ ؛ اے آدم ۔ اُسْكُنْ اَنْتَ ؛ تو سکونت اختیار کر ، رہ ۔ باب نَصَرَ ؛ زَوْجٌ ؛ جوڑا ، خاوند یا جورو ۔ یہ لفظ مونث و مذکر دونوں پر استعمال کیا جاتا ہے ۔ عورت کے لئے زوجہ درست نہیں زوج ہی کہنا چاہئے مثلاً عائشة زوج النبی ﷺ ۔ وَزَوْجُكَ ؛ اور تمہاری بیوی ۔ اَلْجَنَّةَ ۔ باغ جس کی زمین درختوں سے ڈھکی ہوئی ہو ۔ کثیر الاشجار بوستان ۔ وَكُلَا ؛ اور تم دونوں کھاؤ ۔ مِنْهَا ؛ اس باغ سے ۔ رَغَدًا ؛ دل بھر کر ، مزے سے ۔ اَكَلَا رَغَدًا ؛ بفراغت کھانا ۔ مفعول مطلق ہے ۔ حَيْثُ ؛ جہاں ، جہاں سے ۔ شِئْتُمَا ؛ تم دونوں نے چاہا ۔ وَلَا تَقْرَبَا ؛ اور تم قریب نہ ہو ، پاس نہ پھٹکو ۔ نہی ہے اس لئے آخر کا نون گر گیا ۔ هٰذِهِ الشَّجَرَةَ ؛ یہ درخت ، اس درخت کے ۔ فَتَكُوْنَا ؛ پس تم ہوجاؤ گے جوابِ نہی ہے لہذا آخر سے نون گر گیا ۔ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۔ ظالموں سے ۔ ظُلْمٌ کے معنی روکنے کے ہیں ۔ ظُلْمٌ ؛ مستحق کو اس کا حق نہ دینا ،

حق روکنا۔ ظُلْمَتٌ ؛ تاریکی ، اندھیرا جو چلنے پھرنے سے روکتا ہے ۔ فَ ؛ پس ، پھر ۔ اَزَلَ ؛ پھسلا دیا ، لغزش کرادی ، ڈگمگا دیا اَزَلَّهُمَا ؛ ان دونوں کو ڈگمگا دیا ۔ اَلشَّيْطٰنُ ؛ ابلیس نے ۔ زَلَّةٌ ؛ لغزش ، اسی سے ہے زلزلہ ، زمین کا ہل جانا ۔ عَنْهَا ؛ اس درخت سے ، باغ سے ۔ فَاَخْرَجَهُمَا ؛ پھر ان دونوں یعنی آدم وحوا کو ابلیس نے نکال باہر کیا ، ابلیس دونوں کے نکلنے کا سبب بنا ۔ مِمَّا كَانَا فِيْهِ ؛ ان نعمتوں میں سے جن میں وہ تھے ۔ وَقُلْنَا ؛ اور ہم نے کہا ۔ اِهْبِطُوْا ؛ اترو ، نزول کرو ، ادنیٰ حالت میں آجاؤ ۔ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ؛ تم میں سے ایک دوسرے کا دشمن ۔ عَدُوٌّ ۔ دشمن ۔ اَعْدَاءٌ ، اَعَادِی ، عِدیٰ جمع ہے ۔ وَلَكُمْ ؛ اور تمہارے لئے ہے ۔ فِی الْاَرْضِ ؛ زمین میں ۔ مُسْتَقَرٌّ ۔ (۱) قرارگاہ ، مقام ، ظرف ، اسمِ مکان (۲) ٹھیرنا ۔ استقرار ، قرار پکڑنا ۔ مصدرِ میمی ہے اِسْتِفْعَالْ کا ۔ قَرٌّ مادہ ۔ وَمَتَاعٌ ؛ اور سامانِ زندگی ، فائدہ مندی ۔ اِلٰی ؛ تک ۔ حِيْنٌ ؛ وقت ، زمانہ ۔ اَحْيَانٌ جمع ہے ۔

ترجمہ :- اور ہم نے کہا ، اے آدم ! تم اور تمھاری بیوی جنت میں رہو اور تم دونوں اس باغ سے جہاں سے چاہو دل بھر کھاؤ ۔ مگر اس درخت کے قریب نہ پھٹکو ورنہ تم ظالموں سے ہوجاؤ گے ۔ پھر اس ابلیس نے ان کو (آدم وحوا کو) بہکایا اور دونوں کو نکال باہر کیا ، (دونوں کے نکلنے کا سبب بنا) ان نعمتوں میں سے جن میں وہ تھے اور ہم نے کہا ۔ اُترو ! تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور زمین میں ہے تمہارے لئے قیام و فائدہ مندی ایک زمانہ تک ۔

خیال رکھو کہ قُلْنَا جمع متکلم ماضی ہے ، اگر اس کا الف نہ پڑھا جائے گا تو جمع مونث کا صیغہ ہوجائے گا ۔ اور نماز فاسد ہوجائے گی ۔ اسی طرح كُلَا اور لَا تَقْرَبَا اور فَتَكُوْنَا میں الف کو احتیاط سے پڑھنا چاہیئے ورنہ تثنیہ واحد ہوجائے گا اور نماز فاسد

صاحبو ! ابلیس ازم کے متبعین مادہ اور مادّیات کے سوا کچھ نہیں جانتے ، نہ خدا ہی کے قائل ہیں اور نہ اس کے آثارِ قدرت کے ، نہ خود قوانینِ فطرت اور نوامیسِ الٰہی سے واقف ہیں ۔ ان سے مذہب کی تفصیلی باتوں میں گفتگو کرنا اور ان کے ثابت کرنے میں جدوجہد کرنا لاحاصل اور نقش برآب ہے ۔ ان سے پہلے خدا اور خدا کی قدرت اور غیر مادی عالموں کے متعلق بحث کرو ۔ اُصول مان لئے جائیں اور پیغمبر کی صداقت کا یقین ہوجائے تو فروعات کا مان لینا کچھ دشوار نہ ہوگا ۔ اس ابلیس ازم میں بعض ہندو اور یورپین اقوام اور بعض ''برائے نام مسلمان'' بھی شریک ہوگئے ہیں ۔

قرآنِ شریف کوئی کہانی ، کوئی تاریخی کتاب نہیں ہے ۔ قرآنِ شریف کے ہر لفظ سے ، ہر واقعہ کے بیان سے نصیحت مقصود ہے ، تذکیر مراد ہے ۔

واضح ہو کہ جس طرح جبرئیل مرکزِ قوتِ علم ہیں ۔ اسی طرح شیطان بھی مرکزِ شر وفساد اور باعث بدامنی ہے ۔

دیکھو ! انسان کے جسم میں قوتِ غضبی کا مرکز قلب ہے اور قوتِ شہوی کا مرکز جگر اور قوتِ علمی کا مرکز دماغ ، اسی طرح انسانِ کبیر یعنی عالَم کے قوی کے مرکز بعض فرشتے ہیں اور شر کا مرکز ابلیس ۔ یہ خدائے تعالےٰ کا فرشتوں سے مکالمہ ، آدم کا

علمی امتحانِ مقابلہ میں کامیاب ہونا ، فرشتوں کا آدم کے سامنے سرِتسلیم خم کرنا ، ہوسکتا ہے کہ یہ سب عالم مثال میں ہو ، ہوسکتا ہے کہ دنیا میں ہوا ہو ، ہم کو ان تمام واقعات کی تصدیق کرنی چاہیئے ، چاہے جہاں کہیں ہوں کیونکہ یہ سب کچھ امینِ مامون ﷺ کے ذریعہ معلوم ہوئے ہیں ۔

صاحبو ! میری گفتگو اس جاہل سے نہیں ، جو خدا اور اس کی قدرت کا منکر ہے ، پیغمبر کو نہیں مانتا ، میں تو اس وقت صاحبِ مذہب سے تخاطب کرتا ہوں ۔ جس طرح جبرئیل ، عالمِ علوی سے دحیہ کلبی یا اعرابی کی صورت میں نظر آجاتے تھے ، جس طرح الیاسؑ عالمِ علوی کو چلے گئے ہیں ، جس طرح حضرت ﷺ معراج میں پہنچے واپس عوالمِ علوی سے زمین پر آئے اور اس کے لائق بن گئے ۔ اس کی تصدیق اس شخص کو بخوبی ہوگی جو سرِتکوین ، تنزلات اور روحانیات سے واقف ہو ۔

میرے پاس یہ بھی ممکن ہے کہ اسی دنیا میں رہ کر بھی جنت میں ہوں ۔ جس شخص کی روح عالم علوی میں بہ شدتِ جذب یا مائل ہوتی ہے اس کو مادی خورد ونوش ، اکل وشرب کی حاجت نہیں رہتی اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ ؛ میں اپنے پروردگار کے پاس رہتا ہوں وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے ۔ اس تقدیر پر ہبوط سے مراد ، عالم علوی سے عالم سفلی کی طرف متوجہ ہونا ہے جس کے ساتھ ہی لوازم مادیات آگھیرتے ہیں اور کدو کاوش ، جدوجہد کی ضرورت پڑتی ہے ۔

صاحبو ! جو قصص قرآنِ شریف میں مذکور ہیں ان کی تفصیلات کے لئے بنی اسرائیل کی کہانیوں کی طرف توجہ کرنے کی حاجت نہیں ۔ جس قدر حصہ قرآنِ مجید میں ہے ، اعتبار وتذکیر کے لئے کافی ہے ۔ ان اسرائیلی قصوں میں پڑنے سے بڑے بڑے مفاسد وشرور پیدا ہوتے ہیں ۔ لَا تُکَذِّبُوْا اَھْلَ الْکِتَابِ وَلَا تُصَدِّقُوْھُمْ ۔ تم اہلِ کتاب کی نہ تکذیب کرو نہ تصدیق

خیر ! قصہ آدم وحوا اور ابلیس ، قرآنِ پاک میں بار بار کیوں مذکور ہے ؟

اس قصہ سے بہت سے مواعظ ونصائح حاصل ہوتے ہیں ۔

آدمی تین قسم کے ہوتے ہیں (۱) سراپا خیر جیسے پیغمبر اور اولیا اور کاملین یہ فرشتوں کے مماثل ہیں بلکہ ان سے بھی بہتر (۲) سراپا شر جیسے فرعون ، ابوجہل ، شداد ، نمرود وغیرہ ۔ یہ ابلیس کے شاگرد ہیں ۔ (۳) تیسرے وہ لوگ جن سے خطا سرزرد اور واقع ہوجاتی ہے تو فوراً اس کا تدارک کرتے ہیں ، توبہ کرتے ہیں ، معافی چاہتے ہیں ۔ حضرت آدمؑ نے اپنے خطا کی معافی چاہی اور ابلیس نے ہٹ دھرمی کی ، گناہ پر اصرار کیا ، نتیجہ ظاہر ہے ۔

آدمی تین قسم کے ہوتے ہیں

صاحبو ! ابلیس پڑھا لکھا ہے ، نظر نہ آنے والا ہے ، آبائی قدیم دشمن ہے ، اس سے ہمیشہ ہوشیار رہو ، اس کے مکروں سے واقف رہو ، اس کے خلاف ہمیشہ خدا سے مدد مانگتے رہو ۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ۔

معلم الملکوت نے اپنی ذات کو اعلیٰ سمجھ کر دوسروں کی تحقیر کی ۔ دیکھو ! یہ نظریہ بڑا فسادی ہے اور تمام برائیوں کا سرچشمہ ہے ۔ شیطان کا آدم پر زور نہ چلا تو عورت کو بہکایا ۔ اس نے اپنے شوہر کو بہکایا ۔ اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا ۔ شیطان کا مکر ضعیف ہے ۔ اِنَّ کَیْدَ کُنَّ عَظِیْمٌ ؛ تمہارا مکر اے عورتو ! بڑا ہے ۔

وہ درخت جس کے ثمر سے آدم اور حوا روکے گئے تھے ۔ کونسا ، کس قسم کا درخت تھا ؟ ہمارے وعظ و پند کے لئے

اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ ایک درخت کے پاس جانے سے آدم وحوا منع کئے گئے تھے۔ ہم کو اس کی تحقیق سے کوئی فائدہ نہیں کہ وہ کونسا درخت تھا؟ انگور یا خوشۂ انگور کا مماثل مجموعۂ ذکر وانثین یا گیہوں یا اسی کا مماثل اندامِ زن؟

جس قدر مخلوقاتِ الٰہی اور ان کے حقائق پر غور کروگے، اسی قدر تم کو اسمائے الٰہی اور قدرتِ خداوندی کا، نوامیس الٰہیہ کا علم ہوگا اور تم سے اللہ کی حمد ہوسکے گی۔ خلافت اور حکومت اس کو ملے گی جو دنیا چلانے کے لائق ہو، سائنس اور دیگر علوم سے واقف ہو۔ جب تک کسی میں کام کرنے کی قابلیت پیدا نہ ہو، وہ خلافت اور حکومت کو نہ پائے گا۔ اُخروی خلافت اور امامت اس کے لائق کام کرنے پر موقوف ہے اور دنیوی خلافت اور حکومت اس کے لائق کاموں پر مبنی ہے۔ جو دنیا اور آخرت دونوں کے کام خوبی سے چلا سکتا ہے وہ حقیقی خلیفہ ہے۔ اس کے وردِ زبان ہوتا ہے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً۔ اے ہمارے پروردگار! ہم کو دنیا میں بھی بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما!

اے عابدو! زاہدو! اپنی عبادت و ریاضت پر مغرور نہ ہو! دیکھو اس خود پسندی وتکبّر نے شیطان کا کیا حال کردیا! اس کا کیسا برا انجام ہوا! آج کل بہت سے لوگ پیغمبری کا بھی دعویٰ کرنے لگے ہیں۔ یہ شیطان کا انتہائی مکر ہے، اس سے خدا بچائے!

دوستو! دیکھو! خدائے تعالےٰ کی نافرمانی سے پرہیز کرو۔ اس سے شیطان کا کیا انجام ہوا؟ سوچو! آدم علیہ السلام کو ذراسی لغزش پر کیسی سخت باز پرس ہوئی۔ جنت سے نکالے گئے۔ تم خدا کی نافرمانی کروگے تو کیوں کر جنت میں داخل ہوسکو گے؟

اچھا ایک بات رہی جاتی ہے۔ آدم علیہ السلام پیغمبر تھے پھر ان سے گناہ کیوں کر صادر ہوا؟

۱۔ جب تک دنیا میں نہ آئے تھے اور اولاد ہوئی نہ تھی پیغمبر بھی ہوئے نہ تھے۔

۲۔ حکم تھا اس درخت کے پاس نہ جاؤ۔ وہ خود تو درخت کے پاس نہ گئے۔ بیوی نے لاکر ان کو اس درخت کا پھل کھلایا آدم علیہ السلام نے لَا تَقْرَبَا کو کھانے کے معنی مراد پر محمول نہ کیا، جس پر گرفت ہوئی۔ یہ گناہ نہیں، بالارادہ نافرمانی نہیں بلکہ ایک قسم کی زَلّہ ہے، لغزش ہے۔ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ؛ جن کاموں میں عامۃ الناس کو خطاءِ اجتہادی پر گرفت نہیں ہوتی، پیغمبروں کو اس پر بھی ہوتی ہے۔

۳۔ پیغمبروں کو ترکِ افضل پر بھی سرزنش ہوتی ہے۔

۴۔ آدم علیہ السلام نے سمجھا کہ یہ حکم میرے نفع کے لئے دیا گیا ہے کوئی قطعی ممانعت نہیں ہے۔

بہر حال پیغمبروں کو ان کے اجتہاد پر متنبہ کیا جاتا ہے۔ وہ ادنیٰ خطا پر چھوڑے نہیں جاتے۔ طبعی افعال میں بھی سخت احتیاط کا حکم دیا جاتا ہے۔

فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۝

ف؛ پھر۔ تَلَقّٰی؛ ملا، حاصل کیا۔ باب تَفَعُّلْ۔ لَقْیٌ۔ مادّہ۔ مِنْ رَّبِّہٖ؛ اپنے پروردگار کی طرف سے یعنی خدا نے القا کئے، اس کو سکھا دیئے، الہام ہوا یا فرشتے کے ذریعہ تعلیم دی گئی۔ کَلِمٰتٍ جمع کَلِمَةٌ۔ بات۔ ایک دوسری جگہ ہے آدم نے دُعا کی: رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔ ف۔ پھر، پس۔ تَابَ مثل قَالَ؛

رجوع کیا۔ بندہ خدا کی طرف رجوع کرتا ہے تو بولتے ہیں تَابَ اِلَی اللّٰہ ، اللہ بندہ کی طرف رحمت کے ساتھ رجوع فرماتا ہے تو کہتے ہیں: تَابَ اللّٰہُ عَلَیْہِ ۔ اِنَّہٗ ؛ بے شک وہ ۔ ھُوَالتَّوَّابُ ۔ وہی ہے رحمت کے ساتھ رجوع کرنے والا ۔ اللہ کی صفت تَوَّاب آتی ہے تَائِب نہیں آتی ۔ بندہ کی صفت تَائِب آتی ہے ۔ اَلرَّحِیْمُ ؛ رحمِ خاص فرمانے والا ۔ خدا کا یہ رجوع اور بندہ کی توبہ کا قبول کرنا اس کے رحمِ خاص کا اثر تھا۔

بندہ کی توبہ میں تین جزو ہیں (۱) ماضی پر نادم ہونا (۲) فی الحال فوراً ترک کرنا (۳) مستقبل میں نہ کرنے کا عزم و مستقل ارادہ کرنا۔ کسی نیک آدمی کے سامنے توبہ کرنا اور اس کی دُعا لینا قبولِ توبہ میں مدد دیتا ہے۔

فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ○

برادرانِ یوسف علیہ السلام یعقوب علیہ السلام سے طالبِ دُعا ہوئے تھے۔

ترجمہ:- پھر آدم نے اپنے رب کی طرف سے چند کلمے حاصل کر لئے پھر اللہ نے آدم کی طرف توجہ کی (کیوں نہ ہو) وہ تواب رحیم ہے۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ
فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

قُلْنَا ؛ ہم نے کہا ۔ اِھْبِطُوْا ؛ نیچے اُتر جاؤ ۔ مِنْھَا ؛ جنت سے ۔ جَمِیْعًا ؛ تم سب ۔ حال ہے بمعنی مُجْتَمِعِیْنَ ؛ خواہ مل کر ہو خواہ جدا جدا مگر اُترنے میں شریک ہو ۔ فَاِمَّا ؛ پس اگر ۔ اصل میں اِنْ مَا ہے ۔ مَا زاید ہے، شرط کو قوت دیتا ہے ۔ یَاْتِیَنَّکُمْ ؛ آئے تمہارے پاس ۔ اَتٰی ۔ یَاْتِیْ ۔ اِتْیَانًا ؛ آنا ۔ مِنِّیْ ؛ میری طرف سے ۔ ھُدًی ؛ ہدایت ، رہنمائی ۔ فَمَنْ ۔ پس جو، جس نے ۔ تَبِعَ ؛ مثل سَمِعَ پیروی کی ، اتباع کی ھُدَایَ ؛ میری ہدایت ۔ مِنْ شرط ہے، مبتدا ہے ۔ تَبِعَ اس کی خبر ہے ۔ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ ؛ پس ان پر کسی قسم کا خوف نہیں ۔ نکرہ حرف نہی کے بعد عموم کا فائدہ دیتا ہے، یعنی کسی قسم کا خوف نہ ہوگا اور جملہ اسمیہ ہے جو دوام و استمرار پر دلالت کرتا ہے یعنی عدمِ خوف دائمی ہے مستقبل کا خوف ، وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ؛ اور نہ وہ حزن و ملال میں مبتلا ہوں گے ، اور نہ وہ غمگین ہوں گے ، ماضی پر حزن نہ ہوگا ۔ فَلَا خَوْفٌ شرط کا جواب ہے ۔

ترجمہ:- ہم نے کہا (اے آدم وحوا اور ابلیس) تم سب اُتر جاؤ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو (تم دو قسم کے ہو جاؤ گے اوّل تو) جو میری بات کے متبع ہوں گے ، (پابند ہوں گے ۔ اس کے قدم بہ قدم چلیں گے) تو ان پر کچھ خوف نہ ہوگا اور نہ وہ حزن و ملال میں مبتلا ہوں گے ، (نہ غمگین ہوں گے ۔)

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

ع ۴

(دوسرے وہ لوگ) وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؛ اور جنھوں نے کفر کیا، انکار کیا، نہ مانا۔ وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؛ اور ہماری آیتوں کو ہماری نشانیوں کو دُرست نہ جانا، ہمارے احکام کی خلاف ورزی کی۔ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۔ وہی ہیں جہنمی، دوزخ میں رہنے والے۔ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ؛ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہیں۔ جملہ اسمیہ: اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ سے حال ہے کیونکہ۔ اَصْحٰبُ النَّارِ قایم مقام۔ يَصْحَبُوْنَ النَّارَ کے ہے۔

ترجمہ:- اور جو انکار کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلا دیں گے وہی ہیں دوزخ میں رہنے والے، وہ اس (دوزخ) میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

مخفی نہ رہے کہ چند چیزیں مشہور ہیں۔ آدم علیہ السلام لنکا یعنی سراندیپ میں اُترے۔ عرفات میں آدم وحوا آپس میں ملے اور ایک دوسرے کو پہچانا۔ ہابیل کو قابیل نے دمشق میں قتل کیا۔ دادی حوا کی قبر جدہ میں ہے۔ حضرت آدم ونوح علیہما السلام وحضرت علی رضی اللہ عنہ کی قبریں نجفِ اشرف میں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝

يٰبَنِيْٓ اِسْرَائِيْلَ ؛ اے بنی اسرائیل! اے یعقوب کے بیٹو! بَنِيْ اصل میں بَنِيْنَ تھا نون اضافت سے گر گیا۔ بَنِيْنَ، اِبْنٌ کی جمع ہے۔ اس کی دوسری جمع اَبْنَاء بھی ہے۔ اِبْنٌ اصل میں بَنَوٌ تھا وَاو گر گیا یَا ساکن کی گئی ابتدا میں ہمزہ وصلی لایا گیا جو وصل یعنی ملانے کے وقت گر جاتا ہے۔ یعقوبؑ اسحٰقؑ کے اور وہ ابراہیمؑ کے فرزند تھے، یوسفؑ، موسیٰؑ، ہارونؑ، ذکریاؑ، عیسیٰؑ وغیرہ سب بنی اسرائیل سے تھے۔ اُذْكُرُوْا ؛ یاد کرو۔ بابِ نَصَرَ ــ نِعْمَتِيْ ؛ میری نعمت کو۔ نُعْوْمَةٌ کے معنی نرمی اور موافق طبیعت کے ہیں۔ بنی اسرائیل کے لئے ان میں بہت سے اولوالعزم انبیاء ہونے سے بڑھ کر کیا نعمت ہوگی۔ وہ سب ہادی اور رہبر قوم تھے۔ موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو فرعون کے مظالم سے نکالا اور شام میں لاکر آباد کیا۔ اَوْفُوْا ؛ پورا کرو، ایفائے عہد کرو۔ اَوْفٰى - يُوْفِيْ - اِيْفَاءً۔ بابِ اِفْعَالٌ۔ اس کا مجرد وَفٰى - يَفِيْ - وَفَاءً ہے۔ بِعَهْدِيْ ؛ میرے عہد کو۔ عَهْدٌ ؛ باہمی قرارداد۔

اللہ نے انسان کو بے کار نہیں پیدا کیا۔ ہاتھ پاؤں دیئے، حواس دیئے، عقل دی تمام چیزوں کو اس کا مسخر کیا، ان سے فائدہ اُٹھانے کی قابلیت بخشی، تو پھر کیا سب تو اس کے لئے ہیں اور وہ کسی کے لئے نہیں؟ نہیں! وہ خدا کے لئے ہے۔ سب اس کے خادم ہیں، وہ خدا کا خادم اور بندہ ہے۔ بندہ پر آقا کی اطاعت لازم ہے۔ اس کی فرمانبرداری بندے کے فرائض سے ہے۔ جو چیز اس کو دی گئی ہے، اس کا صحیح استعمال اس پر واجب ہے۔ خدا کی توحید اور اس کی الوہیت پر ایمان لانا نہایت ضروری ہے۔ انبیاءؑ کے توسط سے جو احکام دیئے گئے ہیں وہ واجب العمل ہیں۔ جو بندے احکامِ الٰہی سے سرتابی کرتے ہیں ان کا انجام خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَالْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ہے۔ دنیا و دین دونوں ہاتھ سے چلے، یہ تو کھلا ہوا نقصان ہے۔ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ؛ میں بھی تمہارا عہد پورا کروں گا۔ اُوْفِ اصل میں اُوْفِيْ تھا۔ امرِ اَوْفُوْا کا جواب ہے۔ اس لئے یٓ گر گئی۔

بندے کا کام انابت ، خدا کا کام مغفرت ، بندے کا کام اطاعت ، خدا کا کام عنایت و رحمت ۔تم خدا کی دھن میں رہو خدا تمہاری فکر کرے گا ۔غفلت کرو گے تو لعنت میں گرفتار ہوگے ۔ یہ تو عام عہد تھے ۔ بنی اسرائیل سے خاص عہد بھی تھا کہ نبی آخر الزماں آجائیں تو ان کی رسالت کی تصدیق کرو ۔تورات حضرتؐ کی بعثت کے متعلق پیش گوئیوں سے بھری پڑی ہے۔ جھوٹی تاویلات ، بے محل تحریفات سے کیا ہوتا ہے؟ حق ، حق ہی رہتا ہے اور باطل باطل ہی ۔ روزِ روشن میں خورشید جہاں تاب سے انکار کرنا بے بصارتی ، بے بصیرتی پر دلالت کرتا ہے ۔ اِیَّایَ ؛ مجھ کو ، مجھ سے ۔ فَارْهَبُوْنِ ۔ ڈرو ، خوف کرو ۔ اصل میں فَارْهَبُوْنِیْ تھا یٓ گرگئی جس پر کسرہ دلالت کرتا ہے ۔اصل عبارت اس طرح ہے ۔فَارْهَبُوْا اِیَّایَ ۔ فَارْهَبُوْنِ مقدر کا مفعول بہ ہے جس پر بعد کا فَارْهَبُوْنِ دلالت کرتا ہے ۔

دنیا چند روزہ ہے ۔حق کی اتباع اور پیغمبر کی اطاعت میں لیڈری چلی جائے ، نذرانے موقوف ہوجائیں ، کیا پروا ہے؟ لوگ غیر معمولی تعظیم نہ کریں ، بلا سے ۔ایک خدا تمہارا ہوجائے تو وہ کافی الکفاۃ ہے ، قاضی الحاجات ہے ، دافع البلیات ہے ، مجیب الدعوات ہے ۔اللہ بس باقی ہوس ۔

ترجمہ :- (اے یہودیو!) اے بنی اسرائیل ! (اے اولادِ یعقوب !) میری اس نعمت کو یاد کرو جس کو میں نے تم کو دیا تھا اور تم میرا عہد پورا کرو ، میں بھی تمہارا عہد پورا کروں گا اور ڈرو تو مجھ ہی سے ڈرو (دیکھو! میرے مقابل کسی شخص ، کسی چیز کی پروا نہ کرو) ۔

صاحبو ! قرآنِ شریف میں جا بجا یہودیوں کے خیالات کی تردید کی گئی ہے ۔ان کی اُصولی گمراہیاں کیا تھیں؟

حضرت ابراہیمؑ کے دو صاحبزادے تھے ۔ حضرت اسمٰعیلؑ بڑے صاحبزادے بی بی ہاجرہ سے جو حجاز میں آبسے ۔ ان کی اولاد میں سے حضرت محمد مصطفےٰؐ ہیں ۔ حضرت اسحاقؑ چھوٹے صاحبزادے بی بی سارہ سے جو فلسطین میں تھے ان کی اولاد میں سے یعقوبؑ وغیرہ انبیائے بنی اسرائیل ہیں ۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے دونوں صاحبزادوں کے لئے دُعا کی ، جو مقبول ہوئی اور جو تورات میں مذکور ہے ۔ یہودی نبوت کو بنی اسرائیل کے ساتھ خاص سمجھتے تھے اور رسالتِ رسولِ کریمؐ سے انکار کرتے تھے اور تمام پیش گوئیوں کی تاویلِ بیجا کرتے تھے ۔

بعض دفعہ ابن کا لفظ بمعنی محبوب بھی آتا ہے ۔ یہودی خود کو ابناء سمجھتے تھے اور محبوبیت کو علمِ صحیح اور عملِ صالح کا نتیجہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ ذاتِ بنی اسرائیل کا لازمہ جانتے تھے ۔اور اپنی ذات کو عذاب سے بری سمجھتے تھے ۔

دینِ الٰہی آدمؑ ، نوحؑ ، ابراہیمؑ سب کے زمانہ میں تھا ۔عقاید تو سب کے ایک تھے کیونکہ خدائے تعالیٰ الان کما کان ہے ناقابلِ تغیر ہے ۔ اس کے متعلق تمام انبیاءؑ نے ایک ہی خبر دی ۔ احکام میں ہر زمانہ میں تغیرات ہوتے رہے مگر یہودی اپنے مذہب کے احکام کو ناقابلِ تغیر ناقابلِ نسخ سمجھتے تھے ۔ اصل یہ ہے کہ تمام انبیاؑ کے مذاہب موقتی تھے ۔تمام انبیا سے عہد لیا گیا تھا کہ نبیؐ آخر الزماں کے زمانہ کو پاؤ تو ان کی تصدیق کرو ، ان پر ایمان لاؤ ، ان کی اطاعت کرو ، مگر یہودی اتنا جان بوجھ کر بھی دینِ نبیؐ کی مخالفت کرتے تھے ۔ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۔

یہودی بعض احکامِ الٰہی کو غریبوں پر جاری کرتے اور امیروں اور علمائے سُوء کے لئے ان احکام کو بدل لیتے ۔

بعض احکام کے من مانے معنی نکالتے اور ان کو کلامِ الٰہی کے ساتھ لگا دیتے۔ اسی لئے قرآنِ شریف میں غیرِ قرآن کو لکھنے کی اجازت نہیں۔ آپ دیکھتے ہیں سورہ فاتحہ کے ساتھ آمین بھی نہیں لکھی جاتی۔ پہلے قرآنِ شریف کے ساتھ نہ ترجمہ ہوتا تھا نہ تفسیر۔ قرآن کو عربیت حاصل کر کے سیکھتے تھے۔ آج کل ترجموں کی بھرمار ہے اور اس میں فاءِ فساد یا فتنہ لگا ہوا ہے۔ عربی سے بالکل ناواقف اور قرآن دانی کا دعویٰ، جہل کے ساتھ علم کا دعویٰ بڑے زوروں سے چل رہا ہے، اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ کُلِّ بَلَآءٍ۔

یہودیوں نے نئے نئے رسوم و عادات وتقریبات قائم کئے تھے اور ان پر ایسی تاکید و شدت کرتے کہ اصل حکمِ الٰہی ایک جانب پڑا رہتا اور تمام زور ان بدعات پر رہتا۔ مسلمانوں کو بھی اپنے حالات پر غور کرلینا چاہئے۔ بدعات و رسوم میں ایسے گرفتار ہوگئے ہیں کہ ان کو اصل دین کی کچھ پرواہی نہیں رہی۔

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾

وَاٰمِنُوْا ؛ اور ایمان لاؤ۔ بِمَآ اَنْزَلْتُ ؛ اس قرآن پر جس کو میں نے اُتارا ہے۔ مُصَدِّقًا ؛ تصدیق کرتا ہوا، حالانکہ وہ تصدیق کرتا ہے۔ لِمَا مَعَكُمْ ؛ ان تعلیمات و احکامات کی جو تمہارے پاس ہیں۔ قرآن، تورات و انجیل کے حق ہونے کی تصدیق کرتا ہے۔ مگر اس میں جو زیادتی کی گئی ہے اس کی تردید بھی کرتا ہے، فرائض کو بدعات سے جدا کرتا ہے۔ وَلَا تَكُوْنُوْا ؛ اور نہ ہوجاؤ، نہ بنو۔ اَوَّلَ ؛ پہلا افعل تفضیل ہے۔ اس کا مادہ وَوَلَ ہے یعنی فَ اور عَ دونوں واو ہیں۔ اس کا مونث اُوْلٰی ہے۔ اَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ ؛ سب سے پہلے اس کے منکر۔ عربی میں کہتے ہیں هُوَاَحْسَنُ رَجُلٍ اَىْ اَحْسَنُ الرِّجَالِ اسی طرح اَوَّلَ كَافِرٍ بمعنی اَوَّلُ الْكُفَّارِ ، یا اَوَّلَ كَافِرٍ اصل میں اَوَّلَ فَرِيْقٍ كَافِرٍ ہے۔ وَلَا تَشْتَرُوْا ؛ اور نہ بیچو یا نہ خریدو۔ اِشْتِرَاءٌ ؛ بیچنا اور خریدنا دونوں معنے میں آتا ہے۔ اٰيَةٌ ۔ نشانی، علامت، فقرۂ کلامِ الٰہی۔ ثَمَنٌ ؛ قیمت۔ بازار کے بھاؤ کو قیمت کہتے ہیں اور مشتری و بائع میں جو ٹھیرے وہ ثمن ہے۔ اَثْمَانٌ جمع ہے۔ ثَمِيْنٌ ؛ قیمتی۔ بِاٰيٰتِىْ ۔ میری آیتوں کے عوض۔ بَا بمعنی عوض و بدل ہے۔ قَلِيْلًا ؛ تھوڑا، کم۔ قَلَّ ۔ يَقِلُّ ۔ قِلَّةً ۔ کم ہونا۔ وَاِيَّاىَ ؛ اور مجھ ہی سے۔ فَاتَّقُوْنِ ؛ ڈرو، تقویٰ اختیار کرو۔ بنی اسرائیل کے خدا ترسوں کو راہب اور مسلمانوں کے خدا ترسوں کو متقی اور تقی کہتے ہیں۔ رہبانیت کے مقابل تقویٰ ہے۔

ترجمہ :- (اے بنی اسرائیل!) اس (قرآن) پر ایمان لاؤ جس کو میں نے اُتارا، بحالیکہ وہ اس (تورات) کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس ہے اور سب سے پہلے تم ہی اس سے منکر نہ بنو۔ اور میری آیتوں کے عوض تھوڑی سی قیمت حاصل نہ کرو، (تھوڑی سی قیمت پر میری آیتوں کو نہ بیچو۔) اور مجھ ہی سے (ڈرو) تقویٰ اختیار کرو۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾

وَلَا تَلْبِسُوْا ؛ اور نہ ملاؤ، ملتبس نہ کرو، مشتبہ نہ کرو۔ اَلْحَقَّ ؛ جو چیز محقق ہو، ثابت ہو۔ واقعہ جس کے مطابق خبر ہوتی ہے۔ بِالْبَاطِلِ ؛ باطل کے ساتھ، جھوٹ کے، خلافِ واقعہ خبر کے ساتھ۔ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ ؛ اور نہ چھپاؤ حق کو۔ وَلَا تَلْبِسُوْا پر عطف ہے۔ اَیْ لَاتَكْتُمُوْا ۔ كَتَمَ ۔ يَكْتُمُ ۔ كِتْمَانًا ؛ چھپانا۔ بَابِ نَصَرَ ۔ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ؛ حالانکہ تم علم وفضل کے مدعی ہو، جانتے بوجھتے ہو، علم رکھ کر بھی۔

ترجمہ:- اور حق کو باطل سے نہ ملاؤ۔ (سچ میں جھوٹ نہ ملایا کرو) اور جان بوجھ کر تو حق کو نہ چھپاؤ (علم وفضل رکھ کر تو تلبیس وکتمانِ حق نہ کرو۔)

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؛ اور نماز کی پابندی کرو، درستی سے نماز ادا کرو، دربارِ خداوندی میں حاضر ہوا کرو، ادب قاعدے سے شریکِ دربار رہو۔ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؛ اور زکوٰۃ ادا کرو، غربا کی امداد کرو، خیر خیرات کرو۔ کہتے ہیں زَكَا الزَّرْعُ يَزْكُوْ زَكٰوةً ؛ زراعت بڑھی۔ زکوٰۃ دینے سے اللہ مال میں اور ترقی دیتا ہے۔ نیز زَكَاءً پاک ہونا۔ زکوٰۃ دینے والے کا دل بخل سے پاک ہوجاتا ہے، مال پاک صاف ہوجاتا ہے۔ اس پر نقصانات وحوادث نہیں آتے۔ غریبوں کی دُعائیں آفات کے سامنے سپر ہوجاتی ہیں۔ وَارْكَعُوْا ؛ اور رکوع کرو۔ رَكَعَ ۔ يَرْكَعُ ۔ رُكُوْعًا ؛ بابِ فَتَحَ ۔ مَعَ ۔ ساتھ۔ ظرف متعلق۔ اِرْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ؛ رکوع کرنے والوں کے ساتھ تم بھی رکوع کرو، سب کے ساتھ تم بھی رکوع کرو، سب کے ساتھ تم بھی خدا کے سامنے سرِ تسلیم خم کرو۔ یہود کی نماز میں صرف رکوع ہے۔ اس لئے فَارْكَعُوْا ؛ فرمایا۔ نیز جز کہہ کر کل مراد لینا مجاز ہے، جو ایک نوعِ اسلوب ہے۔ (مجازِ مرسل ہے)۔

ترجمہ:- اور درستی و پابندی سے نماز پڑھو اور زکوٰۃ ادا کرو اور سب کے ساتھ مل کر نماز پڑھو۔

صاحبو! اس آیت میں تین حکم ہیں (۱) نماز پڑھنا (۲) زکوٰۃ دینا (۳) جماعت سے عبادت کرنا، نماز پڑھنا۔ نماز نہ پڑھنے سے طہارتِ ظاہری بھی گئی اور باطنی بھی۔ زکوٰۃ نہ دینے سے چندوں کی ہر طرف سے بھرمار ہونے لگی۔ اجتماعی طور پر کوئی بڑا کام نہیں کرسکتے۔ زکوٰۃ کے مصارف شرع میں بیان کئے گئے ہیں۔ ان کو چھوڑ دینے اور دوسرے غیر ضروری امور میں صرف کرنے سے قوم پر تباہی آتی ہے۔ نماز با جماعت سے مسلمانوں کا اجتماع، ان میں تنظیم، فوجی اسپرٹ، ورزشِ جسمانی صحبتِ نیک اور الحب فی اللہ پیدا ہوتے ہیں۔

خدائے تعالیٰ نے پہلے عامۃ الناس کو مخاطب فرمایا۔ پھر بنی اسرائیل سے خطاب فرمایا کیونکہ وہ اہلِ کتاب تھے۔ پہلے ان پر جو احسانات کئے بیان کئے گئے، پھر ایمان لانے کا حکم دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود ان امور میں سہل انگاری اور

بے پروائی کرتے تھے جس سے ان کی خلافت و حکومت باقی نہیں رہی ۔ مسلمان بھی ان کے قدم بقدم چل رہے ہیں ۔ فرائض ترک، محرمات میں مبتلا، صلوٰۃ نہ زکوٰۃ، ان کا انجام بھی وہی ہو رہا ہے جو یہودیوں کا ہوا ۔ خلافت و حکومت چھن گئی اور ذلت و خواری، افلاس و ناداری سوار ہوگئی ۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾

أ ؛ کیا ۔ تَاْمُرُوْنَ ۔ حکم کرتے ہو ۔ اَمَرَ ۔ یَاْمُرُ ۔ اَمْرًا ۔ حکم کرنا ۔ بابِ نَصَرَ ۔ اَلنَّاسَ ؛ لوگوں کو ۔ اَلْاُنَاسُ ؛ آدمی، انسان، نظر آنے والا، اس کے مقابل جن چھپنے والا ۔ بِ ۔ ساتھ، سے ۔ بِرٌّ ؛ بھلائی، خیرِ متعدی، حسنِ سلوک ۔ بَرَّ ۔ یَبُرُّ ۔ بَرًّا ۔ فَھُوَبَرٌّ ۔ بابِ نَصَرَ ۔ بِرٌّ ۔ نیکی ۔ بِرٌّ ۔ نیکوکار، نیک ۔ بِالْبِرِّ ۔ نیکی کا ۔ وَتَنْسَوْنَ ؛ اور بھول جاتے ہو ۔ نَسِیَ ۔ یَنْسٰی ۔ نِسْیَانًا ؛ بھولنا ۔ جب سخت بھول ہو کہ یاد کرنے سے بھی یاد نہ آئے تو وہ ذھول ہے ۔ نَفْسٌ ۔ جان ۔ اَنْفُسٌ ۔ جمع ۔ اَنْفُسَكُمْ ؛ اپنی جانوں کو، اپنے آپ کو، خود کو ۔ وَ ؛ اور، حال ہے ۔ اَنْتُمْ ؛ تم ۔ وَاَنْتُمْ ؛ حالانکہ تم ۔ تَتْلُوْنَ ؛ پڑھتے ہو ۔ تَلَا ۔ یَتْلُوْ ۔ تِلْوًا ۔ پیچھے رہنا ۔ تِلَاوَۃ ۔ سمجھ کر پڑھنا ۔ زبان کے ساتھ ساتھ دل کا بھی رہنا ۔ بغیر سمجھے پڑھنا قِرَاءۃ ہے ۔ أ ؛ کیا ۔ فَ ؛ پس، پھر ۔ لَا ؛ نہیں ۔ تَعْقِلُوْنَ ؛ عقل رکھتے، سمجھتے ۔ عَقْلٌ ؛ پاؤں باندھنا، روکنا ۔ عقل بھی بری باتوں سے روکتی ہے، مانع ہوتی ہے ۔

ترجمہ :- کیا تم لوگوں کو نیکوکاری کا حکم دیتے ہو اور خود کو بھول جاتے ہو؟ حالانکہ تم کتاب اللہ پڑھتے ہو، (تورات کی تلاوت کرتے ہو) کیا پھر اتنا بھی نہیں سمجھتے ہو؟ (کہ یہ بری بات ہے ۔ اہلِ کتاب کے شایانِ شان نہیں ۔)

صاحبو! آج کل کے علمائے سُوء اور لیڈرانِ خود غرض اور پیشوایانِ بندۂ زر کو دیکھو، کیا وہ سب اس کے مصداق نہیں؟ کیا ان کے منہ پر روشنی اور دل میں تاریکی نہیں؟ کیا یہ کورِ مشعل دار نہیں؟ کیا ان کے دروازوں پر قندیل اور گھر میں اندھیرا نہیں؟ کیا ان کا علم ان پر حجت اور وبال نہیں؟ جاہل ایک حد تک معذور تھا ۔ ان کو کونسا عذر کام آئے گا؟ اے علمائے بے عمل و لیڈرانِ بے اخلاص! کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے؟ افسوس ہے تمہارے علم و عقل پر! تمہاری خرابی سے ساری دنیا خراب ہو رہی ہے ۔ لوگوں میں تمہارا کوئی اعتبار نہیں رہا، کوئی وقعت باقی نہیں رہی ۔

جاگو جاگو یہ خوابِ غفلت کب تک؟ اُٹھو، اُٹھو! اجل کمین گاہ میں ہے!

وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ وَ اِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِیْنَ ﴿۴۵﴾

وَاسْتَعِیْنُوْا ؛ اور مدد حاصل کرو ۔ عَوْنٌ ؛ مدد ۔ بابِ اِسْتِفْعَالٌ ۔ اس میں طلب کے معنی رہتے ہیں ۔ اِسْتِعَانَۃ ؛ مدد مانگنا ۔ بِ سے، ساتھ ۔ اَلصَّبْرِ ؛ برداشت، استقلال ۔ صبر کے معنی روزے کے بھی ہیں ۔ وَالصَّلٰوۃِ ۔ اور نماز، دُعا،

قربِ الٰہی ۔ وَاِنَّھَا ؛ اور بے شک یہ استعانت بہ صبر وصلوٰۃ یا صلوٰۃ ہی ۔ لَ ۔ البتہ ، بے شک ۔ کَبِیْرَۃٌ ؛ بڑی ، سخت ، دشوار اِلَّا ۔ مگر ۔ عَلٰی ۔ پر ، اوپر ۔ اَلْخٰشِعِیْنَ ۔ عاجزی کرنے والے ، فروتنی اختیار کرنے والے ، صاحب خشوع وخضوع ۔ آواز کی پستی کو خشوع اور گردن کے پست کرنے اور جھکانے کو خضوع کہتے ہیں ۔

ترجمہ :- اور (روزہ و نماز سے) استقلال اور دُعا سے مدد حاصل کرو اور یہ البتہ سخت ہے ، (دشوار تر ہے) مگر اُن پر (آسان ہے) جو خدا کے سامنے گردنِ تسلیم خم کرتے ہیں ، (ادب سے آواز پست کرتے ہیں ۔)

یاد رکھو ! صبر واستقلال اور اللہ سے دُعا کرتے رہنا تمام مشکلات کا حل ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ؛ تم دُعا کرو میں قبول کرتا ہوں ، مانگو دیتا ہوں ۔ نماز دربارِ خداوندی ہے ۔ شہنشاہِ ارض وسماء اپنے درباریوں پر ضرور رحم وکرم فرمائے گا ۔ مگر افسوس ! تم نے خدا ہی سے روگردانی کر لی تو اس کو تمہاری کیا پڑی ہے ۔

جب سے دلِ زندہ تو نے ہم کو چھوڑا ہم نے بھی تری رام کہانی چھوڑی

رکوع ۵ آیات ۵

اَلَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ وَاَنَّھُمْ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۝۴۶

اَلَّذِیْنَ ؛ جو لوگ ، وہ لوگ جو ۔ یَظُنُّوْنَ ؛ جانتے ہیں ، سمجھتے ہیں ۔ ظَنَّ ۔ یَظُنُّ ۔ ظَنًّا فَھُوَ ظَانٌّ ۔ بابِ نَصَرَ ۔ ظن کا لفظ کبھی علم کے معنی میں آتا ہے ، کبھی گمانِ غالب کے معنی میں ۔ اَنَّھُمْ ؛ کہ وہ ۔ مُلٰقُوْنَ ؛ ملنے والے ہیں ، ملاقات کرنے والے ہیں ۔ مُلَاقٍ ۔ اسم فاعل ۔ مُلَاقَاۃٌ ؛ مصدر ۔ مُلٰقُوْنَ ؛ رب کی طرف مضاف ہے اس لئے نون گر گیا ، مُلَاقُوْا ہوگیا لَقِیَ مادہ ۔ رَبِّھِمْ ؛ ان کا پالنے والا ، ان کا پروردگار ۔ وَاَنَّھُمْ ؛ اور یہ کہ وہ ۔ اِلَیْہِ ؛ اس کی طرف ۔ رَاجِعُوْنَ ۔ رجوع کرنے والے ۔ رَجَعَ ۔ یَرْجِعُ ۔ رَجْعًا ؛ (بابِ ضَرَبَ) پھیرنا ۔ رَجَعَ ۔ رُجُوْعًا ؛ واپس ہونا ۔

ترجمہ :- جو لوگ یہ جانتے ہیں کہ ضرور وہ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں ۔ اور وہ (مرکر) اُسی کی طرف پھر جائیں گے ۔

صاحبو ! مرنا حق ہے ، دربارِ خداوندی میں حاضر ہونا حق ہے ۔ اس کے حضور میں نیک و بد کی جواب دہی ضرور ہے ۔ اگر آدمی موت اور حشر ونشر کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھے تو دنیا کے سارے مصائب وتکلیفات اس پر آسان ہوجائیں گے ۔ دنیا چند روزہ ہے ۔ جس طرح سے ہو گزر جائے گی ۔ آگے بڑی لمبی زندگی ہے ۔ چند روز حکیم علی الاطلاق کے حکم کے مطابق پرہیز کرو تو عافیتِ دائمی حاصل ہوگی ، خدا کا دیدار ہوگا ، اس کا قرب ملے گا ، جنت ملے گی ، راحت ملے گی ۔

موت کو ہمیشہ پیش نظر رکھو مصائب دور ہوں گے

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۝۴۷

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ؛ اے بنی اسرائیل ۔ اُذْکُرُوْا ؛ یاد کرو ۔ نِعْمَتِیَ ؛ میری نعمت کو ۔ اَلَّتِیْ ؛ جو ۔ اَنْعَمْتُ ؛ میں نے

دیا تھا، نعمت دی تھی، انعام کیا تھا۔ اِنْعَامٌ ؛ مصدر۔ عَلَيْكُمْ ؛ تم پر، تم کو۔ اِنِّىْ ؛ اور یہ کہ میں نے۔ فَضَّلْتُكُمْ ؛ میں نے تم کو فضیلت دی، تمہارے خاندان میں بہت سے پیغمبر ہوئے اور بادشاہ بھی۔ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ؛ اس زمانہ کے لوگوں پر، تمام عالموں پر، اکثر اشخاص پر مگر تم نے اپنے اعمالِ بد اور انکارِ نبوتِ خاتم النبیین سے سب کو کھو دیا۔ اب تمہارے حصہ میں ذلّت وخواری کے سوا کیا ہے؟

ترجمہ:- اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم کو دی تھی اور یہ بھی کہ میں نے تم کو عالَموں پر فضیلت دی تھی۔

صاحبو! بنی اسرائیل کی فضیلت علمِ صحیح وعملِ صالح سے تھی نہ کہ بنی اسرائیل ہونے کی وجہ سے۔ جب یہ دونوں باتیں نہ رہیں تو فضیلت بھی باقی نہ رہی۔ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ سے مراد اس وقت کے عالمین ہیں جب کہ وہ اچھے تھے۔ اَلْ، عہدِ ذہنی اور خارجی ہے۔ اَلْ، استغراق کا بھی ہو تو بعض دفعہ اکثر کو بھی تمام کہہ دیتے ہیں، لِلْاَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ ؛ بہر حال اس آیت سے یہود کا اُمّتِ محمدی سے افضل ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا
شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝۴۸

وَاتَّقُوْا ؛ اور پرہیز کرو، ڈرو، اپنا بچاؤ کرو۔ يَوْمًا ؛ اس روز سے، اس دن کی مصیبتوں سے، آفتوں سے۔ يَوْمًا۔ موصوف ہے، بعد کے جملے اس کی صفت ہیں۔ يَوْمَ کی ضمیر عائد کے لئے فِيْهِ مقدر ہے۔ لَا تَجْزِىْ ؛ کام نہ آئے گا، فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔ نَفْسٌ (فتح وسکون)۔ شخص۔ نُفُوْسٌ ؛ جمع۔ نَفَسٌ (بفتحتین) ؛ سانس، دم اَنْفَاسٌ جمع۔ عَنْ نَّفْسٍ ؛ کسی کے بدل، کسی کو۔ شَيْـًٔا۔ چیز۔ اَشْيَاءُ جمع۔ وَلَا يُقْبَلُ۔ اور قبول نہ کی جائے گی۔ مِنْهَا ؛ اس نفس سے، شخص سے۔ شَفَاعَةٌ سفارش۔ شَفْعٌ ؛ جفت۔ اکثر سفارش کرنے والا اس شخص کو اپنے ساتھ لے جاتا ہے جس کی وہ سفارش کرتا ہے لہذا شفاعت سفارش کو کہا گیا۔

قرآنِ شریف میں لَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ بھی ہے اور مَنْ ذَاالَّذِىْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ بھی ہے۔ حدیث میں شَفَاعَتِىْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِىْ بھی ہے۔ یعنی میری سفارش میری اُمّت میں سے گناہ ہائے کبیرہ والوں کے لئے ہے۔ حدیثِ ذکرِ قیامت میں شفاعت کی کیفیت بھی ہے۔ يا محمد ! اے محمد! اِرْفَعْ رَاْسَكَ ؛ زمین سے سر اُٹھاؤ۔ سَلْ تُعْطَ مانگو دیئے جاؤ گے۔ اِشْفَعْ تُشَفَّعْ ؛ سفارش کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی۔ ذرا اس پر بھی غور کرو۔ کیا اَلْحُبُّ فِى اللّٰهِ عملِ قلب نہیں؟ کیا عملِ قلب کو عملِ بدن پر فضیلت نہیں؟ کیا ایسا عظیم الشان عمل ضائع ہوجائے گا؟ ہرگز نہیں! تسلیم کہ اللہ تعالیٰ کے اذن بغیر کوئی سفارش نہیں کرسکتا۔ ہمارے پاس تو ہے لَا تَتَحَرَّكُ ذَرَّةٌ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؛ بغیر خدا کے ارادے کے

پتہ تک نہیں ہلتا ، اللہ جل جلالہ کی مرضی کے خلاف کون سفارش کرسکتا ہے؟ خدا ہی کا رحم شفیع کے دل و زبان سے ظاہر ہوتا ہے مگر تاہم شفاعت حق ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر اولیاء و صالحین سے جس قدر زیادہ اللہ واسطے کی محبت ہوگی اتنی ہی جلد شفاعت ہوگی ، جو شفاعتِ حبیبِ خدا کے قائل نہیں ممکن ہے اُن کو شفاعت سے حصّہ نہ ملے ۔

وَلَا يُؤْخَذُ ۔ اور نہ لیا جائے گا مِنْهَا ؛ اس سے ۔ عَدْلٌ ۔ فدیہ ، بدل ، معاوضہ ۔ عدل کے مادے میں برابری کے معنی موجود ہیں اس لئے انصاف کو بھی عدل کہتے ہیں ۔ وَلَاهُمْ يُنْصَرُوْنَ ۔ اور نہ وہ نصرت دیئے جائیں گے ۔

ترجمہ :- اور اس دن سے ڈرو کہ جس میں کوئی کسی کے کام نہ آئے گا اور نہ اس کے لئے شفاعت و سفارش قبول ہوگی ، نہ اس کا کوئی بدل ہوسکے گا ، نہ اس کو کوئی نصرت و مدد دے سکے گا ۔

صاحبو ! یہودیوں کو ایک طرف رکھو ، خود اپنے اعمال پر غور کرو ۔ کیا مسلمانوں کو ایسا ہونا چاہیئے ؟ نہ نماز نہ روزہ ، نہ ذکر نہ فکر ، نہ خدا کی اطاعت ، نہ رسول کی اتباع ، دین کے کاموں پر قہقہہ ، عقائدِ اسلام کا مضحکہ ، نام مسلمانوں کے ، کام مسلمانوں کے نہیں ۔ دیکھو ! مرنا حق ہے ، قیامت ہونے والی ہے ، اس دن کوئی کسی کے کام نہیں آسکتا ، سب کو نفسی نفسی کی پڑے گی ۔ دنیا میں انبیاءؑ اولیا کی اتباع نہ کی ، ان سے محبت نہ رکھی تو تمہارا کون شفیع بنے گا ؟ دشمنِ خدا کی کون سفارش کرتا ہے ؟ حبیبِ خدا کے نافرمانوں کے متعلق خدا کب شفاعت قبول کرتا ہے ؟ ایک کی بلا دوسرا کون اپنے سر لیتا ہے ! ہر ایک کو اپنی اپنی جواب دہی کرنی پڑے گی ، ہر ایک اپنا بوجھ آپ اُٹھائے گا ۔ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۔ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے ، جیسا بوو گے ویسا کاٹو گے ، خدا کے مقابل کون مدد دیتا ہے ؟ قہار جبار سے کون لڑتا ہے ۔ اللہ اکبر ! اللہ اکبر !

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝

وَاِذْ ؛ اور یاد کرو جب کہ ۔ نَجَّيْنٰكُمْ ؛ ہم نے تم کو نجات دی ، چھڑالیا ، بچالیا ۔ باب تَفْعِيْلٌ ۔ تَنْجِيَةٌ مثلِ تَسْمِيَةٌ ؛ مصدر ۔ نَجَا ــ يَنْجُوْ ــ نَجَاةٌ ؛ نجات حاصل کرنا ۔ مِنْ ۔ سے ۔ اٰلْ ؛ متعلقین ، تابعین ۔ فِرْعَوْنَ ۔ مصر کے بادشاہ کا لقب ہے ، فراعنہ ، مصر کے بادشاہ ۔ جیسے خدیو مصر ۔ مصر کا بادشاہ ۔ اٰلْ فِرْعَوْنَ ؛ متعلقینِ فرعون ۔ اٰلِ مُحَمَّدْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ کے مختلف درجات ہیں جس کو جتنا زیادہ ربط ہے اتنی ہی اس میں آلیت ، آل پن ، تابعیت زیادہ ہے ۔

(۱) ہر مسلمان تابعِ سید المرسلینؐ ہے لہذا اس میں ایک درجہ کی آلیت ہے ۔

(۲) متقی عقاید و اعمال میں حضرت کا زیادہ تابع رہتا ہے لہذا وہ عام مسلمانوں سے زیادہ درجہ کا آل ہے ۔ اٰلِ مُحَمَّدْ كُلُّ تَقِيٍّ ۔

(۳) بنی ھاشم ۔ ان پر صدقہ حرام ہے ۔ وہ مسلمان ہونے سے پہلے ہی آپؐ کے قربت دار معین و مددگار تھے لہذا

یہ بھی آلِ نبی ہیں ۔

(۴) آلِ عبا سے اولادِ نبیؐ چلی لہذا وہ بھی آلِ نبی ہیں اور ان میں زیادہ خصوصیت ہے ۔

(۵) ازواجِ مطہرات ۔قرآنِ شریف میں اہل البیت جہاں آیا ہے اس سے بی بیاں ہی مراد ہیں ۔

آل و اہل ایک لفظ کی دوصورتیں ہیں ۔ اَھْلٌ وَاٰلٌ ۔ دونوں کی تصغیر اُھَیْلٌ ہے ۔مگر اٰل کا لفظ بڑے اور خاندانی لوگوں کے لئے بولا جاتا ہے ۔

اصل یہ ہے کہ اٰلَ ۔ یَؤُوْلُ ۔ اَوْلًا ؛رجوع کرنا ۔تابع متبوع کی طرف رجوع کرتا ہے لہذا وہ آل ہوتا ہے ۔ خادم کی دوڑ آقا تک ، بیوی کا مرجع میاں ، خاندان کے چھوٹے ان کے بڑے اور پیشوا کی طرف رجوع کرتے ہیں لہذا یہ سب آل ہیں ۔غرض کہ آلِ نبی کے درجات ہیں ۔ جو جتنا تابع ہوگا ، رابطہ رکھے گا ، اتنا ہی آل ہوگا ۔

یَسُوْمُوْنَکُمْ ؛ تم کو پہنچاتے ہیں ، چکھاتے ہیں ۔ سَامَ ۔ یَسُوْمُ ۔ سَوْمًا ؛مثل قَالَ سَوْمَ کے معنے قیمت کرنے کے بھی ہیں یہ حال ہے ضمیرِ کُمْ سے جو نَجَّیْنٰکُمْ میں ہے ۔ سُوْٓءَ ؛ برا ، ناگوار ۔ سَوء (بالفتح) ۔ برائی اَلْعَذَابِ ؛ تکلیف ، آرام وراحت سے روکنا ۔ عَذْبٌ ؛ میٹھا پانی جو پیاس کو روکتا ہے ۔ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؛ برا عذاب ۔ یُذَبِّحُوْنَ ؛ بہت ذبح کرتے ہیں ۔ باب تَفْعِیْلٌ ۔ ذَبْحٌ وَذِبْحٌ ؛ وہ جانور جو ذبح کیا جاتا ہے یَسُوْمُوْنَکُمْ کا بیان ہے ۔ بیان و مبین ایک ہوتے ہیں لہذا دونوں کے درمیان واوِ عطف نہیں آیا ۔ اَبْنَآءَ کُمْ ؛ تمہارے بچوں کو اِبْنٌ کی جمع ہے ۔ فرعون کے لوگ بنی اسرائیل کو قتل کردیتے تھے تاکہ آبادی بڑھنے نہ پائے یا بعض پیش گوئیوں سے موسٰی علیہ السلام کا پیدا ہونا معلوم ہوا تھا لہذا وہ بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کردیتے تھے ۔ سمجھتے تھے کہ ان میں موسٰیؑ بھی قتل ہوجائیں گے ۔مگر ! جس کو خدا رکھے اس کو کون چکھے ! بچانے والے نے بچایا ، خود اس کے گھر میں اس کے ہاتھ پلوایا ، پرورش کروائی ۔ سبحان اللہ ! ’’ دشمن چہ کند چوں مہرباں باشد دوست ‘‘ مارنے والے سے بچانے والا زبردست ہے ۔ ’’ دشمن اگر قویست نگہبان قوی تراست ‘‘۔ وَیَسْتَحْیُوْنَ ۔ اور زندہ رکھتے ہیں ، حیات چاہتے ہیں ، شرماتے ہیں ۔ نِسَآءَ کُمْ ؛ تمہاری عورتوں کو ، عورتوں سے ۔ عورتوں کو اس لئے باقی رکھتے تھے کہ ان کو لونڈیاں بنائیں ۔ وَ ۔ اور ۔ فِیْ ۔ میں ۔ ذٰلِکُمْ ؛ وہ کُمْ مخاطب کے لحاظ سے ہے ۔ ترکیب میں اس کا کوئی محل اعراب نہیں ہے ۔ فِیْ ذٰلِکُمْ ؛ اس حال میں ۔ بَلَآءٌ ؛ آفت ، مصیبت ، امتحان ، آزمایش ، کہنہ کرنا ، پرانا کرنا ۔ مِنْ رَّبِّکُمْ تمہارے پروردگار کی طرف سے ۔ عَظِیْمٌ ۔ بڑی ۔ مِنْ رَّبِّکُمْ اور عَظِیْمٌ دونوں بَلَآءٌ کی صفت ہیں ۔

ترجمہ :- اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے نجات دی بحالیکہ وہ تم کو بڑے بڑے عذاب دیتے تھے ، تمہارے بچوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے (بڑی آزمایش و) امتحان تھا ۔

صاحبو ! اس وقت تمہارے ساتھ کیا ہو رہا ہے ؟ بھوکے مر رہے ہو ، ایک مہینے کی پیشگی ماہوار ملتی ہے ، دوسری ماہوار لینے نہیں پاتے کہ مارے جاتے ہو ۔ کیا اپنی آزادی کے لئے ؟ نہیں ، اپنی غلامی پختہ کرنے کے لئے ۔ عورتیں جنگ پر بھیجی نہیں

جاتی ہیں ، وہ زندہ رکھی جاتی ہیں ۔ یہ تمہارا امتحان ہے ۔ کیا اب بھی ہوشیار نہیں ہوتے اور اللہ جل جلالہ کی طرف رجوع نہیں کرتے ؟ اپنے گناہوں سے توبہ نہیں کرتے ؟ علمِ صحیح وعملِ صالح کی طرف توجہ نہیں کرتے ؟

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمْ الْبَحْرَ ؛ اور یاد کرو جب کہ ہم نے تمہارے لئے دریا کو پھاڑ دیا ۔ فَرَقَ بِ ؛ جُدا کیا ، تمیز کیا ۔ فَرَّقَ ؛ تفریق کی ، جُدا کیا ۔ فَرْقٌ ؛ سر کی مانگ ۔ بَحْرٌ ؛ سمندر ، دریا ۔ بُحُوْرٌ ۔ بِحَارٌ ۔ اَبْحُرٌ جمع ۔ فَ ؛ پس ، پھر ۔ اَنْجٰی ؛ نجات دی ، بچا لیا ، چھڑا لیا ۔ اِنْجَاءٌ ؛ نجات دینا ۔ فَاَنْجَيْنٰكُمْ ؛ پھر ہم نے تم کو نجات دی ۔ وَ ۔ اور اَغْرَقْنَا ؛ ہم نے غرق کر دیا ، ڈبو دیا ۔ اِغْرَاقٌ مصدر ۔ باب اِفْعَالٌ ۔ غَرِقَ مثل سَمِعَ ڈوبنا ، غرق ہونا ۔ اٰلَ فِرْعَوْنَ ؛ فرعون کے لوگوں کو ، اس کے تابعین کو ، لشکر کو ۔ وَاَنْتُمْ ؛ بحالیکہ تم ۔ تَنْظُرُوْنَ ؛ نظر کرتے ہو ، دیکھتے ہو ۔

بعض مادّہ پرست ، معجزے سے انکار کرنے والے ، عصائے موسٰی علیہ السلام کا معجزہ نہیں مانتے کہ دریا کا پانی پھٹ گیا اور پایاب ہوگیا ، موسٰیؑ مع بنی اسرائیل چلے گئے ، فرعون نے مع لشکر بنی اسرائیل کا تعاقب کرنا چاہا تو پانی مل گیا اور فرعون مع لشکر ڈوب مرا ، مرتے مرتے پکار اُٹھا ” میں بنی اسرائیل کے خدا پر ایمان لاتا ہوں “ کہتے ہیں موسٰی علیہ السلام وغیرہ کے وقت جزر ہوگیا تھا لہذا وہ پار اُتر گئے اور فرعون جب گذر رہا تھا تو ” مد “ ہوگیا ، پانی آ گیا اور وہ ڈوب گیا ۔ جزر و مد باقاعدہ طور سے ہوتا ہے ، معینہ وقت پر ہوتا ہے ۔ کبھی خلافِ وقت نہیں ہوتا ۔ موسٰی علیہ السلام اگر جزر کے وقت سے واقف تھے ۔ تو فرعون جو وہیں کا باخبر بادشاہ تھا ، خدائی کا دعویٰ کرتا تھا کیا اتنا بھی نہیں جانتا تھا کہ اب مد کا وقت آ گیا ہے ، ایسے حال میں دریا میں گھسنا موجبِ ہلاکت ہوگا ۔ یہ واقعہ تو تورات میں بھی ہے ۔ اس طرح تاریخی متواتر واقعہ سے انکار کرنے سے سائنس کی ترقی مسدود ہوجاتی ہے ۔

واضح ہو کہ چاند کی کشش سمندر کے پانی پر ہوتی ہے تو ساحل سے پانی کھچ جاتا ہے ۔ چاند سمندر کے مقابل نہیں ہوتا اور اس کی کشش نہیں پڑتی تو پھر ساحل تک پانی آتا ہے ۔ پس بمبئی ، مدراس وغیرہ کے ساحل پر ہمیشہ یہ تماشا دیکھا جاتا ہے ۔

ترجمہ :- اور (اس وقت کو یاد کرو) جب کہ ہم نے تمہارے لئے سمندر کو پھاڑ دیا ، پھر تم کو بچا دیا اور فرعون کے تابعین کو تمہارے دیکھتے دیکھتے غرق کر دیا ۔

صاحبو ! شیخ محی الدین ابن العربیؒ نے واقعہ فرعون کو بطور اعتبار کے بیان کیا ہے اور لوگ سمجھ رہے ہیں کہ وہ تفسیر کر رہے ہیں ۔ اعتبار کے معنی ہیں واقعہ یا کسی کے قول کو اپنے حسبِ حال ڈھال لینا ۔ اعتبار یہ ہے :-

جب موسٰی قلبِ سلیم ، جو محلِ الہام ہے ، و ہارونِ عقلِ مستقیم ، فرعونِ نفسِ لعین کے پاس ہدایت کرنے گئے جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور آثارِ قدرتِ الٰہی کے معجزے دکھائے تو اس نادان نے بھی قوتِ ارادی کے کرتبوں کے ساحروں کو پیش کیا ۔ سحرِ ساحراں ، معجزۂ موسٰی قلبِ سلیم کے سامنے کیا ٹھہر سکتا تھا ؟ وہ بے تمیز سمجھا کہ معجزہ و کرامت اور سحر سب ایک ہی چیز ہے ۔

آخر موسیٰؑ قلبِ سلیم و ہارون عقلِ مستقیم اپنے مکاشفات و معارف کی اُمّت کے ساتھ دریائے وحدتِ الٰہی میں سے نکل کر سرزمینِ بقاباللہ میں جاپہنچے اور فرعون نفسِ لعین مع اپنے وساوس و خطراتِ واہیہ کے دریائے وحدت میں ڈوب مرا۔ مرتے مرتے اس کو یقین آ گیا کہ موسیٰ قلبِ سلیم اور عقلِ مستقیم کا کہنا درست تھا اور وہ باایمان مرا۔ آگے سرزمینِ بقاباللہ میں نہ نفس کا گزر ہے اور نہ اس کے واہی تباہی خطرات و وساوس کا۔

ادعیہ غوثیہ میں ہے: اَللّٰھُمَّ لَقِّنِیْ فِرْعَوْنَ نَفْسِیْ کَلِمَۃَ التَّوحِیْدِ وَاَغْرِقْہُ فِیْ بَحْرِ وَحْدَتِکَ وَنَجِّنِیْ مِنْ شَرِّہٖ کَمَا نَجَّیْتَ مُوْسٰی وَ ھَارُوْنَ۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾

وَاِذْ وٰعَدْنَا ؛ اور (یاد کرو) جب کہ ہم نے وعدہ کیا تھا۔ مُوْسٰی ؛ موسیٰ سے۔ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً ؛ چالیس راتوں کا۔ عربی میں حساب میں رات کا ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ آدمی دن کو اِدھر اُدھر پھرتا ہے اور رات کو گھر میں رہتا ہے۔ نیز قمری مہینوں میں رات پہلے رہتی ہے اور شمسی مہینوں میں دن پہلے رہتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام چالیس رات تک اعتکاف بیٹھے تھے۔ اس کے بعد ان کو تورات ملی۔ فقراء بھی اسی لئے بیٹھتے ہیں۔ اس کو اربعین اور چلّہ کہتے ہیں۔ چالیس دن تک اعتکاف بیٹھنے میں، بڑی برکت پیدا ہوتی ہے خصوصاً جب کہ گوشت کی قسم کی چیزیں کھانا چھوڑ دیں۔ رسول اللہ ﷺ غارِ حرا میں اعتکاف بیٹھتے تھے۔ جب تک انکشافات نہ ہوں خلوت اختیار کرنے سے جمع خاطر ہوتا ہے۔ بات کم کرنا، طریقِ حواسِ ظاہری کو بند کرنا، ایک نقطہ پر توجہ کرنا، رات کو کم سونا، مناسب اسمائے الٰہیہ کا کثرت سے ذکر ضروری ہے۔ اکثر لوگ ایک اسم کو لاکھ یا سوا لاکھ بار پڑھتے ہیں اور اس کو زکوٰۃ کہتے ہیں۔ قرآنِ شریف میں کثرت کے لئے مَائَۃُ اَلْفٍ اَوْیَزِیْدُوْنَ آیا ہے۔ پاک صاف احرام باندھنا یعنی دو چادریں اوڑھنا بہتر ہے۔ شیخ کی اجازت اثرِ عظیم رکھتی ہے۔ جب زبان چلتے چلتے دل چلنے لگے تو اس کو شمار کر لینا چاہئیے۔ دل کا چلنا اصل ہے۔ دونوں چلیں تو ماشاء اللہ۔ ثُمَّ۔ پھر اِتَّخَذْتُمْ ؛ تم نے بنا لیا۔ اِتِّخَاذٌ بابِ اِفْتِعَال ہے، ثلاثی ہے۔ اَخَذَ ۔ یَاْخُذُ ۔ اَخْذًا ؛ لینا، پکڑنا۔ اَلْعِجْلَ ۔ گوسالہ، گائے کا بچھڑا۔ موسیٰ علیہ السلام تو چلہ بیٹھنے گئے اور سامری نے جو دیکھا کہ جبرئیل کے گھوڑے کا سم جہاں پڑتا ہے زمین ہری ہوجاتی ہے تو خاکِ زیرِ قدمِ جبرئیل کو لے کر سونے کے گوسالہ میں ڈال دیا۔ اور وہ لگا آواز کرنے۔ سامری نے لوگوں کو گوسالہ پرستی پر لگا دیا۔ اب تک ہندوؤں میں گوماتا کی پوجا باقی ہے۔ یہ لوگ خود میں شانِ خلافتِ الٰہی نہیں پاتے تو پیپل، تلسی، سانپ، گائے، ندی وغیرہ سب کی پوجا کرتے ہیں۔ یہ خلیفہ الٰہی کی تذلیل نہیں تو کیا ہے! اِتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ ؛ گوسالہ کو تم نے خدا بنا لیا۔ تورات میں ہے کہ ہارون علیہ السلام نے بھی گوسالہ کی پوجا کی نعوذ باللہ پیغمبر معصوم ہوتے ہیں۔ یہ تحریف نہیں تو پھر کیا ہے؟ مِنْۢ بَعْدِہٖ ؛ اس کے بعد وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ؛ اور بحالیکہ تم نے اس گوسالہ پرستی سے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ جو ظلمت کی وجہ غفلت میں پڑے،

خدا کا کیا بگاڑا؟ اپنی تباہی کی۔ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ ؛ پھر ہم نے تمہاری اس غلطی کو بھی معاف کردیا۔ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ؛ یہ سب کچھ کرنے کے بعد۔ لَعَلَّكُمْ۔ تاکہ تم، شاید کہ تم۔ تَشْكُرُوْنَ ؛ شکر کرو، شکر گزاری اختیار کرو۔

ترجمہ:- اور (یاد کرو) جب کہ ہم نے موسٰی سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا تھا۔ پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے کو خدا بنا لیا اور تم (اس کام میں) ظالم تھے پھر ہم نے اس کے بعد بھی تمہارا قصور معاف کردیا تاکہ تم شکر گزاری اختیار کرو۔

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

وَاِذْ اٰتَيْنَا ؛ اور (یاد کرو) جب کہ ہم نے دیا۔ اٰتٰی ۔ یُؤْتِیْ ۔ اِیْتَاءً ۔ دینا۔ بابِ اِفْعَالٌ ؛ ثلاثی۔ اَتٰی ۔ یَاتِیْ ۔ اِتْیَانًا ؛ آنا۔ مُوْسٰی ۔ موسٰی کو۔ اَلْكِتٰبَ ۔ تورات۔ وَ ۔ اور۔ اَلْفُرْقَانَ ؛ حق و باطل میں فرق کرنے والا، مرضی و نامرضی الٰہی میں تمیز دینے والا، قانونِ الٰہی، شریعتِ خداوندی۔ لَعَلَّكُمْ ؛ تاکہ تم۔ تَهْتَدُوْنَ ؛ ہدایت پاؤ۔ ثلاثی۔ اِهْتَدٰی ۔ یَهْتَدِیْ ۔ اِهْتِدَاءً ؛ ہدایت پانا۔ هَدٰی ۔ یَهْدِیْ ۔ هِدَایَةً ؛ ہدایت دینا۔ هَادٍ ؛ ہدایت دینے والا۔ هَدٰی ؛ ہدایت دی، رہنمائی کی، راستہ بتلایا، راستہ پر لگا دیا۔

ترجمہ:- اور (یاد کرو) جب کہ ہم نے موسٰی کو کتاب اور شریعت عطا کی تاکہ تم ہدایت پاؤ (سیدھے راستہ پر لگ جاؤ)۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی ؛ اور (یاد کرو) جب کہ موسٰی نے کہا۔ لِ ؛ واسطے۔ قَوْمٌ ؛ جرگہ، قبیلہ، خاندان کا وہ اجتماع و تنظیم جس پر افراد کا قیام ہے، دار و مدار ہے۔ لِقَوْمِهٖ ؛ اپنی قوم سے۔ دنیا میں قومیت زمین و وطن کے لحاظ سے ہوتی ہے یا زبان کے لحاظ سے یا رنگ و قبیلہ کے لحاظ سے۔ مسلمانوں کی قومیت مذہب کے لحاظ سے ہے۔

یہ رشتۂ خدائی ہے کیا خوب رشتہ مسلمان آپس میں ہیں بھائی بھائی (حسرت)

خدائی رشتہ ہمہ گیر ہوتا ہے، روح و تن دونوں کو اپنے قبضہ میں رکھتا ہے اگر لوگ منتشر افراد ہوں، منظم حالت میں نہ رہیں تو ان کی کوئی قومیت نہ ہوگی، وہ غیر متمدن اور وحشیوں کے منتشر افراد ہوں گے۔ اسلام میں اجتماع و تنظیم پر سب سے زیادہ زور ہے، بڑی تاکید ہے۔ یٰقَوْمِ ؛ اے میری قوم! اصل میں یَا قَوْمِیْ ہے۔ عربی میں اکثر یائے متکلم کو گرا دیتے ہیں اور ماقبل کے کسرہ کی دلالت کو کافی سمجھتے ہیں۔ اِنَّكُمْ ؛ بے شک تم۔ ظَلَمْتُمْ ؛ تم نے ظلم کیا۔ اَنْفُسٌ ۔ جمع نَفْسٌ۔ اَنْفُسَكُمْ

اپنے نفسوں پر، اپنی جانوں پر۔ بِاتِّخَاذِکُمُ الْعِجْلَ ؛ گوسالہ کو خدا ماننے سے، اس کی پوجا کرنے سے۔ فَتُوْبُوْا ؛ پس رجوع کرو، توبہ کرو۔ اِلٰی۔ طرف۔ بَارِئٌ ؛ پیدا کرنے والا، خالق اِلٰی بَارِئِکُمْ ؛ اپنے پیدا کرنے والے کی طرف فَاقْتُلُوْا ؛ پھر قتل کرو۔ اَنْفُسَکُمْ ؛ اپنے آپ کو۔ ذٰلِکُمْ ؛ یہ خَیْرٌ لَّکُمْ ؛ تمہارے لئے بہتر ہے۔ خَیْرٌ اصل میں اَخْیَرُ تھا۔ افعل تفضیل کا صیغہ ہے معمولی صفت کے لئے آتا ہے۔ عِنْدَ بَارِئِکُمْ ؛ تمہارے خالق کے پاس۔ فَتَابَ عَلَیْکُمْ ؛ پھر خدا نے تمہاری توبہ قبول کی، تمہاری طرف رحمت سے توجہ کی۔ اِنَّهٗ بے شک وہ۔ هُوَ۔ وہی۔ اَلتَّوَّابُ۔ بڑا توبہ قبول کرنے والا، معاف کرنے والا۔ اَلرَّحِیْمُ۔ بڑا مہربان۔

ترجمہ :- اور (یاد کرو) جب کہ موسٰی نے اپنی قوم سے کہا ’’ اے میری قوم ! بے شک تم نے بچھڑے کو خدا مان کر، (اس کی پوجا کر کے) اپنی جانوں پر ظلم کیا پس اب تم توبہ کرو اپنے خالق کی طرف (رجوع کرو) اور (اس توبہ میں) اپنے آپ کو قتل کرو (یہ قتل) تمہارے لئے تمہارے پیدا کرنے والے کے پاس بہتر ہے‘‘ بالآخر اللہ نے ان کی توبہ قبول کرلی۔ بے شک وہی ہے بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان

صاحبو ! مذہب کہہ کر خدا کو بھول جانا گوسالہ جیسے جانور کی پوجا کرنا، ایمان کی موت ہے، عقلِ سلیم کی موت ہے۔ اس لئے اس کی سزا بھی کیا مقرر ہوئی ؟ قتل ! تم اپنے پر غور کرو، زر پرست تم ہو، شہوت پرست تم ہو، کفار پرست تم ہو۔ اب تو بعض مسلمان گوسالہ پرستوں کے پرستار ہوگئے ہیں۔ اب تم خود سمجھو اس کی سزا کیا ہوگی ؟ وہی قتل ! توبہ کرو ! تم محمد رسول اللہ ﷺ کی اُمت ہو۔ تمہاری توبہ کے لئے قتل شرط نہیں ہے۔ اپنی غفلتوں پر نادم ہو، برے کاموں کو فوراً چھوڑو، آئندہ کے لئے عزم بالجزم رکھو کہ کبھی اپنے مالک کے احکام کی خلاف ورزی نہ کروں گا، اوامر کی پابندی کروں گا اور نواہی سے پرہیز کروں گا۔ پھر وہی تم ہو، تمہارا مہربان خدا ہے۔ پھر وہی اگلی عزت وحرمت ہے، وہی لطف وعنایت ہے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝

وَاِذْ قُلْتُمْ ؛ اور (یاد کرو) جب کہ تم نے کہا۔ یٰمُوْسٰی ؛ اے موسٰی۔ لَنْ نُّؤْمِنَ۔ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔ لَکَ۔ تجھ پر۔ حَتّٰی۔ جب تک۔ نَرٰی۔ دیکھیں گے۔ رَأٰی ــ یَرٰی ــ رُؤْیَةً ؛ دیکھنا۔ رُؤْیَا ؛ خواب دیکھنا۔ رَأْیًا ؛ رائے رکھنا، سمجھنا۔ جَهْرَةً ؛ علانیہ، کھلم کھلا، عالم شہادت میں، چشم سر سے۔

واضح ہو کہ خدائے تعالےٰ کی دو شانیں ہیں (۱) شانِ تنزیہ، احدیتِ ذات۔ اس شان کا دیدار نہیں ہوتا بلکہ اس شان کے انکشاف کے وقت خود بندہ فنا ہو جاتا ہے۔ یہ حالت موت سے زیادہ ہے۔ موت میں عالمِ برزخ کی طرف روح کی توجہ ہوجاتی ہے، اس حالت میں تو ہے: ’’ جو رہی سو بے خبری رہی ‘‘۔

(۲) شانِ تشبیہ۔ عالمِ مثال میں غیر مرئی شئے مناسب صورت میں نمودار ہوجاتی ہے۔ حضرتؐ نے علم کو دودھ کی شکل میں دیکھا، بیماری کو پراگندہ بال چھوکری کی صورت میں دیکھا، جبرئیل ایک اعرابی، دحیہ کلبی کی شکل لے کر نمودار ہوتے تھے۔

مسلمان رجوع الی اللہ کرتا ہے تو پھر خدا کی سب مہربانیاں اس کو میسر آسکتی ہیں

مقور، تصویر میں محبت، غصہ، شجاعت وغیرہ معانی کو ظاہر کرتا ہے۔ ان نادان بنی اسرائیل نے خدائے تعالیٰ کو عالمِ شہادت میں دیکھنا چاہا جو ممکن نہ تھا۔

فَاَخَذَتْكُمُ ؛ پھر آلیا، تم کو پکڑ لیا۔ الصّٰعِقَةُ ؛ بجلی۔ جب تک بجلی چمکتی ہے بَرْق ہے جب کڑاکے کے ساتھ گرے تو صَاعِقَہ ہے۔ وَاَنْتُمْ ؛ اور تم۔ تَنْظُرُوْنَ ؛ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

ترجمہ:- اور (یاد کرو) جب کہ تم نے کہا "اے موسٰی! ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ ہم اللہ کو (ظاہر بظاہر،) علانیہ نہ دیکھ لیں گے" تب تو تم کو بجلی نے آ گھیرا اور تم دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

صاحبو! یہ ابھی بیان کیا گیا ہے کہ دیدارِ الٰہی شانِ تنزیہ کا نہیں ہوتا بلکہ اس وقت فنائیت آتی ہے۔ جب تک فنائیت نہ آئے کوئی ولی نہیں ہوتا۔ ہاں! اخیار و ابرار میں رہتا ہے۔ کیا ہر بے ہوش ہونے والا مرتبہ فنا کو پہنچ جاتا ہے؟ کیا جس نے کلوروفارم سونگھا مرتبہ فنا کو پہنچ گیا؟ بچے چکر کھاتے رہتے ہیں۔ بالآخر چکرا کر گر جاتے ہیں۔ کیا یہ سب فانی فی اللہ ہوگئے؟ ہرگز نہیں! جو فنا فی اللہ ہوجاتا ہے وہ کنزالعرفان اور مخزنِ تجلیاتِ الٰہی و صاحبِ نفسِ مطمئنہ ہوجاتا ہے۔ چکر آنے اور خالی بیہوش ہونے کو کون فنائیت کہہ سکتا ہے۔

تیرا کیا کہنا ہے اے ام العلوم بنتِ جہل قوتِ علمیہ کا تجھ پر ہی ہے دار و مدار (حسرتؔ)

فنائیت ایک عظیم الشان کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ ع "بخدا تا نہ چشی کے دانی"۔ بعض کا خیال ہے کہ اُس وقت صرف بھول پیدا ہوتی ہے اور بعض کا خیال ہے کہ اُس وقت سوائے واحدِ قہار کے کوئی نہیں رہتا۔

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

ثُمَّ ؛ پھر۔ بَعَثْنَا ؛ ہم نے بھیجا، اُٹھایا۔ بَعَثْنٰكُمْ ؛ ہم نے تم کو (مرنے کے بعد) اُٹھایا، زندہ کیا۔ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ تمہارے مرنے کے بعد۔ لَعَلَّكُمْ ؛ تاکہ تم۔ تَشْكُرُوْنَ ؛ تم شکر کرو۔

ترجمہ:- پھر ہم نے تم کو تمہارے مرنے کے بعد زندہ کردیا تاکہ تم شکر کرو۔

صاحبو! بنی اسرائیل علانیہ خدائے تعالےٰ کو دیکھنا چاہتے تھے۔ قہر احدیت کی ان پر بجلی گری اور وہ فنا ہوگئے ان کو معلوم ہوگیا کہ شانِ احدیت کے ظہور کے وقت فنائیت آجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو فنا کے بعد بقا عطا کی کہ اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر ادا کریں۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ

وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

وَظَلَّلْنَا ؛ اور ہم نے سایہ کیا۔ جب تم فرعون کے دریائے نیل میں ڈوبنے کے بعد میدانِ تِیـــہ میں سرگردان پھر رہے تھے تو ہم نے تمہارے سر پر ابر کا سایہ کردیا تھا۔ ظِلٌّ ۔ سایہ۔ اَظْلَالٌ جمع۔ عَلَيْكُمْ ؛ تم پر۔ اَلْغَمَامَ ؛ ابر کو غَمَّ۔ يَغُمُّ ۔ غَمًّا ؛ چھانا۔ غَمٌّ ؛ وہ رنج جو دل پر چھا جائے۔ غُمَّةٌ ؛ تاریکی، شبہ۔ وَاَنْزَلْنَا ؛ اور ہم نے اُتارا۔ عَلَيْكُمْ ؛ تم پر۔ اَلْمَنَّ ایک قسم کی چیز تھی جس سے روٹی پکاتے تھے۔ وَالسَّلْوٰى ۔ اور بٹیر۔ كُلُوْا ؛ کھاؤ۔ مِنْ طَيِّبٰتِ ؛ اچھی اور پاکیزہ چیزوں سے۔ مَارَزَقْنٰكُمْ ؛ جو ہم نے تمہیں دیں۔ وَمَا ظَلَمُوْنَا ؛ اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا، ہمارا کیا بگاڑا۔ وَلٰكِنْ ؛ اور لیکن۔ كَانُوْا : تھے۔ اَنْفُسَهُمْ ؛ اپنے نفسوں کو، اپنی جانوں کو يَظْلِمُوْنَ ؛ ظلم کرتے، نقصان پہنچاتے۔

ترجمہ :- اور ہم نے تم پر ابر کا سایہ کردیا تھا اور تمہارے لئے منّ وسلویٰ اُتارا۔ کھاؤ ہماری دی ہوئی پاک چیزوں میں سے اور انہوں نے ہمارا تو کچھ نہیں بگاڑا مگر اپنی ہی جانوں کو تباہ کیا۔

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۚ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

وَاِذْ قُلْنَا ؛ اور (یاد کرو) جب کہ ہم نے کہا۔ اُدْخُلُوْا ۔ داخل ہوجاؤ، گھسو۔ هٰذِهٖ ۔ یہ۔ اَلْقَرْيَةَ ۔ گاؤں، شہر۔ قُرًى ۔ جمع ہے۔ قَرٰى ۔ يَقْرِىْ ۔ قِرًى ؛ جمع کرنا، مہمانی کرنا۔ فَكُلُوْا ؛ پھر کھاؤ۔ مِنْهَا ؛ اس قریہ سے۔ حَيْثُ ؛ جہاں۔ شِئْتُمْ ۔ تم نے چاہا۔ حَيْثُ شِئْتُمْ ؛ جہاں سے چاہو۔ رَغَدًا ۔ جی بھر کے، مزے سے۔ وَادْخُلُوْا ؛ اور داخل ہو، گھسو۔ اَلْبَابَ ۔ دروازہ میں۔ اَبْوَابٌ جمع۔ سُجَّدًا (جمع سَاجِدٌ) سجدہ کرتے ہوئے۔ حال ہے ضمیر اُدْخُلُوْا سے۔ وَقُوْلُوْا ۔ اور تم کہو۔ حِطَّةٌ ۔ بوجھ اُتار دینا، گناہوں کو معاف فرما دینا۔ نَغْفِرْ لَكُمْ ؛ ہم تمہاری مغفرت کردیں گے، بخش دیں گے۔ امرِ اُدْخُلُوْا کا جواب ہے اس لئے مجزوم ہے۔ لَكُمْ ؛ تمہارے لئے، تمہارے فائدہ کے لئے۔ خَطَايَا جمع خَطِيْئَةٌ ؛ غلطی، گناہ، بغیر ارادے کے غلطی۔ وَسَنَزِيْدُ ؛ اور قریب میں ہم زیادہ کریں گے۔ اَلْمُحْسِنِيْنَ جمع مُحْسِنٌ نیکوکار، احسان کرنے والے، اچھا کام کرنے والے۔

ترجمہ :- اور (یاد کرو) جب کہ ہم نے کہا اس قریہ میں داخل ہوجاؤ پھر وہاں سے جی بھر کر کھاؤ جہاں سے چاہو اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور کہو ہم معافی چاہتے ہیں تو ہم تمہاری خطاؤں کو معاف کردیں گے اور عنقریب نیکوکار لوگوں کو اور زیادہ دیں گے۔

جب بنی اسرائیل سرزمینِ کنعان میں پہنچ گئے تو حکم ہوا کہ اریحا یا اریحو نامی قریہ میں سجدہ شکر ادا کرتے ہوئے داخل ہو اور وہاں حسبِ منشاء جو چاہو کھاؤ پیو، ہم تمہاری ساری خطاؤں کو معاف کردیں گے اور جو شروع ہی سے محتاط تھے ان کو سرفراز کریں گے۔

فَبَدَّلَ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا قَوۡلًا غَیۡرَ الَّذِیۡ قِیۡلَ لَهُمۡ فَاَنۡزَلۡنَا عَلَی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا

رِجۡزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا کَانُوۡا یَفۡسُقُوۡنَ ﴿۵۹﴾

فَبَدَّلَ ؛ پھر بدل دیا ۔ اَلَّذِیۡنَ ؛ وہ لوگ جو، جنہوں نے ۔ ظَلَمُوۡا ؛ ظلم کیا ۔ قَوۡلًا ؛ بات ، قول ۔ غَیۡرَ ؛ سوا ، بجز ۔ اَلَّذِیۡنَ ؛ جو ۔ قِیۡلَ ؛ کہا گیا ۔ لَهُمۡ ؛ ان کے لئے ، ان سے ۔ فَاَنۡزَلۡنَا ؛ پھر ہم نے اُتارا ۔ عَلٰی ۔ پر ۔ عَلَی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا ؛ ان لوگوں پر جنہوں نے ظلم کیا ، ظالموں پر ۔ رِجۡزًا ؛ عذاب ، بلا ۔ مِنَ السَّمَآءِ ۔ آسمان سے ۔ بِمَا کَانُوۡا یَفۡسُقُوۡنَ ؛ بسبب ان کی بدکاری کے ، بہ سبب اس کے کہ وہ فسق کرتے تھے ۔ فِسۡق ۔ کھلی بدکاری ۔ فَسَق ۔ نکلا ۔

ترجمہ :- پھر ظالموں نے اس بات کو بدل دیا جو اُن کو کہی گئی تھی تو ہم نے ظالموں پر ان کے فسق (اور بدکاری) کی وجہ سے آسمان سے عذاب نازل کیا ۔

ان سے کہا گیا تھا کہ حِطَّۃٌ کہیں یعنی ہم معافی چاہتے ہیں مگر ان لوگوں نے اس کو بدل دیا اور حِنۡطَۃٌ کہا یعنی گیہوں ۔ حاصل یہ کہ بجائے دُعائے مغفرت کے روٹی کی فکر کرنے لگے ۔ یہ بنی اسرائیل کی روایت ہے صحت یقینی نہیں کیونکہ حِطَّۃٌ اور حِنۡطَۃٌ دونوں لفظ عربی ہیں نہ کہ عبرانی ۔ واللہ اعلم ۔

ع ۲ / ۶

وَاِذِ اسۡتَسۡقٰی مُوۡسٰی لِقَوۡمِهٖ فَقُلۡنَا اضۡرِبۡ بِّعَصَاکَ الۡحَجَرَ ؕ فَانۡفَجَرَتۡ مِنۡهُ اثۡنَتَا عَشۡرَۃَ عَیۡنًا ؕ

قَدۡ عَلِمَ کُلُّ اُنَاسٍ مَّشۡرَبَهُمۡ ؕ کُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ اللّٰهِ وَلَا تَعۡثَوۡا فِی الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِیۡنَ ﴿۶۰﴾

وَ اِذِاسۡتَسۡقٰی مُوۡسٰی ؛ اور (یاد کرو) جب کہ پانی طلب کیا ، مانگا موسٰی نے ۔ بابِ اِسۡتِفۡعَال سے ۔ سَقٰی مادہ سَقٰی ۔ یَسۡقِیۡ ۔ سَقۡیًا ؛ پانی پلانا ۔ لِقَوۡمِهٖ ؛ اپنی قوم کے لئے ۔ فَقُلۡنَا ؛ پھر ہم نے کہا ۔ اِضۡرِبۡ ۔ مار بِعَصَاکَ ۔ اپنے عصا سے ۔ اَلۡحَجَرَ ؛ پتھر کو ۔ فَانۡفَجَرَتۡ ؛ پھر پھوٹ نکلے ۔ فَجۡرٌ ؛ صبح ۔ اِنۡفَجَرَ ۔ سفید چیز نکلی ، دنبل سے پیپ نکلا ، پتھر سے پانی نکلا ۔ مِنۡهُ ؛ اس سے ۔ اِثۡنَتَا عَشۡرَۃَ ؛ بارہ ۔ عَیۡنًا ۔ چشمے ۔ عُیُوۡنٌ جمع ، تمیز ہے ۔ یہ موسٰی علیہ السلام کا معجزہ ہے کہ ان کے عصا مارنے سے بارہ چشمے نکلے ۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے لگن میں پانی ڈالا ، اس میں اپنے ہاتھ رکھے ، پانی بلبلے دیتا ہوا نکلنے لگا اور آدمی جانور سب سیراب ہوگئے ۔ معجزے کے منکر ، روحانیت سے نابلد ، مادہ پرستوں کے اعتراض اور ان کا ناممکن بتلانا ناقابلِ توجہ ہے ۔ وہ اس مغالطے میں پھنسے ہوئے ہیں کہ جو ہم نہیں جانتے ، ہم نے نہیں دیکھا ، وہ نہ ہے ، نہ ہوا ۔ قَدۡ عَلِمَ ۔ جان لیا ۔ کُلُّ ۔ ہر ایک ۔ کل کے دو معنی ہوتے ہیں ۔ کلّ مجموعی ۔ سب مل کر جیسے کل آدمی اس گھر میں اس پتھر کو اُٹھاتے ہیں یعنی سب مل کر کلّ افرادی ۔ ہر ایک جیسے یہ روٹی کل کو کافی ہے یعنی ہر ایک کو علحدہ نہ کہ مجموعے کو ۔ کُلُّ اُنَاسٍ ؛

ہر شخص، ہر ایک آدمی ۔ مَشْرَبٌ ؛ پَن گھٹ، پینے کی جگہ ۔ شَرْبٌ کا اسم ظرف ہے ۔ مَشْرَبَهُمْ ؛ اپنے گھاٹ کو ۔ كُلُوْا ؛ کھاؤ ۔ یعنی ایسے حال میں کہ ان سے کہا گیا ''کھاؤ'' ۔ اور ۔ اِشْرَبُوْا ؛ پیو ۔ بابِ سَمِعَ ــ شُرْبٌ مصدر ۔ مِنْ ؛ سے ۔ رِزْقِ اللّٰهِ ؛ اللہ کا رزق، اللہ کا دیا ہوا ۔ وَلَا تَعْثَوْا ؛ اور شرارت نہ کرو، فساد کرتے نہ پھرو ۔ فِیْ ؛ میں ۔ اَلْاَرْضِ ؛ زمین ۔ اَرَضِیْنَ وَاَرَاضِیْ جمع ۔ فِی الْاَرْضِ ؛ زمین میں ۔ مُفْسِدِیْنَ ؛ فساد کرتے ۔

ترجمہ:- اور (یاد کرو) جب کہ موسٰی نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا، (پانی کے لئے دُعا کی) ہم نے کہا ''اپنا عصا پتھر پر مار!'' پھر اس پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے، ہر شخص نے اپنا پَن گھٹ جان لیا (ایسے حال میں کہ ہم نے ان سے کہا) کھاؤ پیو اللہ کے دیئے سے اور نہ پھرو زمین میں فساد مچاتے ۔

بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے لہذا بارہ چشمے نکلے ۔ کیا کوئی خاص پتھر تھا جس پر حضرت موسٰیؑ نے عصا مارا تھا یا جس پتھر پر یا پہاڑ پر عصا مارتے اس میں سے بارہ چشمے نکل آتے، قرآن میں اس کی تصریح نہیں اور ہم کو اس کی تحقیق کی ضرورت نہیں ۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا
مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ
قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ
وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ
بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ ع ۷

وَاِذْ قُلْتُمْ ؛ اور (یاد کرو) جب کہ تم نے کہا ۔ یٰمُوْسٰی ؛ اے موسٰی ۔ لَنْ نَّصْبِرَ ؛ ہم ہرگز صبر نہ کریں گے ۔ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ ؛ ایک قسم کے کھانے پر ۔ فَ ۔ پس، پھر ۔ اُدْعُ ؛ دُعا کرو، پکارو، بلاؤ ۔ لَنَا ۔ ہمارے لئے ۔ فَادْعُ لَنَا ؛ پس ہمارے لئے دُعا کیجئے ۔ رَبَّكَ ؛ اپنے پروردگار سے، اپنے رب سے ۔ یُخْرِجْ لَنَا ؛ ہمارے لئے نکالے ۔ اُدْعُ کا جواب ہے لہذا مجزوم ہے ۔ مِمَّا ؛ جس سے، اصل میں مِنْ مَا تھا ۔ تُنْبِتُ ؛ اُگاتی ہے ۔ بابِ اِفْعَالٌ ۔ نَبَاتٌ ؛ روئیدگی، درخت وغیرہ ۔ اَلْاَرْضُ ؛ زمین ۔ مِنْ ؛ سے ۔ بَقْلِهَا ۔ اس کے ساگ، بھاجی، ترکاری ۔ وَقِثَّآئِهَا ؛ اور اس کی ککڑی ۔ وَفُوْمِهَا ؛ اور اس کے گیہوں ۔ وَعَدَسِهَا ؛ اور اس کی مسور ۔ وَبَصَلِهَا ۔ اور اس کی پیاز ۔ قَالَ ؛ (موسٰی نے) کہا ۔ أ ؛ کیا ۔ تَسْتَبْدِلُوْنَ ؛ بدلنا چاہتے ہو ۔ اَلَّذِیْ ؛ جو ۔ هُوَ ؛ وہ ۔ اَدْنٰی ۔ کمتر ہے ۔ بِ ۔ ساتھ ۔ بِالَّذِیْ ؛ اس چیز سے، بعوض اس کے ۔ هُوَ ؛ وہ ۔

خَیْرٌ بہتر ۔ اِهْبِطُوْا ؛ اُترو ، بلند حالت سے پست حالت میں داخل ہو ۔ مِصْرًا ؛ شہر ۔ اَمْصَارٌ جمع ۔ جب مصر سے قاہرہ مراد ہوتا ہے تو غیر منصرف ہوتا ہے ۔ فَاِنَّ ؛ پس بے شک ۔ لَكُمْ ؛ تمہارے لئے ہے ۔ مَا ؛ جو ۔ سَاَلْتُمْ ؛ تم نے سوال کیا ، مانگا ۔ وَضُرِبَتْ ؛ اور ماری گئی ، ڈالی گئی ۔ عَلَيْهِمْ ؛ ان پر ۔ اَلذِّلَّةُ ؛ ذِلّت وخواری ۔ ذَلَّ ۔ يَذِلُّ ۔ ذُلًّا ؛ رام ہونا ۔ ذِلًّا وَذِلَّةً خواری ۔ وَالْمَسْكَنَةُ ؛ اور مسکینی ، فقیری ، ناداری ۔ مِسْكِيْنٌ ؛ جس کے پاس کچھ نہ ہو ، کنگال ۔ فَقْرٌ ؛ احتیاج ۔ وَبَآءُ و ؛ اور مستحق ہوئے ، لائق ہوئے ۔ بِ ؛ سے ۔ غَضَبٍ ؛ غصہ ، ناخوشی ۔ مِنْ ؛ سے ۔ مِنَ اللّٰهِ ؛ اللہ سے ذٰلِكَ ۔ یہ (ساری تباہی) ۔ بِاَنَّهُمْ ؛ اس وجہ سے کہ وہ ۔ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ؛ منکر تھے ، کفر کرتے تھے ، حق پوشی کرتے تھے ۔ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؛ اللہ کی نشانیوں سے ۔ وَيَقْتُلُوْنَ ؛ اور قتل کیا کرتے تھے ۔ اَلنَّبِيّٖنَ ؛ پیغمبروں کو نبیوں کو بِغَيْرِ الْحَقِّ ؛ ناحق ، ناروا ، بے سبب ۔ ذٰلِكَ یہ (کفر اور قتلِ انبیاء) بِمَا عَصَوْا ؛ بہ سبب ان کی نافرمانی اور گناہوں کے ۔ مَا مصدری ہے ۔ وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ؛ اور حق سے تجاوز کرتے تھے ، گناہ کرتے تھے ، کفر اور انبیا کے قتل تک نوبت پہنچی ، گزشتہ لوگوں نے کیا اور حال کے لوگوں نے اس کو تسلیم کیا لہذا دونوں کا ایک ہی حکم ہوگیا ۔ الرضا بِالْكُفْرِ كُفْرٌ ؛ کفر سے راضی ہونا بھی کفر ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ جو حال گزشتہ لوگوں کا ہوا وہی حال ، حال کے لوگوں کا ہوگا ۔

ترجمہ :- اور (یاد کرو) جب کہ تم نے کہا ”اے موسٰی ! ہم ایک قسم کے کھانے پر صبر (قناعت) نہ کریں گے لہذا ہمارے لئے اپنے رب سے دُعا کیجئے کہ وہ ہمارے لئے زمین کی پیداوار سے بھاجی اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز پیدا کرے“ ”(موسٰی نے) کہا کیا تم بدل لینا چاہتے ہو ادنیٰ (وکم قیمت) کو بعوض بہتر کے ۔ کسی شہر میں اُتر پڑو ۔ پس بے شک تم کو وہ سب مل جائے گا جو تم مانگتے ہو“ اور ان پر ذِلّت و خواری اور فقیری ڈالی گئی اور اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے ۔ یہ (ساری تباہی) اس وجہ سے ہے کہ وہ اللہ کی نشانیوں سے انکار کرتے تھے اور ناحق و ناروا نبیوں کو قتل کرتے تھے ۔ یہ (کفر وقتل) بہ سبب ان کی نافرمانی (اور گناہوں) کے تھا اور وہ حق سے تجاوز کرتے تھے ۔

آج کل بھی یہودی کروڑ پتی ، ارب پتی ہیں ، مگر ہیں ذلیل و خوار ۔ ہٹلر نے جرمنی میں جتنے یہود تھے ان کو مار کر سب کچھ چھین لیا ۔ سارے یورپ میں یہودیوں کا حال تباہ ہے ۔ روپیہ خوب جمع کرتے ہیں مگر کوئی نہ کوئی مار کر پھر مفلس بنا دیتا ہے ۔ انگریزوں نے لاکھ کوشش کی فلسطین میں یہودیوں کی سلطنت قائم کردیں مگر وہ تو نہ ہوا اور خود کو تباہی میں ڈال دیا ، ساری دنیا کو دشمن بنالیا ۔ خود ان کا پوزیشن خطرناک حالت میں ہوگیا ہے ۔ ان کو معلوم ہوجائے گا کہ مسلمانوں کی دوستی اچھی تھی یا یہودیوں کی ۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾

اِنَّ الَّذِیْنَ ؛ بے شک جو لوگ ۔ اٰمَنُوْا ؛ ایمان لائے ، ایماندار اور منافق ، بظاہر ایماندار ۔ وَالَّذِیْنَ ؛ اور وہ لوگ جو ۔ هَادُوْا ؛ یہودی ہوئے ، یہود : یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادے یہود کی طرف منسوب ، موسوی ۔ وَالنَّصٰرٰی جمع نَصْرَانِیْ ؛ قریہ ناصرہ کا باشندہ ، عیسائی ، مسیحی ، کرسچین ۔ وَالصّٰبِئِیْنَ ؛ صَابِئٌ ایک فرقہ تھا بابل نینوا میں ۔ ابراہیمی ، ستارہ پرست ۔ مَنْ ؛ جو ، لفظاً واحد ہے اور معناً جمع ہے لہذا اس کی طرف واحد اور جمع دونوں طرح کی ضمیر پھیری جاسکتی ہے ۔ اٰمَنَ ؛ ایمان لایا ۔ بِاللّٰهِ ؛ اللہ پر ۔ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؛ اور روزِ آخرت پر ، قیامت پر ، وَعَمِلَ اور کیا ، اور کام کیا ۔ عمل میں علم بھی ہے اور فعل عام ہے ۔ صَنْعٌ میں کاریگری ہے ، مہارت ہے ۔ صَالِحًا ؛ اچھا ۔ فَلَهُمْ ؛ پھر ان کے لئے ہے ۔ اَجْرُهُمْ ؛ ان کا بدلہ ، ان کا اجر ، ان کا ثواب ۔ عِنْدَ ؛ پاس ، نزدیک ۔ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؛ ان کے رب کے پاس ۔ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ ؛ اور ان پر کسی قسم کا خوف نہیں ۔ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ؛ اور نہ وہ غمگین ہوں گے ، اور نہ ان کو حزن و ملال ہوگا ۔

ترجمہ :- بے شک مسلمان اور یہودی اور نصرانی اور صابئ (ان میں سے) جو بھی اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان لائے اور جنھوں نے اچھے کام بھی کئے تو ان کا اجر اور ثواب ان کے رب کے پاس ہے ۔ نہ ان پر کچھ خوف ہے نہ ان کو کچھ حزن و ملال ۔

اس آیتِ شریف کے مختلف معانی بیان کئے جاتے ہیں :- (۱) بظاہر ہر مسلمان یعنی منافقوں ، یہودیوں اور نصرانیوں اور صابئیوں کو اللہ پر ایمان لانا چاہیے (۲) مسلمان ، یہودی ، نصرانی اور صابئ کسی کی کچھ خصوصیت نہیں ۔ جو ایمان لائے اللہ پر ، روزِ قیامت پر اور اچھے کام کرے ، اچھے کام کا معیار خدا و رسول کا حکم ہے لہذا ایمان بہ رسول و یومِ آخر عملِ صالح میں آ گیا ۔

یہ ہم نے پہلے کبھی بیان کیا ہے کہ مسلمان تین قسم کے ہیں ۔

(۱) مذہبی مسلمان جو خدا و رسول پر ایمان لاتے ہیں ۔ نماز ، روزے اور دیگر احکامِ الٰہی کے پابند ہیں ، احکامِ الٰہی کی ان کے پاس بڑی اہمیت ہے ۔

(۲) قومی مسلمان جو مسلمانوں کی خوش حالی و عزت کے طالب ہیں ۔ ان کے خیال میں افلاس ، دین و دنیا سب کو تباہ کرتا ہے ۔ یہ لوگ مسلمانوں کے لئے بحالت قوت و حکومت رہنا ضروری سمجھتے ہیں ۔ یہ لوگ لکچر بازی کرتے رہیں گے ، چاہے اذاں ہوتی رہے یا نماز کا وقت ختم ہوجائے ۔

(۳) بین الاقوامی مسلمان ان کے پاس مسلمان ایک قومیت کا نام ہے ۔ جیسے برہمن ایک قوم ہے ، راجپوت ایک قوم ہے ، مرہٹہ ایک قوم ہے ۔ ان کی قومیت میں رسول کو ماننا ضروری نہیں ۔ معیارِ حسن و قبح ، عقل ہے ۔ دوسری اقوام میں بھی

اچھے لوگ ہوتے ہیں ۔ اعتقاد کی کوئی اہمیت نہیں ۔ نماز ، روزہ کوئی ضروری کام نہیں ۔ ان میں سے بعض کے پاس اس وقت بھی ہندؤں اور نصرانیوں میں پیغمبر ہیں ۔ اعاذنا اللہ ۔ ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کافتہ الناس کے لئے مبعوث ہوئے ہیں اور آپ خاتم النبین ہیں لا نَبِیَّ بَعْدِیْ ہیں ۔ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ منصوص ہے ۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید   کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ ؕ

خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۶۳﴾

وَإِذْ أَخَذْنَا ؛ اور (یاد کرو) جب کہ ہم نے تم سے لیا ۔ مِيثَاقَكُمْ ؛ تمہارا عہد، تمہارا اقرار ۔ وَرَفَعْنَا ؛ اور ہم نے اُٹھایا فَوْقَكُمْ ؛ تمہارے اوپر ۔ الطُّورَ ؛ نامِ کوہ ، کوہِ سینا ، وہ پہاڑ جس پر تجلی الٰہی موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہوئی تھی ۔ مذہبی قدرت پسند مسلمان کے پاس کوہِ طور کا مُعلّق بنی اسرائیل کے سرپر آنا کوئی بعید نہیں ۔ بعض منکرِ قدرتِ الٰہی کہتے ہیں کہ اس پہاڑ کی جڑ میں یہود کھڑے تھے اور پہاڑ کے لرزنے سے ڈرتے تھے کہ اوپر نہ آپڑے ۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ عہد ان پر اتنا شاق و دشوار گزر رہا تھا جیسے کوہِ طور ان کے سر پر آگرا ۔ خُذُوا ۔ لو، ہم نے ان سے کہا کہ لو، پکڑو ۔ مَآ آتَيْنَاكُمْ ؛ جو کچھ ہم نے تم کو دیا ۔ بِقُوَّةٍ ؛ قوت سے ، زور سے ۔ خُذُوا سے پہلے قُلْنَا مقدر رہے ۔ وَاذْكُرُوا ؛ اور یاد رکھو ۔ مَا فِيهِ ؛ اس کو جو اس میں ہے ۔ لَعَلَّكُمْ ؛ شاید کہ تم ، تا کہ تم تَتَّقُونَ ؛ متقی بنو ، پرہیز گار بنو ۔

ترجمہ :- اور (یاد کرو) جب کہ ہم نے تم سے عہد لیا اور تمہارے اوپر کوہِ طور کو بلند کیا (اور ہم نے کہا) ''لو ، جو کچھ ہم نے تم کو دیا مضبوطی سے اور یاد رکھو جو کچھ اس میں ہے ، تا کہ تم پرہیزگار بنو''۔

صاحبو ! تمہارے سروں پر طیارے بمباری کر رہے ہیں اور تم ہو کہ عہدِ خدا وندی کو بھلا بیٹھے ہو ۔ نہ قرآن کی اطاعت نہ حدیث کی اتباع ، تم اپنے آپ کو شترِ بے مہار ، بے ناتھ کا بیل ، اسپِ بے لگام سمجھ رہے ہو ۔ خدا کی اطاعت نہ کرو گے تو کفار کی اطاعت کرنی پڑے گی ، ایک غلامی سے نکلو گے تو دوسری غلامی میں پھنسو گے ۔ قرآن کو مضبوط پکڑو ۔ اس کو دلیلِ راہ بناؤ تو تم اپنے مقاصد میں کامیاب رہو گے ، متقی بنو گے ۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ ۖ

فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۶۴﴾

ثُمَّ ؛ پھر ۔ تَوَلَّيْتُمْ ؛ تم نے پیٹھ پھیری ، منہ موڑا ، اعراض کیا ، پھر گئے ۔ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ ؛ اس کے بعد ۔ فَلَوْلَا ؛ پھر

اگر نہ ہوتا۔ فَضْلُ اللّٰهِ ؛ اللہ کا فضل ۔ عَلَيْكُمْ ؛تم پر۔ وَرَحْمَتُهُ ؛ اور اس کی رحمت ۔ لَكُنْتُمْ ؛ البتہ تم ہوجاتے ۔ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ؛ نقصان اُٹھانے والوں سے ، ناکاموں سے ، بدانجام لوگوں سے ، خسارہ اُٹھائے ہوئے لوگوں سے ، خائب و خاسر اشخاص سے ۔

ترجمہ :- پھر اس کے (اتنا ڈرانے اور دھمکانے کے) بعد بھی تم نے اعراض کیا (رُوگردانی کی) پھر اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم بھی ناکام و بدانجاموں سے ہوتے ۔

صاحبو ! مسلمان ہوکر تم احکامِ قرآنی سے اعراض کرتے ہو؟ اگر خدا کا فضل و کرم نہ رہتا تو تم اس قابل تھے کہ تم پر عذاب نازل ہوتا۔ پھر بھی یہ کیا کچھ کم ہے کہ اسلامی سلطنتیں برباد ہوگئیں گو لفظی غلام نہیں ہو مگر معناً تو ضرور غلام ہو ، خوار ہو ۔ اہلِ کتاب ایک طرف ، بُت پرست بھی تو تم کو ذلیل سمجھ رہے ہیں ۔ خود مسلمان مسلمان کو جھوٹا ، ناقابلِ معاملہ سمجھ رہا ہے ۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ۝

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ ؛ اور البتہ تم نے جان لیا ۔ تم کو تو معلوم ہے ۔ اَلَّذِيْنَ ؛ ان لوگوں کو جنہوں نے ۔ اِعْتَدَوْا ؛ تعدی کی ، حد سے تجاوز کیا ، تاویلِ بیجا کی ۔ مِنْ ۔ سے ۔ مِنْكُمْ ؛ تم میں سے ۔ ضمیر اِعْتَدَوْا سے حال ہے ۔ فِي ؛ میں ۔ اَلسَّبْتِ ؛ روزِ شنبہ ، سنیچر ، ہفتہ کا دن ۔ اِعْتِدَاء فِي السَّبْتِ کی صورت یہ ہوئی کہ روزِ شنبہ بنی اسرائیل کے لئے ایسا تھا جیسے ہمارے پاس جمعہ ۔ مذہباً شنبہ کے روز دنیوی کام نہیں کرتے تھے ۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں اہلِ قریہ اُیلہ واقع ملکِ شام نے دریا کے قریب حوض بنائے ۔ دریا و حوض کے درمیان نالیاں بنائیں ، شنبہ کو مچھلیاں نالیوں سے ہوکر حوضوں میں آجاتیں اور وہ لوگ نالیوں کو بند کردیتے کہ کہیں مچھلیاں واپس نہ چلی جائیں اور یکشنبہ کو مچھلیوں کو پکڑ لیتے اور تاویل کرلیتے کہ ہم نے تو مچھلیوں کو یکشنبہ کے روز پکڑا ۔ فَقُلْنَا ؛ پھر ہم نے کہا ۔ لَ ؛ واسطے ، کے لئے ۔ لَهُمْ ؛ ان کو ، ان کے لئے ۔ كُوْنُوْا ؛ ہوجاؤ قِرَدَةً ؛ بندر ۔ قِرْدٌ واحد ۔ خَاسِئِيْنَ پھٹکارے ہوئے ، ذلیل ، ملعون ، دور ۔ یہ لوگ اپنی عقلمندی کے بڑے مدعی تھے اور مقصدِ الٰہی کا خلاف کرتے تھے لہذا ان کو بندر بن جاؤ کہا گیا ۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ بندر سے مراد یہاں خفیف الحرکات ، سبک سر ، بیوقوف ہے جو اغراض و مقاصد کو نہیں سمجھتا ۔ فَجَعَلْنٰهَا ؛ پھر کردیا ہم نے اس (واقعہ) کو ۔ نَكَالًا ؛ عبرت ، عذاب ۔ نَكَلَ کے معنی ہیں روکا ۔ نَكَالٌ ؛ عذاب ، جس میں آدمی مالوفات سے روکا جاتا ہے ۔ نیز عبرت جس میں ایک واقعہ کو دیکھ کر پھر کوئی ویسا کام نہیں کرتا ۔ لِمَا ؛ اس گروہ کے لئے ان لوگوں کے لئے بَيْنَ يَدَيْهَا ؛ جو سامنے ہیں ، جو حاضرالوقت ہیں ، اس زمانہ کے ہیں ۔ وَمَا خَلْفَهَا ؛ اور ان لوگوں کے لئے جو بعد میں آنے والے ہیں ، پچھلے لوگوں کے لئے ۔ خَلْفٌ ۔ پیچھے ۔ وَمَوْعِظَةً ؛ اور وعظ ، نصیحت ۔ لِلْمُتَّقِيْنَ ؛متقیوں کے لئے ، پرہیزگاروں کیلئے ، خدا ترسوں کے لئے ۔

ترجمہ :- اورتم کو معلوم ہے تم میں سے ان لوگوں کا حال جنھوں نے شنبہ (منانے) میں تعدی کی تھی (یعنی تاویلِ بے جا کی تھی ، اصل مقصد سے انحراف کیا تھا) پھر ہم نے ان کو کہا ذلیل پھٹکارے ہوئے بندر بن جاؤ۔ پھر ہم نے اس (واقعہ) کو عبرت بنا دیا سامنے کے لوگوں کے لئے اور پچھلے لوگوں کے لئے اور (اس واقعہ کو) ہم نے خدا ترسوں کے لئے نصیحت بنا دیا۔

صاحبو ! اس زمانہ کے علماء کو دیکھو کس قدر نفسانی اغراض کے لئے مقاصدِ قرآنی سے تجاوز کر کے الفاظ و منصوصاتِ قرآنی کی تاویل کرتے ہیں ۔ کسی نے سود کو جائز کر رکھا ہے اور غیر مسلم سے سود لیتا ہے ، کوئی زکوٰۃ کو صرف ایک دفعہ ضروری سمجھتا ہے ، کوئی اپنا مال بیوی کو چھ مہینے کے لئے ہبہ کرتا ہے اور پھر بیوی میاں کو چھ مہینے کے لئے ہبہ کرتی ہے تا کہ مال پر زکوٰۃ واجب نہ ہو ، کوئی ہندوستان بلکہ سلطنتِ حیدرآباد دکن کو بھی دارالکفر و دار الحرب ٹھیرا کر پنجہ آہنی شریعت سے نکلنا چاہتا ہے ، کوئی قحط زدہ غرباء کی اولاد کو خریدتا اور اُن کو باندی بناتا ہے اور نکاح کی ضرورت نہیں سمجھتا ۔ یہ لوگ اگر بندر نہیں بنا دیئے گئے اور ان پر عذاب نہیں اُترا تو کیا ، وہ بندر ، لنگور ، ریچھوں سے کیا کم ہیں ؟ یہ لوگ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ کے مرتکب ہیں ۔ مقصد سے دور رہنے میں حیوان سے بدتر ہیں ۔ کتا اپنے آقا کے مقصد کو پورا کرتا ہے ، اپنی جان دینے سے بھی دریغ نہیں کرتا ۔ یہ ظالم شریعت کی زد سے بچنے کے لئے کتابُ الحیل لکھتے ہیں ، اپنے ساتھ دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں ۔ حیلہ اس وقت جائز ہوسکتا ہے جب کہ کام نیک نیتی سے کیا گیا ہو اور اس میں کوئی افتاد پڑ گئی ہو ۔ یہ لوگ تو بندگانِ ہوا و ہوس غلامانِ اغراض و شہواتِ شیطانی و نفسانی ہیں ۔ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْ اَمْرِنَا ۔

یاد رکھو ! حیلہ بازی ، بحث و اختلاف اور مذاق اُڑانا جھوٹوں کے ہتھیار ہیں جو آج کل قرآن کے مقابل استعمال کئے جارہے ہیں ۔ یاد رکھو ! جو پہاڑ پر سر مارے گا خود اپنا سر پھوڑے گا ، پہاڑ کا کچھ نہ بگاڑے گا ۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ

قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى ؛ اور (یاد کرو) جب کہ موسیٰ نے کہا ۔ لِقَوْمِهٖٓ ؛ اپنی قوم سے ۔ اِنَّ اللّٰهَ ؛ بے شک اللہ ۔ يَاْمُرُكُمْ ؛ تم کو حکم دیتا ہے ۔ اَنْ تَذْبَحُوْا ؛ کہ ذبح کرو ، کاٹو ۔ اصل میں بِاَنْ تَذْبَحُوْا تھا کیونکہ اَمَرَ بِكَذَا ؛ کہتے ہیں ۔ اس کو منصوب بنزعِ خافض کہتے ہیں ۔ اس طرح حذفِ با عربی میں بکثرت ہے ۔ بَقَرَةً ؛ گائے ، بیل ۔ خصوصیت سے نر بتلانا ہوتا ہے تو ثَوْرٌ کہتے ہیں ۔ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا ؛ بنی اسرائیل نے کہا " کیا ہم کو بناتا ہے" ۔ مادہ ہے بابِ اِفْعَالٌ سے ۔ هُزُوًا ؛ دل لگی ، تمسخر ، ٹھٹا ، مضحکہ ۔ قَالَ ۔ (موسیٰ نے) کہا ۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ ؛ میں خدا کی پناہ لیتا ہوں ، پناہ بخدا ۔ اَنْ اَكُوْنَ ؛ کہ ہوجاؤں ۔ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ؛ جاہلوں سے ۔ کسی کا مضحکہ اُڑانا ، مذاق کرنا جاہلوں کا کام ہے نہ کہ پیغمبروں کا ۔

ترجمہ:- اور (یادکرو) جب کہ موسٰی نے اپنی قوم سے کہا بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ ایک بیل ذبح کرو لوگوں نے کہا کیا آپ ہم سے دل لگی کرتے ہیں ؟ موسٰی نے کہا پناہ بخدا کہ (ایسا کروں تو) جاہلوں سے ہوجاؤں ۔

صاحبو ! غور کرو ۔ دوسروں کو اُلّو بنانا ، قہقہے اُڑانا ، تمسخر کرنا ، مذہبی کاموں کی تضحیک ، علماء کو جاہل بتلانا ، جو آج کل ہورہا ہے کس کا کام ہے؟ بے شک بقول موسٰی علیہ السلام جاہلوں کا کام ہے ۔ آج کل مسلمان بنی اسرائیل کے قدم بقدم چل رہے ہیں ۔ یہ رسولِ مقبولؐ کی پیشین گوئی تھی جو لفظ بلفظ پوری ہورہی ہے ۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ ۖ عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ﴿٦٨﴾

قَالُوْا ؛ بنی اسرائیل نے کہا ۔ اُدْعُ ؛ پکار ، بلا ، دُعا کر ۔ لَنَا ؛ ہمارے لئے ۔ رَبَّکَ ؛ اپنے پروردگار سے ۔ یُبَیِّنْ لَّنَا ؛ کہ ہم سے بیان کرے ، ہم کو بتلائے مَاهِیَ ؛ وہ ہے کیا ؟ قَالَ ؛ (موسٰی نے) کہا ۔ اِنَّـهٗ یَقُوْلُ ؛ بے شک خدا فرماتا ہے ۔ اِنَّهَا بَقَرَةٌ ؛ وہ ایک گائے ہے ، ایک بیل ہے ۔ لَا ۔ نہیں ۔ فَارِضٌ ؛ بوڑھی ۔ وَلَا ؛ اور نہ ۔ بِكْرٌ ؛ جوان ، کم عمر ، کم سن ۔ عَوَانٌ ؛ ادھیڑ ۔ بَیْنَ ذٰلِکَ ؛ درمیان اس مذکور کے ۔ لفظ بَیْنَ دو چیزوں کو چاہتا ہے ۔ عربی میں ذٰلِکَ واحد اسم اشارہ بمعنی المذکور کے ، واحد ، تثنیہ ، جمع سب کے لئے آتا ہے ۔ فَافْعَلُوْا ؛ پس کرو ۔ مَاتُؤْمَرُوْنَ ؛ اس کام کو جس کا تم کو حکم دیا جارہا ہے

ترجمہ:- (بنی اسرائیل نے) کہا اپنے رب سے دُعا کیجئے کہ وہ ہم سے بیان فرمادے وہ (بیل) ہے کیا ؟ (موسٰی نے) کہا وہ ایک بیل ہے نہ بوڑھا نہ بچہ ، اس کے درمیان ادھیڑ ہے ۔ پھر (اب تو) کرو جس کا تم کو حکم دیا گیا ہے ۔

صاحبو ! جو کام کرنا نہیں چاہتے وہ سوالات ، بحث ، اعتراض ، حیل حجت کرتے ہیں ۔ یہ نہیں کہ آقا کا حکم سن لیا اور فوراً امتثالِ امر کے لئے تیار ہوگئے ۔ یاد رکھو ! جیسے جیسے سوالات کئے گئے ویسے ویسے قیود بڑھتے گئے ۔ پہلے ہی معمولی بیل یا گائے کو ذبح کردیتے تو اس قدر دشواری کیوں پیدا ہوتی ؟

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ

قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ﴿٦٩﴾

قَالُوْا ؛ (بنی اسرائیل) نے کہا۔ اُدْعُ لَنَا رَبَّکَ ؛ دُعا کیجئے ہمارے لئے آپ کے پروردگار سے۔ یُبَیِّنْ لَّنَا ؛ کہ ہم سے بیان کرے۔ مَالَوْنُھَا ؛ اس کا کیا رنگ ہے۔ لَوْنٌ ؛ رنگ۔ اَلْوَانٌ جمع ہے۔ قَالَ اِنَّہٗ یَقُوْلُ ؛ کہا کہ وہ فرماتا ہے۔ اِنَّھَا بَقَرَۃٌ ؛ بے شک وہ ایک گائے ہے۔ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ ؛ خوب زرد اَبْیَضُ اَمْھَقُ ؛ خوب سفید۔ اَحْمَرُ قَانٍ ؛ خوب سرخ۔ اَسْوَدُ حَالِکٌ ؛ خوب سیاہ۔ فَاقِعٌ صفت کا صیغہ ہے۔ اپنے موصوف پر اعتماد کرتا ہے اور اسم ظاہر میں عمل کرتا ہے۔ لَوْنُھَا اس کا فاعل ہے اس کو صفتِ سببی اور صفت بحال متعلق کہتے ہیں۔ تَسُرُّ ؛ خوش کرتا ہے، سرور بخشتا ہے۔ سِرٌّ ۔ کے مادے میں پوشیدگی ہے۔ سُرُوْر ؛ خوشی۔ سِرٌّ ؛ راز۔ سُرِّیَّۃ ؛ خواص، موطوءہ۔ سِرَارٌ ؛ اٹھائیسویں، انتیسویں اور تیسویں شب جن میں چاند نہیں رہتا۔ النّٰظِرِیْنَ ؛ دیکھنے والے۔ دیکھنے والوں کو۔

ترجمہ:۔ (بنی اسرائیل نے) کہا آپ اپنے رب سے دُعا کیجئے کہ وہ ہم سے بیان کرے کہ اس کا رنگ کیا ہے؟ (موسیٰؑ نے) کہا وہ (اللہ تعالیٰ) فرماتا ہے وہ ایک گائے ہے جس کا رنگ تیز زرد ہے، ناظرین کو سرور بخشتی ہے۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿٧٠﴾

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّکَ ؛ بنی اسرائیل نے کہا اپنے رب سے دُعا کیجئے۔ یُبَیِّنْ لَّنَا مَاھِیَ ؛ کہ ہم سے بیان فرمائے کہ وہ ہے کیا۔ اِنَّ الْبَقَرَ ؛ بے شک گائے۔ تَشٰبَہَ عَلَیْنَا ؛ مشتبہ ہوگئی ہے ہم پر، ہم کو اس پر اشتباہ ہوگیا ہے۔ وَ اِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ ؛ اور بے شک ہم اگر خدا نے چاہا۔ لَمُھْتَدُوْنَ ؛ البتہ ہدایت یافتہ ہوں گے، خدا نے چاہا تو ہم اس کو پالیں گے۔

ترجمہ:۔ (بنی اسرائیل نے) کہا آپ ہمارے لئے اپنے رب سے دُعا کیجئے کہ وہ بیان فرمائے کہ وہ ہے کیا، بے شک وہ (گائے) بیل ہم پر مشتبہ ہوگیا ہے اور بے شک ہم خدا نے چاہا تو اس تک جائیں گے (اس کو پالیں گے)۔

صاحبو! بنی اسرائیل کو یقین ہی نہیں آتا کہ وہ بیل ایسا کیسا ہے کہ اس کی قربانی سے مُردہ زندہ ہوجائے گا۔ وہ بار بار پوچھتے ہیں کہ وہ ہے کیا؟ بڑی بحث اور مباحثہ کے بعد کہیں ان کو خدا یاد آیا اور انہوں نے انشاء اللہ کہا۔

قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيهَا
ع۸ ۱۰ ۸ قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿٧١﴾

قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ ؛ موسٰی نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ اِنَّهَا بَقَرَةٌ ؛ وہ ایک گائے ہے، بیل ہے ۔ لَا ذَلُوْلٌ ؛ نہ رام ہے ۔ ذَلَّ ۔ یَذِلُّ ۔ ذِلًّا وَ ذِلَّةً فَهُوَ ذَلِیْلٌ ؛ ذلیل ہوا ۔ تُثِیْرُ الْاَرْضَ ؛ زمین میں ہل چلا رہا ہے ۔ اَثَارَ الْاَرْضَ ۔ اِثَارَةً زمین کو جوتا، ہل چلایا ۔ وَلَا تَسْقِیْ ؛ اور نہ سیراب کرتا ہے، پانی دیتا ہے ۔ اَلْحَرْثُ ؛ کھیت کو ۔ مُسَلَّمَةٌ ؛ سالم اعضاء کا ہے، کوئی عضو ناقص نہیں ۔ لَاشِیَةَ ؛ کوئی داغ دھبہ نہیں ۔ وَشٰی ۔ یَشِیْ ۔ وَشْیًا ؛ نقش کیا ۔ شِیَةٌ اصل میں وَشْیٌ تھا جیسے زِنَةٌ وَزْنٌ تھا ۔ فِیْهَا ؛ اس بیل میں ۔ قَالُوْا ؛ بنی اسرائیل نے کہا ۔ اَلْاٰنَ ؛ اس آن، اس وقت اس الف لام کو الف لام حضوری کہتے ہیں ۔ اَلْیَوْمَ ؛ آج کا دن ۔ اَلشَّهْرَ ؛ یہ مہینہ، اَلسَّنَةَ ؛ اِس سال ۔ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؛ آپ حق بات لائے، ٹھیک بات کہی ۔ فَذَبَحُوْهَا ؛ پھر انھوں نے اس بیل کو ذبح کیا ۔ وَمَا کَادُوْا یَفْعَلُوْنَ ؛ اور وہ کرنے سے قریب نہ تھے، ان سے کرنے کی اُمید نہ تھی، وہ کرنے والے نہ تھے ۔

ترجمہ :- (موسٰی نے) کہا وہ فرماتا ہے "وہ ایک ایسا بیل ہے جو نہ زراعت کرتا ہے نہ کھیتوں کو پانی پلاتا ہے ۔ پورے اعضا کا ہے ۔ اس میں کوئی داغ دھبہ نہیں" ۔ (بنی اسرائیل نے کہا) ۔ "اب آپ نے ٹھیک بات بتلائی" پھر اس کو ذبح کیا مگر ان سے (ایسا) کرنے کی کچھ اُمید نہ تھی ۔

صاحبو ! بنی اسرائیل نے تو سوالات کر کے آخر کام کیا تو سہی مگر آج کل کے مسلمان تو صرف حجت کرنے کے ہیں ۔ نہ کام کے نہ کاج کے ۔ پارٹی بازی ہے، خود مختاری ہے ۔ نہ ان کا کوئی پیشوا ہے نہ لیڈر ۔ ہر ایک لیڈری کا مدعی اور فالوور کوئی نہیں ۔ سب امام ہیں بغیر مقتدی کے ۔ اس اختلاف سے مسلمانوں کا حال تباہ، کام خراب اور مسئلہ کی تحقیق بے ضرورت ۔ عمل سے کوسوں دور ۔ غیر مسلم منظم ہیں، برسرکار ہیں، صنعت و حرفت، علم و کمال کی تحصیل میں منہمک ہیں ۔ بعض قرآنِ شریف کی تفسیریں لکھ رہے ہیں، طبع کروا رہے ہیں ۔ اُن کو تفسیر لکھنے کا شوق چرایا ہے ۔ عربی نہیں آتی، نہ آئے ۔ اُصول سے واقفیت نہیں، نہ سہی مگر عالم، علامہ تو مشہور، عمل پوچھو تو ندارد ۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِیْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝۷۲

وَاِذْ قَتَلْتُمْ ؛ اور (یاد کرو) جب کہ تم نے قتل کر دیا ۔ نَفْسًا ؛ ایک شخص کو ۔ فَادّٰرَءْتُمْ ؛ پھر تم نے ایک دوسرے پر ڈالا ۔ دَرْءٌ ؛ دفع کرنا، ڈھکیلنا ۔ یہ اصل میں تَدَارَءْتُمْ تھا (باب تفاعل) قرب مخرج کی وجہ سے تَا کو دال کر کے ادغام کیا ۔ ابتداءً سکون ہونے کی وجہ سے ہمزہ، وصل لایا اس طرح اِدّٰرَءْتُمْ ؛ ہوا ۔ فِیْهَا ؛ اس نفس میں، اس نفس کے قتل کے متعلق ۔ وَاللّٰهُ ؛ اور اللہ ۔ مُخْرِجٌ ؛ نکالنے والا ہے، ظاہر کرنے والا ہے ۔ مَا ۔ اس کو جس کو ۔ كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ؛ تم چھپاتے تھے ۔ كِتْمَانٌ كَتْمٌ ۔ چھپانا ۔ كِتْمِ عَدَمٍ ؛ پردہ عدم ۔ مَكْتُوْمٌ ؛ پوشیدہ، مخفی ۔

ترجمہ :- اور (یاد کرو) جب کہ تم ایک شخص کو قتل کر کے ایک دوسرے پر ڈال رہے تھے اور اللہ تو ظاہر کرنے والا ہے اس (قاتل) کو جس کو تم چھپا رہے ہو ۔

صاحبو! آج کل کیا ہورہا ہے؟ مجرموں کو چھڑانا، جھوٹ سے، جھوٹے گواہوں سے، رشوت سے اور بے گناہوں کو گرفتار کرنا یا گرفتار کروانا۔ لائق وکیل وہی ہے جو سچے گواہوں کو جھوٹا بنا دے، اپنی جرح کا کمال دکھا دے، جس طرح ہو مجرم کو چھڑا دے۔ لائق جج وہ ہے جو ایسے توجیہاتِ باطلہ سے فیصلہ کرے کہ کسی کو رشوت لینے کا گمان تک پیدا نہ ہو۔ قرآنِ شریف میں ہے وَلَا تَكُنْ لِلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ؛ خیانت کرنے والے کی طرف سے بحث کرنے والا نہ بن۔ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ؛ اور جو حکمِ خدا کے موافق فیصلہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ؛ فاسق ہیں۔ هُمُ الْكَافِرُوْنَ ؛کافر ہیں۔

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾

فَقُلْنَا ؛ پھر ہم نے کہا۔ اِضْرِبُوْهُ ؛ اس مقتول پر مارو۔ بِبَعْضِهَا ؛ اس بیل کے گوشت کا ایک ٹکڑا۔ كَذٰلِكَ ؛ اسی طرح، ایسا ہی۔ يُحْيِ اللّٰهُ ؛ اللہ زندہ کرتا ہے۔ اَلْمَوْتٰى جمع مَيِّتٌ ؛ مُردہ۔ وَيُرِيْكُمْ ؛ اور تم کو دکھاتا ہے۔ اٰيٰتِهٖ ؛ اپنی نشانیوں کو، اپنے آثارِ قدرت کو، علامات کو۔ لَعَلَّكُمْ ؛تاکہ تم، شاید کہ تم، تَعْقِلُوْنَ ؛ سمجھو، عقل پکڑو۔

ترجمہ:- پھر ہم نے کہا (حکم دیا) کہ اس (مقتول) پر اس (بیل) کا کوئی حصّہ مارو۔ اللہ یوں ہی مُردوں کو زندہ کردیتا ہے۔ اور تم کو اپنے آثارِ قدرت دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

واضح ہو کہ موسٰی علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص کو کسی نے قتل کردیا تھا۔ قاتل تھا رشتہ داروں سے اس لئے اس کو بچانا اور دوسرے کو پھنسانا چاہتے تھے۔ قاتل کے دریافت کرنے کے لئے ایک بیل کے ذبح کرنے کا حکم ہوا۔ بنی اسرائیل لگے سوالات کرنے، وہ بیل ہے کیا؟ کیسا ہے؟ اس کا رنگ کیسا ہے ایک ایک سوال کرتے تھے، ایک ایک قید بڑھتی جاتی تھی بڑی مشکلوں سے اس بیل کو ذبح کیا۔ اس بیل کا ایک حصہ مقتول کو چھوایا گیا۔ بحکمِ خدا وہ اُٹھ بیٹھا اور قاتل کا نام بتا دیا۔

بیل کے ذبح کرنے میں کیا حکمت تھی؟ (۱) بنی اسرائیل نے گوسالہ پرستی کی تھی یوں ان کا معبود ذبح کروا دیا گیا۔ (۲) یہ بیل ایک یتیم کا تھا، جیسے جیسے سوالات کئے گئے بیل کی قیمت بڑھتی گئی۔ اس طرح ایک یتیم کا فائدہ کافی طور پر کرادیا گیا۔ (۳) بے کار سوالات کرنا خود پر مشکلات کو لانا ہے۔

دہریئے، مادّہ پرست، خوارقِ عادات کے مخالف ہیں ہی، وہ اس واقعہ کے بھی مخالف ہیں، ہوا کریں۔ ہمارے نزدیک تو ہر ایک شئی سے آثارِ قدرتِ الٰہی نمایاں ہیں۔

رطوباتِ فضلیہ میں جرثومہ کا پیدا ہونا، ناقابلِ بیان راستہ سے نکلنا دوسرے ناقابلِ ذکر محل میں فضول خون سے پرورش پانا، پھر اس ناقابلِ ذکر مقام سے نکل کر بجائے نافہ کے منہ سے غذا طلب کرنا، ماں کے سینہ میں اس کی غذا کے لئے دودھ پیدا ہونا، بے جان مادّے میں علم کا پیدا ہونا، اس جرثومہ کا بڑا ہوکر ہر چیز سے شانِ ربوبیت کے جلوے دیکھ کر بھی اس سے بغاوت کرنا، اس کو غیر مقتدر، بے قوت سمجھنا ہماری نظر میں تو اس بغاوت میں بھی اعجازِ قدرت نمایاں ہے۔ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

رَبُّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ؛ خدا کے آثارِ قدرت سے تم کہاں تک انکار کرو گے؟

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ
وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ
وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۷۴

ثُمَّ ؛ پھر (استبعاد کے لئے ہے) اتنا سب ہونے پر بھی۔ ثُمَّ قَسَتْ ؛ پھر سخت ہوگئے۔ قُلُوْبُكُمْ ؛ تمہارے دل۔ مِنْ ؛ سے۔ ذٰلِكَ ؛ وہ۔ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ؛ اتنا سب ہونے کے بعد بھی۔ فَهِيَ ؛ پس وہ (دل) كَ ؛ مثل، مانند، جیسا۔ كَالْحِجَارَةِ ؛ پتھر کے جیسے (سخت) ہیں۔ هِيَ کی خبر ہے۔ اَوْ اَشَدُّ ؛ یا سخت تر ہیں، زیادہ ہیں۔ قَسْوَةً ؛ سختی میں۔ اَشَدُّ کی تمیز ہے۔ وَاِنَّ ؛ اور بے شک۔ مِنَ الْحِجَارَةِ ؛ پتھروں میں سے۔ خبرِ مقدم ہے۔ لَ ؛ البتہ، ضرور۔ مَا ۔ جو۔ يَتَفَجَّرُ ؛ پھوٹ نکلتے ہیں، پھٹ جاتے ہیں۔ فَجْرٌ ؛ صبح، پو پھٹنا۔ اِنْفِجَارِ دُمَّلْ ؛ دُمبل کا پھوٹ جانا۔ مِنْهُ۔ اس سے۔ اَلْاَنْهَارُ ۔ جمع نَهْرٌ ؛ ندی، دریا۔ جیسے نہرِ نیل، نہرِ دجلہ، نہرِ فرات۔ اُردو میں جس کو نہر کہتے ہیں اس کو عربی میں جَدْوَلٌ کہتے ہیں۔ يَشَّقَّقُ ؛ شق ہوجاتے ہیں، پھٹ جاتے ہیں۔ اس کی اصل يَتَشَقَّقُ ہے۔ بابِ تَفَعُّلْ ۔ فَيَخْرُجُ ؛ پھر نکلتا ہے۔ مِنْهُ ؛ اس سے۔ اَلْمَآءُ ؛ پانی۔ وَاِنَّ مِنْهَا ؛ اور بے شک پتھروں میں سے بعض ایسے بھی ہیں۔ لَمَا ؛ البتہ جو۔ يَهْبِطُ ؛ اُترتے ہیں، نیچے گرتے ہیں۔ مِنْ ۔ سے۔ خَشْيَةٌ ڈر، خوف، رعب، عظمت و جلال کا تاثر۔ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؛ خوفِ خدا سے۔ وَمَا اللّٰهُ اور نہیں ہے اللہ۔ بِغَافِلٍ ۔ غافل، بے خبر، با زائد ہے بِغَافِلٍ خبر ہے۔ عَمَّا ــ عَنْ مَا ؛ اس سے۔ تَعْمَلُوْنَ ؛ تم عمل کرتے ہو۔ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ؛ تمہارے اعمال سے۔

ترجمہ:- پھر اتنا سب ہونے پر بھی تمہارے دل سخت ہوگئے۔ وہ تو پتھر کے مانند ہیں یا اس سے بھی زیادہ سخت ہیں، (درشتی میں کچھ زیادہ ہی ہیں) اور بعض پتھر تو ایسے بھی ہیں کہ جن میں سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں۔ اور بعض ایسے بھی ہیں جو شق ہوجاتے ہیں پھر ان سے پانی نکلتا ہے (جھرنے نکلتے ہیں، پانی رِستا ہے) اور بعض (پتھر) تو ایسے بھی ہیں کہ خوفِ خدا سے نیچے گرتے ہیں اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے۔

صاحبو! جناب عیسٰی علیہ السلام نے یہودیوں کو سانپوں کے بچے فرمایا۔ قرآن نے ان کے دلوں کو پتھر سے بھی سخت تر فرمایا۔ ذرا اپنے دلوں کو بھی تو دیکھو کہ وہ یہودیوں کے دلوں سے کیا کم ہیں؟ دلوں میں خوفِ خدا بالکل نہیں، گناہ کرتے ہیں

اور جرأت سے کرتے ہیں ، رمضان میں اپنے جیسے ملحدوں کو دعوت دیتے ہیں ، ہوٹلوں میں کھانا کھاتے ہیں ۔ اسلامی ریاستوں میں ، محکمہ صدارت العالیہ وامورِ مذہبی بے کار ہوا جارہا ہے ، اگر اتنا بھی نہ کہیں کہ پردے چھوڑ لو ۔ غریبوں کی پرورش کی کوئی صورت نہیں ، یتیم اور بیوائیں بھوکی مر رہی ہیں اور تم تحریکِ انسدادِ گداگری کرتے ہو ۔ مذہبی پیشواؤں کو نذریں اور لیڈروں کو چندے جمع کر کے فسٹ کلاس میں مارے مارے پھرنا جائز رکھا گیا ہے ۔ کچھ معلوم ہے ؟ تمہارے محلّہ میں کتنی بیوائیں ، کتنے یتیم بچے ہیں ؟ کتنے لونڈے آوارہ گردی کر رہے ہیں ؟ کچھ ان کی تعلیم وتربیت کا بھی خیال ہے ؟ رشتہ داروں میں کتنے ہی اشخاص فاقہ کشی کر رہے ہیں اور تم ہو کہ برج کھیلتے ہو اور اس پر بازی لگاتے ہو ۔ گھوڑے دوڑاتے ہیں اور تم شرطیں لگاتے ہو اے قمار بازو ! کیا تمہارا دل ان غریبوں پر نہیں پسیجتا ؟ کیا یہ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً نہیں ہے ۔ ؟

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝

اَ ۔ کیا ۔ فَ ۔ پس ۔ تَطْمَعُوْنَ ؛ طمع کرتے ہو ، اُمید کرتے ہو ، توقع رکھتے ہو ۔ اس کا صلہ فِیْ آتا ہے لہذا اَنْ يُّؤْمِنُوْا بمعنی فِیْ اَنْ يُّؤْمِنُوْا ؛ کہ ایمان لائیں گے ۔ لَكُمْ ؛ تمہارے لئے ۔ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ ؛ کہ تم کو مانیں گے ۔ وَقَدْ كَانَ ؛ اور حالانکہ تھا ۔ فَرِيْقٌ ۔ گروہ ، جُدا جماعت ، فرقہ ۔ مِنْهُمْ ؛ ان میں سے ۔ يَسْمَعُوْنَ ؛ سنتے ہیں ، سماعت کرتے ہیں ۔ كَلَامَ اللّٰهِ ؛ خدا کے کلام کو ، احکامِ الٰہی کو ۔ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ ؛ پھر اس کو بدل دیتے ہیں ۔ اس کی تحریف کرتے ہیں ۔ غلط تاویل کرتے ہیں ۔ مِنْ ۔ سے ۔ بَعْدِ ۔ پیچھے ۔ عَقَلُوْهُ ؛ انھوں نے سمجھا ، جانا ۔ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ ؛ جانتے ، بوجھتے ، سمجھنے کے بعد وَهُمْ ؛ اور وہ ۔ يَعْلَمُوْنَ ؛ علم بھی رکھتے ہیں ، اپنے عالم ہونے کے مدعی بھی ہیں ۔

ترجمہ :- (اے مسلمانو !) کیا تم اُمید رکھتے ہو کہ (یہود) تم کو مانیں گے حالانکہ ان میں سے ایک گروہ ایسا بھی تھا جو کلام اللہ کو سنتا تھا ۔ پھر اس کو سمجھ بوجھ کر بھی بدل دیتا اور تحریف کرتا تھا اور پھر اپنے عالم ہونے کا ادعا بھی کرتا تھا ۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

وَاِذَا ؛ اور جب ۔ لَقُوْا ؛ ملاقات کی ، ملتے ہیں ۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؛ ان لوگوں سے جو ایمان لائے ، ایمان داروں سے ، مومنین سے ۔ قَالُوْا ؛ کہا ، کہتے ہیں ۔ اٰمَنَّا ؛ ہم ایمان لائے ۔ وَاِذَا خَلَا ؛ اور جب (مسلمانوں سے) خالی ہوتے ہیں اور

جب اپنے رازداروں سے خلوت میں تخلیہ میں ملتے ہیں ۔ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؛ بعض بعض کی طرف ۔ قَالُوْٓا ؛ کہتے ہیں ۔ اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ ؛ کیا تم ان سے کہہ دیتے ہو ۔ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ؛ اس کو جس کو خدا نے تم پر کھول دیا ہے ، ظاہر کر دیا ہے ، بتلا دیا ہے ۔ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ ؛ تا کہ تم پر حجت پکڑیں ، استدلال کریں اس سے ۔ حج کے معنی میں غلبہ پایا جاتا ہے ۔ حجت و دلیل سے دشمن پر غلبہ ہوتا ہے ۔ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؛ تمہارے رب کے پاس ، اللہ کے احکام میں ۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ؛ کیا تم سمجھتے نہیں کیا تم کو اتنی بھی عقل نہیں ؟

ترجمہ :- (یہ مسلمان نما یہودی) جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب ایک دوسرے سے تنہائی اور خلوت میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کیا تم ان (مسلمانوں) سے سب کچھ کہہ دیتے ہو جس کو اللہ نے تم کو بتلایا کہ وہ (مسلمان) احکامِ الٰہی میں تم کو الزام دیں ، (عاجز کریں) تم کو اتنی بھی عقل نہیں ؟

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝۷۷

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ ؛ کیا وہ نہیں جانتے ؟ کیا ان کو اس کا علم نہیں ؟ اَنَّ اللّٰهَ ؛ کہ اللہ ۔ يَعْلَمُ ؛ جانتا ہے ۔ مَا يُسِرُّوْنَ ؛ جو وہ چھپاتے ہیں ۔ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ؛ اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں ۔

ترجمہ :- کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ (سب کچھ) جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں ۔

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝۷۸

وَمِنْهُمْ ؛ اور ان میں سے بعض ۔ اُمِّيُّوْنَ جمع اُمِّيٌّ ؛ ان پڑھ جو لکھے پڑھے نہ ہوں ۔ اُمّ ؛ کے معنی اصل اور ماں کے ہیں ۔ اُمُّ الدِّمَاغ ؛ اصل و وسطِ دماغ ۔ اُمِّيّ ؛ وہ شخص جو اپنی اصلی حالت پر ہو ، پڑھا لکھا نہ ہو ۔ لَا يَعْلَمُوْنَ ؛ نہیں جانتے ۔ اَلْكِتٰبَ ؛ لکھنا نیز مکتوب یعنی جو چیز لکھی ہوئی ہو مصدر بمعنی مفعول ، یہاں کتاب سے مراد کتاب اللہ ہے ۔ اِلَّا ؛ مگر ۔ اَمَانِيَّ ؛ جمعِ اُمْنِيَّةٌ ۔ مَنْيٌ ؛ اندازہ کرنا ، سوچنا ۔ مَنِيَّةٌ ؛ موت ، مقدر ۔ اُمْنِيَّةٌ ؛ آرزو ، بے اصل ، جھوٹ ، مَن گھڑت ۔ وَاِنْ ۔ اور نہیں بمعنی مَاوَلَا ۔ هُمْ ؛ وہ لوگ ۔ اِلَّا ؛ مگر ۔ يَظُنُّوْنَ ؛ گمان کرتے ، لگتے لگاتے ، اٹکل پچو باتیں بناتے ہیں ۔ استثناءِ منقطع ہے کیونکہ اَمَانِيّ جنسِ کتاب سے نہیں ہیں ۔

ترجمہ :- اور ان میں سے بعض ان پڑھ بھی ہیں ، کتاب اللہ کو کچھ نہیں جانتے مگر ان کے پاس تو صرف من گھڑت باتیں ہیں (ہوا و ہوس ہے) ان کے پاس نہیں ہیں مگر ان کے خیالات (اٹکل پچو باتیں) ۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ
لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۗ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾

فَ ؛ پس ، پھر ۔ وَيْلٌ ؛ تف ، افسوس ۔ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ "وَيْلٌ" فرماتا ہے اور اظہار کراہت کرتا ہے اس کا مظہر جہنم میں ایک کنواں ہے یا ایک پہاڑ ہے ۔ لِ ؛ واسطے ، لئے ۔ اَلَّذِيْنَ ؛ جو ۔ لِلَّذِيْنَ ؛ ان لوگوں کے لئے جو ۔ يَكْتُبُوْنَ ؛ لکھتے ہیں ۔ بِ ۔ سے ، ساتھ ۔ اَيْدِىْ جمع يَدٌ ۔ ہاتھ ۔ اس کی اصل يَدَوٌ بروزن فَلَسٌ ہے اور اَيْدِىْ کا وزن اَفْعُلٌ ۔ ہے جمعِ قلت ہے ۔ جمعِ قلت را چہاراست امثلہ :- اَفْعَلٌ ۔ اَفْعَالٌ ۔ فِعْلَةٌ ۔ اَفْعِلَةٌ ۔ بِاَيْدِيْهِمْ ؛ اپنے ہاتھوں سے ۔ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ ؛ پھر کہتے ہیں ۔ هٰذَا ؛ یہ ۔ مِنْ ۔ سے ۔ عِنْدَ ؛ پاس ، نزدیک ۔ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؛ اللہ کے پاس سے ۔ لِ ؛ تاکہ ۔ لِيَشْتَرُوْا ؛ تاکہ خریدیں ۔ اصل میں لِاَنْ يَّشْتَرُوْا ؛ ہے ۔ اَنْ مقدر کی وجہ سے نُوْنِ اعرابی گر گیا ۔ بِهٖ ۔ اس کے عوض ۔ ثَمَنًا ؛ قیمت ، خرید وفروخت کرنے والوں میں جو ٹھیرے وہ ثمن ہے ۔ بازار کا بھاؤ قِيْمَةٌ ہے ۔ ثَمَنٌ ؛ چاندی سونے کو بھی کہتے ہیں ۔ قَلِيْلًا تھوڑا ۔ فَ ۔ پھر ۔ وَيْلٌ ؛ افسوس ، تف ، پھٹکار ۔ لَهُمْ ؛ ان کیلئے ۔ مِمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ ؛ اس سے کہ انہوں نے لکھا ، ان کے لکھنے سے ۔ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ؛ اور تف ہے اس مال پر جس کو انھوں نے کمایا ، تف ہے ان کی کمائی پر ۔

ترجمہ :- پھر تف ہے ان لوگوں پر جو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں (یہ اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے) یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس سے کچھ روپیہ حاصل کریں ، پھر تف ہے ان کے ہاتھوں کے لکھے ہوئے پر اور تف ہے اس مال پر جس کو انہوں نے کمایا (تف ہے ان کے اس لکھنے پر اور کمانے پر ۔)

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۗ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا
فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾

وَقَالُوْا ؛ اور انہوں نے کہا ، وہ کہا کرتے ہیں ۔ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ ؛ نہ چھوئے گی ، نہ پکڑے گی ہم کو آگ یعنی ہم دوزخ میں نہ رہیں گے ۔ اِلَّا ؛ مگر ۔ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؛ گنتی کے دن ، چند روز ۔ قُلْ ؛ کہو ، پوچھو اَتَّخَذْتُمْ اصل میں تھا اَاِتَّخَذْتُمْ کیا تم نے لے لیا ہے ، کروالیا ہے ۔ عِنْدَ اللّٰهِ ۔ خدا کے پاس ، اللہ کے نزدیک ۔ عَهْدًا ؛ اقرار ، معاہدہ ، وعدہ ۔ فَ ۔ پس ، پھر ۔ لَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ ؛ خلاف نہ کرے گا اللہ ۔ عَهْدَهٗ ؛ اپنے عہد کو ۔ اَمْ ؛ یا تَقُوْلُوْنَ ؛ تم کہتے ہو ۔ عَلَى اللّٰهِ ؛ اللہ پر ۔ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ؛ جو تم نہیں جانتے ۔

ترجمہ:- اور (یہود) کہتے ہیں چند گنتی کے دنوں کے سوا ہم کو آتشِ جہنم (نہ پکڑے گی) نہ چھوئے گی (یا محمد!) تم ان سے پوچھو! کیا تم نے اللہ کے پاس کوئی عہد کروالیا ہے (کیا خدا نے تم سے کوئی وعدہ کیا ہے) کہ وہ اپنے عہد کے خلاف نہ کرے گا یا تم اللہ پر ایسی باتیں بناتے ہو جن کا تم کو علم نہیں (خدا پر تم ایسی من گھڑت باتیں لگاتے ہو جن کو تم نہیں جانتے۔)

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾

بَلٰی ؛ ہاں، کیوں نہیں ۔ مَنْ ؛ جو، جس نے ۔ کَسَبَ ۔ کمایا ۔ سَیِّئَۃً ۔ گناہ، بری بات ۔ وَ ۔ اور ۔ اَحَاطَتْ بِہٖ ؛ احاطہ کرلیا، گھیرلیا اس کو، چھا گیا اس پر ۔ خَطِیْٓئَتُہٗ ۔ اس کا گناہ ۔ فَ ؛ پس، پھر ۔ اُولٰٓئِکَ ؛ وہ لوگ ۔ اَصْحٰبُ النَّارِ ؛ اہلِ جہنم، دوزخی ہیں ۔ ھُمْ ۔ وہ لوگ ۔ فِیْھَا ؛ اس دوزخ میں ۔ خٰلِدُوْنَ ؛ ہمیشہ رہنے والے ہیں ۔

ترجمہ:- ہاں! جس نے برائی کمائی اور اس کے گناہ نے اس کا احاطہ کرلیا (اور ایمان باقی نہ رہا) تو وہی لوگ ہیں دوزخی، وہ تو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع ۹/۱۱

وَ ۔ اور ۔ اَلَّذِیْنَ ؛ وہ لوگ جو ۔ اٰمَنُوْا ؛ ایمان لائے ۔ وَعَمِلُوا ؛ اور عمل کئے ۔ الصّٰلِحٰتِ ؛ نیک ۔ اُولٰٓئِکَ ۔ وہ لوگ ۔ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ ؛ جنتی، جنت والے ہیں ۔ ھُمْ ؛ وہ لوگ ۔ فِیْھَا ؛ اس میں، جنت میں ۔ خٰلِدُوْنَ ؛ ہمیشہ رہنے والے ہیں ۔

ترجمہ:- اور جو ایمان لائے اور نیک عمل بھی کئے وہ جنتی ہیں، وہ اس میں (جنت میں) ہمیشہ رہنے والے ہیں ۔

آیاتِ ماسبق سے امورِ ذیل معلوم ہوئے:-

(۱) بزرگ زادہ ہونا بغیر عملِ صالح کے کام نہیں آتا ۔ دشمنانِ خدا کو بزرگ بھی دوست نہیں رکھتے (۲) چند روز کے عذاب کو بھی ہلکا سمجھنا سخت حماقت ہے (۳) نبوت کسی خاندان کا حصہ نہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے جس کو چاہا شرفِ نبوت سے سرفراز کیا (۴) من گھڑت باتیں بنانا، تاویلاتِ بے جا کرنا، روپیہ حاصل کرنے کے لئے دنیا داروں کی مرضی کے مطابق احکام بیان کرنا، دوزخیوں کا کام ہے ۔ اس کی پاداش میں وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے (۵) بخلاف اس کے ایماندار جنھوں نے عملِ صالح کئے وہ جنتی ہیں، ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔

بزرگ زادگی بغیر عملِ صالح کام نہیں آتی

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۣ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا

وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝

وَاِذْ ۔ اور ۔ (یاد کرو) جب کہ ۔ اَخَذْنَا ؛ ہم نے لیا ۔ مِيْثَاقَ ؛ عہد، پکا اقرار، مضبوط وعدہ ۔ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بنی اسرائیل سے ۔ لَا تَعْبُدُوْنَ ؛ نہ عبادت کریں گے ۔ اصل میں اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا ؛ ہے، مِيْثَاقَ کا بدل ہے ۔ یہ صورت بڑی بلیغ ہے ۔ گویا یوں ہے ۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ تم ماسوا اللہ کی عبادت نہ کرو گے ۔ اِلَّا اللّٰهَ ؛ مگر اللہ کو، مگر اللہ کی ۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ ؛ اور ماں باپ کے ساتھ ۔ اِحْسَانًا ؛ احسان ۔ اصل میں وَتُحْسِنُوْنَ اِحْسَانًا یا اَحْسِنُوْا اِحْسَانًا ہے، مفعولِ مطلق ہے ۔ ذِي ؛ صاحب ۔ اَلْقُرْبٰى ؛ قرابت، رشتہ، وَذِي الْقُرْبٰى ؛ اور رشتہ دار ۔ وَالْيَتٰمٰى ؛ جمع يَتِيْمٌ اور جس بچے کا باپ مرگیا ہو ۔ وَالْمَسٰكِيْنَ ؛ جمع مِسْكِيْنٌ ؛ فقیر، بیکس، جو سکون کی حالت میں ہو، جدوجہد نہ کرسکتا ہو ۔ کل کے لئے کچھ نہ رکھتا ہو ۔ وَقُوْلُوْا ؛ اور کہو ۔ لِلنَّاسِ ؛ لوگوں کے لئے ۔ حُسْنًا ؛ قَوْلًا حَسَنًا ؛ اچھی بات، وعظ و نصیحت، میٹھی بات، سچی سفارش وَاَقِيْمُوْا ۔ اور قائم کرو ۔ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؛ اور پابندی سے نماز پڑھو، اچھی طرح تعدیلِ ارکان کے ساتھ نماز پڑھو ۔ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؛ اور زکوٰۃ دو ۔ ثُمَّ ؛ پھر، پس ۔ تَوَلَّيْتُمْ ؛ تم نے منہ پھیرا، اعراض کیا، بے پرواہی کی ۔ اِلَّا قَلِيْلًا ؛ مگر کم لوگ، بجز چند آدمیوں کے ۔ مِنْكُمْ ؛ تم میں سے ۔ وَاَنْتُمْ ؛ بحالیکہ تم ۔ مُعْرِضُوْنَ ؛ اعراض کرنے والے ہو، روگردان ہو، پھر جانے والے ہو ۔

ترجمہ :- اور (یاد کرو) جب کہ ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ اور قرابت داروں اور یتیموں اور غریبوں سے نیک سلوک کرنا اور لوگوں سے اچھی بات کرنا اور پابندی اور اچھی طرح سے نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا پھر تم نے (ہمارے عہد سے) مُنہ پھیرلیا بجز چند آدمیوں کے، بحالیکہ تم نافرمان ہو ۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ

ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝

وَاِذْ ؛ اور (یاد کرو) جب کہ اَخَذْنَا ؛ہم نے لیا۔ مِیْثَاقَکُمْ ؛تمہارا عہد، اقرار۔ لَا تَسْفِکُوْنَ ۔یعنی اَنْ لَّا تَسْفِکُوْا ؛ کہ نہ بہاؤ گے۔ دِمَآءَ جمع دَمٌ ؛ خون جس کی اصل دَمْوٌ ہے۔ دِمَاءَ کُمْ ؛ اپنے خون، اپنے اہلِ قرابت، اہلِ وطن کا خون بہانا گویا اپنا خون بہانا ہے۔ آپس میں کشت وخون کرو گے تو اپنی تعداد گھٹاؤ گے۔ یا خود ضعیف ہوجاؤ گے۔ وَلَا تُخْرِجُوْنَ ؛ اور نہ نکالو گے، نہ بدر کرو گے، نہ جلا وطن کرو گے۔ اَنْفُسَکُمْ ؛ اپنے آپ کو، اپنے نفسوں کو، اپنے لوگوں کو۔ مِنْ ۔ سے۔ دِیَارٌ جمع دَارٌ ؛ گھر، ملک۔ لَا تُخْرِجُوْنَ مِنْ دِیَارِکُمْ ؛ نہ جلا وطن کرو گے اور نہ شہر بدر کروگے۔ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ ؛ پھر تم نے اقرار کرلیا، قبول کرلیا۔ وَاَنْتُمْ ؛ اور تم۔ تَشْهَدُوْنَ ؛ حاضر تھے۔

ترجمہ:- اور (یاد کرو) جب کہ ہم نے تم سے عہد لیا تھا کہ آپس میں خوں ریزی نہ کرنا اپنے لوگوں کو جلا وطن نہ کرنا پھر تم نے اس کا اقرار کرلیا حاضر ہوکر۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ
بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ
بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ
فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

ثُمَّ ؛ پھر۔ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ ؛ تم ہی تو ہو جو۔ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ ؛ اپنے لوگوں کو قتل کرتے ہو۔ وَتُخْرِجُوْنَ ؛ اور نکالتے ہو۔ فَرِيْقًا ۔ ایک گروہ کو، جماعت کو، فرقے کو۔ مِنْكُمْ ؛ تم میں سے، تمہارے۔ مِنْ دِيَارِهِمْ ؛ ان کے گھروں سے تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ ؛ ان پر غلبہ جوئی کرتے ہو، چڑھائی کرتے ہو۔ بِالْاِثْمِ ؛ گناہ سے۔ وَالْعُدْوَانِ ؛ اور تعدی سے، زیادتی سے، ناحق ناروا، حد سے تجاوز کرکے۔ وَاِنْ ۔ اور اگر۔ يَّاْتُوْكُمْ ؛ تمہارے پاس آتے ہیں۔ اُسٰرٰى جمع اَسِيْرٌ ؛ قیدی۔ تُفٰدُوْهُمْ ؛ فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہو، جرمانہ ادا کرتے ہو۔ وَهُوَ ؛ اور وہ۔ ضمیرِ شان ہے، مبتدا ہے۔ ضمیرِ شان کا ترجمہ ہوتا ہے: بات یہ ہے، واقعہ یہ ہے۔ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ ؛تم پر حرام ہے۔ اِخْرَاجُهُمْ ؛ ان کا نکالنا، جلا وطن کرنا، شہر بدر کرنا۔ مُحَرَّمٌ ۔ صیغہ صفت ہے، مبتداء پر اعتماد کرتا ہے۔ اس لئے اس کا فاعل اِخْرَاجُهُمْ ہے یا اِخْرَاجُهُمْ مبتدائے مؤخر ہے اور مُحَرَّمٌ خبرِ مقدم دونوں مل کر جملہ بن کر هُوَ کی خبر ہے۔ اَ۔ کیا۔ فَ ؛ پھر۔ تُؤْمِنُوْنَ ؛ ایمان لاتے ہو، یقین کرتے ہو۔ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ ؛ کتاب کے ایک حصہ پر، ایک جزو پر، کتاب کے بعض احکام پر۔ وَتَكْفُرُوْنَ ؛ اور انکار کرتے ہو، نہیں مانتے، کفر کرتے ہو۔ بِبَعْضٍ ؛بعض احکام سے، ایک دوسرے حصہ سے۔ نکرہ بعد معرفہ کے دوسری چیز ہوتا ہے۔ فَ ۔ پس

مَا ۔ نہیں ۔ جَزَآءُ ؛ بدلہ، جزا، سزا ۔ مَنْ ؛ جو، اس کی جو ۔ یَفْعَلُ ؛ کرتا ہے ۔ ذٰلِکَ ؛ ایسا ۔ مِنْکُمْ ؛ تم میں سے ۔ اِلَّا ؛ مگر ۔ خِزْیٌ ؛ رسوائی، فضیحت ۔ فِیْ ۔ میں اَلْحَیٰوۃِ ۔ زندگی ۔ اَلدُّنْیَا ؛ نزدیک والی ۔ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ؛ دنیا کی زندگی میں ۔ وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ؛ اور قیامت کے دن، مُردوں کے قبروں سے اُٹھنے کے دن ۔ یُرَدُّوْنَ ؛ واپس ہوں گے ۔ اِلٰی ؛ طرف ۔ اَشَدِّ سخت، شدید تر ۔ اَلْعَذَابِ ؛ عذاب، تکلیف، مالوفات سے روکنا ۔ وَ ۔ اور ۔ مَا ۔ نہیں ۔ اَللّٰـــهُ ؛ اللہ بِ زائد ہے، زور کے لئے ہے ۔ بِغَافِلٍ ؛ غافل، بے خبر ۔ عَمَّا ؛ ان کاموں سے ۔ تَعْمَلُوْنَ ؛ کرتے ہو تم ۔

ترجمہ :- پھر تم تو وہی لوگ ہو جو اپنے لوگوں کو قتل کرتے ہو اور ایک جماعت کو ان کے گھروں سے نکال باہر کرتے ہو اور ان پر غلبہ جوئی کرتے ہو گناہ اور تعدی سے اور اگر قید ہو کر تمہارے پاس آتے ہیں تو تم ان کو فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہو حالانکہ ان کا جلا وطن کرنا تم پر حرام تھا ۔ پھر کیا تم کتاب کے ایک حصّہ پر ایمان رکھتے ہو، (مانتے ہو) اور دوسرے حصّہ کو نہیں مانتے، (اس سے انکار کرتے ہو) پھر سزا نہیں ہے ان لوگوں کو جو تم سے ایسا کرتے ہیں مگر دنیوی زندگی میں رسوائی ۔ اور روزِ قیامت سخت تر عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے اور اللہ تمہارے ان کاموں سے بے خبر نہیں ہے ۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ

۱۰ ع ۱۰ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾

اُولٰٓئِکَ ؛ وہ لوگ ۔ اَلَّذِیْنَ ؛ جو، جنھوں نے ۔ اِشْتَرَوْا ۔ خریدا ۔ اَلْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ؛ دنیوی زندگی ۔ بِ ۔ بعوض ۔ اَلْاٰخِرَۃِ ؛ پچھلی زندگی، دنیا کے بعد کی زندگی، آخرت ۔ فَـلَا یُخَفَّفُ ۔ تخفیف نہ ہوگی، کمی نہ ہوگی ۔ عَنْهُمْ ؛ ان سے ۔ اَلْعَذَابُ ؛ تکلیف، عذاب ۔ وَلَا هُمْ ؛ اور نہ وہ لوگ ۔ یُنْصَرُوْنَ ؛ مدد کئے جائیں گے ۔

ترجمہ :- یہی لوگ وہ ہیں جنھوں نے دنیا خرید لی آخرت دے کر، پھر کم نہ ہوگا ان کا عذاب، اور نہ ان کی مدد کو کوئی پہنچے گا ۔

صاحبو! دنیا میں اس وقت کیا ہو رہا ہے؟ اپنے ہی ہم جنسوں، بنی نوع کو قتل کرنا، ان کو بے وطن اور بے گھر کرنا، ناحق و ناروا دوسروں پر غلبہ جوئی اور حکومت کرنا ۔ اب فطرتِ خدا وندی کا عہد کدھر ہے؟ کتاب اللہ پر ایمان کہاں؟ دنیا کی چندروزہ زندگی کے عوض آخرت کو تباہ کردیا ۔ اس کا نتیجہ کیا ہے؟ دنیا میں رسوائی، آخرت میں سخت تر عذاب، دنیا میں بدامنی

اور بے چینی اور آخرت کا عذاب تو سخت ترین عذاب ہے ۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا ۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۖ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۗ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى ؛ اور بے شک ہم نے دی موسٰی کو ۔ اَلْكِتٰبَ ؛ کتاب ۔ وَقَفَّيْنَا ؛ اور ہم نے پیچھے لگایا ، یکے بعد دیگرے ، پے در پے بھیجا ۔ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۔ موسٰی کے بعد ۔ بِالرُّسُلِ ؛ رسولوں کو جمع رَسُوْلٌ وَاٰتَيْنَا ؛ اور ہم نے دی ۔ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ؛ عیسٰی ابن مریم کو ۔ اَلْبَيِّنٰتِ ؛ واضح نشانیاں ، کھلے دلائل ۔ وَاَيَّدْنٰهُ ؛ اور ہم نے عیسٰی کی تائید کی ، قوت دی ۔ اَیْدٌ ؛ قوت ۔ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؛ روح القدس سے ، جبرئیل سے ۔ رَاحَ ــ يَرُوْحُ ــ رَوْحًا ۔ جانا ، روح کے مادے میں حرکت پائی جاتی ہے ۔ رُوْحٌ ؛ جان ، منشا ، حرکت ، جوشِ قلبی ۔ رَوَاحٌ ؛ شام ، جانوروں کے واپس جانے کا وقت ۔ رُوْحٌ ؛ جبرئیل ، وحی لانے والے ، خود وحی ۔ اَلْقُدُسِ ؛ پاک ، عیوب سے پاک ۔ قُدْسٌ کے مادہ میں دوری کے معنی ہیں ۔ أَ ۔ کیا ۔ فَ ۔ پس ۔ كُلَّمَا ؛ جب جب ، ہروقت جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ ؛ تمہارے پاس رسول ، پیغمبر آئے ۔ جَآءَكُمْ بِ تمہارے پاس لائے ۔ بِمَا ؛ اس چیز کے ساتھ جو ، اس چیز کو جو ۔ لَا تَهْوٰى ۔ نہیں چاہتے ۔ اَنْفُسُكُمْ ؛ تم ، تمہارے جی اِسْتَكْبَرْتُمْ ؛ تم نے تکبّر کیا ، سرتابی کی ۔ خود کو امتثالِ اوامر سے اعلٰے سمجھا ۔ فَفَرِيْقًا ؛ پھر ایک گروہ کو ۔ كَذَّبْتُمْ ؛ تم نے جھٹلایا ، تکذیب کی ۔ وَفَرِيْقًا ؛ اور ایک جماعت کو ۔ تَقْتُلُوْنَ ؛ قتل کرتے ہو ، مارڈالتے ہو ۔

ترجمہ :- اور بے شک ہم نے موسٰی کو کتاب (تورات) دی اور ان کے بعد پے در پے رسول بھیجے اور ہم نے عیسٰی ابن مریم کو نشانیاں دیں (معجزے عطا کئے) اور روح القدس سے ان کی تائید کی ۔ کیا جب کبھی تمہارے پاس کوئی رسول ایسا حکم لائے جس کو تمہارے جی نہیں چاہتے تو تم نے تکبّر کیا ، پھر ایک گروہ کو تم نے جھٹلایا اور ایک جماعت کو تم قتل کرتے رہے ۔

عیسائیوں کے پاس تین اقنوم یعنی عناصر یا اُصولِ تکوین ہیں (۱) باپ یعنی خدا (۲) روح القدس (۳) بیٹا یعنی یسوع مسیح اور یہ تینوں مل کر ایک خدا ۔ ہندوؤں کے پاس (۱) خدا (۲) جیو یعنی روح (۳) مادہ ۔ روح اور مادہ دونوں خدا کے مخلوق نہیں ۔ ملانا اور جوڑنا خدا کا کام ہے بعض کے پاس (۱) خدا (۲) بندہ (۳) افاضۂ علم ۔ ان خیالات کو ٹرینٹی (Trinity) یا تثلیث فی التوحید کہتے ہیں ۔ صوفیہ کے پاس ذاتِ حق اصل ہے جس کو یہ نادان باپ کہتے ہیں ۔ اس سے علم میں معلومات یعنی اعیانِ ثابتہ و حقائقِ اشیاء ظاہر ہوئے جس کو یہ نادان بیٹا کہتے ہیں ۔ اعیانِ ثابتہ کا حق تعالٰے کو معلوم ہونا ان کے موجود ہونے کے لئے کافی نہیں بلکہ ان پر اسماءِ الٰہی کی تجلی ہونی ضرور ہے ۔ اس تجلی کو غالباً یہ نادان روحِ قدس کہتے ہیں ۔ یہ تین مل کر

ایک خدا نہیں بنتا بلکہ بندہ موجود ہوتا ہے ۔ اس کی حقیقت وعینِ ثابتہ پر آثارِ خارجی نمایاں ہوتے ہیں ۔ اعیانِ ثابتہ کے اختلافِ استعداد رکھنے اور اسماءِ الٰہیہ کے مختلف طور پر مجتمع ہونے سے دنیا کی یہ رنگارنگی و بوقلمونی ہے ۔ معارفِ الٰہیہ کا سمجھنا اب غلامانِ محمدؐ کا کام ہے ۔ اتنی ذرا سی بات ان نادانوں کی سمجھ میں نہ آ سکی ۔ اس مادہ پرستی اور سائنس کے زمانہ میں یہ عقیدہ توحید فی التثلیث کا کیا ٹھیر سکتا ہے ۔ لہذا اب عیسائی مذہب ایک سیاسی تنظیم رہ گیا ۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝

وَقَالُوْا ؛ اور انہوں نے کہا ، وہ کہتے ہیں ۔ قُلُوْبٌ جمع قَلْبٌ ۔ دل ۔ قُلُوْبُنَا ؛ ہمارے دل ۔ غُلْفٌ ؛ جمع ۔ غِلَاف ۔ عربی میں ۔ کَتِفٌ کے وزن میں کَتْفٌ ، کَتِفٌ کہہ سکتے ہیں ۔ عُنُقٌ میں عُنْقٌ ، قُفْلٌ میں قُفْلٌ کہنا درست ہے ۔ اسی طرح غُلُفٌ کی صورت غُلْفٌ بسکون عین ہے ۔ بَلْ ۔ بلکہ ۔ لَعَنَهُمْ ؛ ان پر لعنت کی ، ان کو رحمت سے دور کردیا ۔ اَللّٰهُ ۔ خدا نے ۔ بِ ؛ بسبب ۔ بِكُفْرِهِمْ ؛ ان کے کفر سے ، حق پوشی سے ، انکار کی وجہ سے ۔ فَ ۔ پس ، پھر ۔ قَلِيْلًا ؛ تھوڑا ۔ اِيْمَانًا قَلِيْلًا ؛ تھوڑا ایمان ، مفعولِ مطلق ہے يُؤْمِنُوْنَ کا ۔ قَلِيْلًا مَّا ؛ بہت ہی کم ۔ مَا قِلت کے زور کے لئے ہے ۔ يُؤْمِنُوْنَ ایمان لاتے ہیں ۔

ترجمہ :- اور (یہود) کہتے ہیں ہمارے دل غلاف ہیں (تھیلیاں ہیں) نہیں ! بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کردی ہے (یہ لعنت کے غلاف ہیں) لہذا یہ لوگ ہی کم ایمان رکھتے اور ایمان لاتے ہیں ۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝

وَلَمَّا ؛ اور جب ۔ جَآءَهُمْ ؛ ان کے پاس آئی ۔ كِتٰبٌ ؛ کتاب ، اس سے مراد قرآنِ مجید ہے ۔ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؛ اللہ کے پاس سے ۔ مُصَدِّقٌ ؛ بحالیکہ وہ تصدیق کرتا ہے ، سچا بتاتا ہے ۔ لِمَا ۔ اس چیز کو جو ۔ مَعَهُمْ ؛ ان کے پاس ، ان کے ساتھ ۔ وَكَانُوْا ؛ اور تھے ۔ مِنْ قَبْلُ ؛ اس سے پہلے ۔ يَسْتَفْتِحُوْنَ ؛ فتح طلب کرتے تھے ، فتح کے لئے دُعا کرتے تھے ۔ اور کہتے تھے ۔ اللھم افتح لنا بنبی اخرالزمان ۔ عَلٰى ؛ پر ۔ اَلَّذِيْنَ ؛ جولوگ ۔ كَفَرُوْا ؛ کفر کیا ، انکار کیا ، حق پوشی کی ۔ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؛ کافروں پر ، بُت پرستوں پر ، غیر اہلِ کتاب پر ۔ فَلَمَّا ۔ پھر جب ۔ جَآءَهُمْ ؛ ان کے پاس آیا ۔ مَا ۔ جو ۔ وہ جو ۔ عَرَفُوْا ؛ جانا ، جانتے تھے ۔ مَا عَرَفُوْا ؛ کہ فارقلیت اور حمدث آنے والے ہیں ۔ اس سے مراد محمد رسول اللہ ﷺ ہیں ۔ كَفَرُوْا بِهٖ ؛ ان کا انکار کر بیٹھے ۔ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ ؛ پھر اللہ کی لعنت ہے عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ؛ کافروں پر ، منکروں پر ۔

ترجمہ:- اور جب ان کے پاس آئی اللہ کے پاس سے کتاب (یعنی قرآن) جو ان (بشارتوں اور پیش گوئیوں) کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس ہیں اور اس سے پہلے (اس کے توسل سے) فتح کی دُعا کرتے تھے، پھر جب ان کے پاس وہ شخص آ گیا جس کو وہ پہلے سے جانتے تھے تو انکار کر بیٹھے (نہیں مانا) لہذا منکروں پر خدا کی (پھٹکار ہے) لعنت ہے۔

بھائیو! یہ جو کچھ انکار اور سرکشی ہے، عمداً ہے، جان بوجھ کر ہے اس لئے کہ نبی آخر الزمانؐ کا ان کو انتظار تھا اور سخت انتظار تھا، ان بشارتوں کے سبب جو ان کی کتابوں میں آنے والے ایک اولوالعزم نبی اور ایک نئے آسمانی قانون یعنی اسلام کے متعلق دی گئی تھیں۔ وہ اپنے مخالفین کے مقابل اپنی ترقی، اپنی فتحمندی، اس میں منحصر سمجھتے تھے۔ بہ موجب بشارتِ تورات سفر استثناء باب ۱۸ و دیگر کتبِ انبیاء مثل سموئیل، حزقیل، دانیال ان کو ایک نبی آخر الزماں کا انتظار تھا۔ اپنے مخالفوں کے مقابل اپنی فتحمندی، دنیوی و دینی مقاصد کی ترقی اس میں منحصر سمجھے بیٹھے تھے۔

جب مدینہ کے یہود، بنی اسدؔ، بنی غطفانؔ وغیرہ قبائل عرب سے شکست کھا کر عاجز ہوئے تو اپنے علماء کی تعلیم سے یہ دُعا کرتے تھے:- اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اِنَّا نَسْئَلُکَ بِحَقِّ اَحْمَدَ النَّبِیِّ الْاُمِیِّ اَلَّذِیْ وَعَدْتَّنَا اَنْ تُخْرِجَهٗ لَنَا فِی اٰخِرِالزَّمَانِ وَکِتَابِکَ الَّذِیْ تُنَزِّلُ عَلَیْهِ اٰخِرَمَا یُنْزَلُ اَنْ تَنْصُرَنَا عَلَی اَعْدَآئِنَا؛ یعنی الٰہی نبیِ آخر الزماں احمد کی برکت سے اور قرآن مجید کی برکت سے ہم کو ہمارے دشمنوں پر فتحیاب کر۔

امام احمدؒ و طبرانی نے سلمہؓ بن قیس سے روایت کی ہے کہ ہمارے محلہ بنی عبدالاشہل میں ایک یہودی رہتا تھا اس نے ہم سے عالمِ آخرت کے ثواب و عذاب کا ذکر بیان کیا تو ہم نے اس سے دلیل چاہی، اس نے کہا "عنقریب مکہ کی طرف سے ایک نبی مبعوث ہوگا۔ وہ اس کو ثابت کردے گا" ہم نے پوچھا "وہ کب ظاہر ہوگا"؟ اس نے میری طرف نظر کر کے کہا "اگر یہ لڑکا عمر طبعی تک جیتا رہے گا تو دیکھ لے گا" سلمہ کہتے ہیں "چند روز بعد آنحضرت کی خبر مشہور ہوئی پھر ہم مدینہ آئے تو اس یہودی سے کہا۔ اب تو ان پر ایمان کیوں نہیں لاتا"؟ اس نے شرمندہ ہو کر کہا، "یہ شخص وہ نہیں ہے"۔

بائیبل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ ترانہ آج تک درج ہے، "وہ تو ٹھیک محمدؐ ہے، میرا خلیل، میرا حبیب وہی ہے"

کتاب یسعیاہ میں ۱۲/۱۲ آیت میں نمایاں طور پر یہ الفاظ موجود ہیں "ان پڑھ کو کتاب دی گئی کہ وہ اسے پڑھے"۔

خداوند نے بیت اللہ کو مخاطب کر کے فرمایا "اُٹھ روشن ہو کہ تیری روشنی آئی خداوندِ نعمت کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا۔ دیکھ! تاریکی زمین پر چھا جائے گی اور تیرگی قوموں پر۔ لیکن خداوند تجھ پر طالع ہوگا۔ اس کا جلال تجھ پر ہوگا۔ قومیں تیری روشنی میں، بادشاہ تیرے طلوع کی تجلی میں چلیں گے۔ اپنی آنکھیں اُٹھا کر چاروں طرف نگاہ کر، سب کے سب اکٹھے ہوئے ہیں۔ وہ تیرے پاس آتے ہیں، تیرے بیٹے دُور سے آئیں گے، تیری بیٹیاں گودوں میں اُٹھائی جائیں گی، تب تو دیکھے گا اور روشن ہوگا۔ ہاں! تیرا دل اُچھلے گا، کشادہ ہوگا، سمندر کی فراوانی تیری طرف پھرے گی، قوموں کی دولت تیرے پاس

فراہم ہوگی ، اُونٹ کثرت سے آ کر تجھے چھپالیں گے ۔ مدیان اور حیفہ کے جوان اُونٹ ، وہ سب جوسبا کے ہیں ، آئیں گے ، سونا اور لوبان لائیں گے ، خداوند کی تعریف اور بشارت سنائیں گے"۔

انجیل یوحنا کے سولھویں باب میں لکھا ہے کہ جناب عیسٰیؑ نے آسمان پر اُٹھائے جانے سے پیشتر فرمایا" میں تم سے سچ کہتا ہوں ، تمہارے لئے میرا جانا ہی سود مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو تسلی دینے والا تمہارے پاس نہ آئے گا ۔ پھر میں اگر جاؤں تو میں اُسے تمہارے پاس بھیج دوں گا ۔ وہ آ کر دنیا کو گناہ سے راستی سے اور عدالت سے تصفیہ وار ٹھیرائے گا ۔ گناہ سے اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے ، راستی سے اس لئے کہ میں اپنے باپ کے پاس جاتا ہوں تم مجھ کو پھر نہ دیکھو گے ۔ عدالت سے اس وجہ کہ اس جہاں کے سردار پر حکم کیا گیا ہے ۔ میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ تمہیں میں کہوں گا مگر تم انھیں برادشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ روحِ حق آ جائے تو تمہیں ساری سچائی کی راہ بتادے گی ، اس لئے کہ وہ اپنی کہے گی جو کچھ وہ سنے گی کہے گی وہ تمہیں آئندہ کی خبر دے گی اور انہیں دکھلائے گی"۔

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝

بِئْسَ ؛ برا ہوا ۔ مَا ۔ جو ۔ اِشْتَرَوْا ؛ بیچا ، خریدا ۔ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا ؛ اس میں کئی احتمال ہیں ۔ بِئْسَ ۔ فعل ذم (۱) مَا نکرہ ۔ اِشْتَرَوْا ؛ جملہ ہوکر صفت (۲) مَا موصولہ ۔ اِشْتَرَوْا ؛ جملہ ہوکر صلہ (۳) مَا مصدری ۔ اِشْتَرَوْا ۔ اَیْ اَلْاِشْتِرَاءُ بہر حال مَا الخ سب مل کر فاعل بِئْسَ ۔ بِهٖ ؛ اس دنیاداری کے عوض ۔ اَنْفُسَهُمْ ؛ اپنی جانوں کو ، اپنے نفسوں کو ۔ اَنْ يَّكْفُرُوْا کفر کرنا ۔ بتاویل الکفر کے ۔ مخصوص بالذم کہ کفر کریں ، انکار کریں ۔ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؛ اس چیز سے کہ اللہ نے اُتارا ۔ بَغْيًا سرکشی سے ، ضد سے ، خود پسندی سے مفعول لہ ہے ۔ اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ ؛ کہ اُتارے اللہ ۔ مِنْ فَضْلِهٖ ۔ اپنے فضل سے ۔ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؛ جس پر چاہتا ہے ۔ شَاءَ يَشَاءُ مَشِيْئَةً ؛ چاہنا ، ارادہ کرنا ۔ مِنْ عِبَادِهٖ ؛ اپنے بندوں میں سے فَبَآءُوْ ۔ پس کمایا ، مستحق ہوئے ۔ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؛ غضب پر غضب کے ، انھوں نے غضب پر غضب کمایا ۔ وَلِلْكٰفِرِيْنَ ؛ اور کافروں کے واسطے ہے ۔ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ؛ اہانت کرنے والا ، ذلیل وخوار کرنے والا عذاب ، ذِلّت کا عذاب ۔

ترجمہ :- کیا برا سودا کیا ہے اپنی جانوں کا کہ انکار کرنے لگے اللہ کے اُتارے ہوئے کلام کا (اس کے احکام کا) اس خود پسندی میں کہ اللہ اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اُتارتا ہے ۔ لہذا غضب در غضب کے مستحق ہوئے اور کافروں کو ہے اہانت کرنے والا (ذلیل و خوار کرنے والا) عذاب ۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ
وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۭ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَاۗءَ اللّٰهِ
مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

وَاِذَا قِيْلَ ؛ اور جب کہا جائے ۔ لَهُمْ ؛ ان کے لئے ، ان سے ۔ اٰمِنُوْا ؛ ایمان لاؤ ۔ بِمَا ؛ اس پر ، جس کو ۔ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؛ اللہ نے اُتارا ، نازل کیا ۔ قَالُوْا ؛ کہا ، کہتے ہیں ۔ نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ ؛ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جو اُتارا گیا ۔ عَلَيْنَا ؛ ہم پر ۔ وَيَكْفُرُوْنَ ؛ اور انکار کرتے ہیں اور نہیں مانتے ۔ بِمَا وَرَآءَهٗ ؛ جو اس کے سوا ہے یعنی قرآن ۔ وَهُوَ الْحَقُّ حالانکہ وہی حق ہے ۔ مُصَدِّقًا ؛ تصدیق کرتا ہے ۔ لِمَا مَعَهُمْ ؛ اس کی جو ان کے ساتھ ہے ، جو ان کے پاس ہے ۔ قُلْ ؛ اے محمد ! تم کہو ، تم ان سے پوچھو ! فَلِمَ ؛ پس کس لئے ، پھر کیوں ۔ تَقْتُلُوْنَ ؛ قتل کرتے ہو ، مار ڈالا کرتے تھے ۔ اَنْۢبِيَاۗءَ اللّٰهِ ؛ اللہ کے نبیوں کو ۔ مِنْ قَبْلُ ؛ اس سے پہلے ، اگلے زمانہ میں ۔ اِنْ كُنْتُمْ ؛ اگر تم تھے ، اگر تم ہو ۔ مُّؤْمِنِيْنَ ؛ ایماندار ۔

ترجمہ :- اور جب ان سے کہا جاتا ہے ۔ ''ایمان لاؤ اس پر جس کو اللہ نے نازل کیا'' تو کہتے ہیں'' ہم ایمان رکھتے ہیں اس پر جو ہم پر اُتارا گیا'' ۔ اور یہ لوگ اس کے سوا سب کے منکر ہیں حالانکہ وہی (یعنی قرآن ہی) حق ہے بحالیکہ وہ تصدیق کرتا ہے اس کی جو ان کے پاس ہے ۔ تم ان سے کہو ۔'' تم اس سے پہلے انبیاء اللہ کو کیوں قتل کرتے تھے اگر تم ایمان والے تھے'' ؟

وَلَقَدْ جَاۗءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝

وَلَقَدْ جَاۗءَكُمْ مُّوْسٰى ؛ اور البتہ آیا تمہارے پاس موسیٰ ۔ جَاۗءَكُمْ بِ ۔ تمہارے پاس لایا ، تمہارے پاس لے آیا بِالْبَيِّنٰتِ ؛ واضح دلائل کے ساتھ ، ظاہر معجزات کے ساتھ ۔ ثُمَّ ؛ پھر ۔ اِتَّخَذْتُمْ ؛ تم نے بنا لیا ۔ الْعِجْلَ ؛ گوسالہ کے بچھڑے کو گائے کے بچہ کو ۔ مِنْ ۔ سے ۔ بَعْدِهٖ ؛ اس کے بعد ۔ وَاَنْتُمْ ؛ اور تم ۔ ظٰلِمُوْنَ ؛ ظلم کرنے والے ہو ۔

ترجمہ :- اور تمہارے پاس موسیٰ ظاہر دلائل و معجزات لے کر آئے ۔ پھر تم نے گوسالہ کو (معبود) بنا لیا اس کے بعد بھی ، حالانکہ تم (خود اپنے پر) ظلم کر رہے تھے ۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ۭ

قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۗ

قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

وَاِذْ ؛ اور (یاد کرو) جب کہ۔ اَخَذْنَا ؛ ہم نے لیا۔ مِيْثَاقَكُمْ ؛ تمہارا عہد۔ وَرَفَعْنَا ؛ اور ہم نے اُٹھایا۔ فَوْقَكُمْ ؛ تمہارے اوپر۔ اَلطُّوْرَ ؛ نام کوہِ سینا۔ خُذُوْا ؛ لو، پکڑو۔ مَآ اٰتَيْنٰكُمْ ؛ جو کچھ ہم نے تم کو دیا۔ بِقُوَّةٍ ؛ قوت سے، مضبوطی کے ساتھ۔ وَاسْمَعُوْا ؛ اور سنو۔ قَالُوْا ؛ کہا۔ سَمِعْنَا ۔ ہم نے سن لیا۔ وَعَصَيْنَا ؛ اور ہم نے نافرمانی کی۔ وہ زبان سے تو سَمِعْنَا۔ کہتے تھے اور دل تھا کہ عَصَيْنَا کہتا تھا۔ وہ منہ سے تو سَمِعْنَا کہتے تھے اور عمل سے عَصَيْنَا کہتے تھے۔ وَاُشْرِبُوْا ؛ اور پلا دئے گئے تھے۔ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؛ ان کے دلوں میں۔ اَلْعِجْلَ ؛ گوسالہ کو، گوسالہ کی عظمت و محبت کو۔ بِكُفْرِهِمْ ؛ ان کے کفر کی وجہ سے، حق پوشی اور انکار کی وجہ سے۔ قُلْ ؛ تم کہو۔ بِئْسَمَا کیا بری بات ہے؟ يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ ؛ اس کا تمہیں حکم دیتا ہے۔ اِيْمَانُكُمْ ؛ تمہارا ایمان۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ؛ اگر تم ایمان دار ہو، مومن ہو۔

ترجمہ:- اور (یاد کرو) جب کہ ہم نے تم سے عہد و اقرار لیا اور تمہارے اُوپر کوہ طور کو اٹھایا، (لا کھڑا کیا۔ اور تم سے کہا) لے لو یہ احکام جن کو ہم نے تم کو دیا مضبوطی سے اور سنو! انہوں نے (زبانِ قال سے) کہا، ہم نے سنا اور (زبانِ حال سے) کہا ہم نے نہ مانا اور سرایت کر گیا تھا گوسالہ (کا ادب) ان کے دلوں میں ان کے کفر کی وجہ سے۔ (اے نبی) تم کہہ دو کیا بری بات ہے جو تم کو تمہارا ایمان سکھاتا ہے، (حکم دیتا ہے) اگر تم ہو ایماندار۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ

خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾

قُلْ ؛ تم کہو، تم بولو۔ اِنْ كَانَتْ ؛ اگر تھی، اگر ہے (شرط اول)۔ لَكُمْ ؛ تمہارے لئے۔ اَلدَّارُ ؛ گھر، بڑا گھر جس کے اطراف دیوار ہو۔ دُوْرٌ ، اَدْوَارٌ جمع۔ اَلْاٰخِرَةُ ۔ پچھلی۔ اَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ ؛ آخرت، عالمِ قیامت۔ عِنْدَ اللّٰهِ ۔ اللہ کے نزدیک، اللہ کے پاس۔ خَالِصَةً ۔ خالص، بلا شرکت۔ خلص کذا من کذا۔ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ ؛ لوگوں کو چھوڑ کر، لوگوں کا نہیں، اس میں لوگوں کا کوئی حصہ نہیں یہ سب جملہ شرط ہے۔ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ ؛ تو موت کی تمنا کرو، آرزو کرو۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ؛ اگر ہو تم سچے (شرط ثانی) فَتَمَنَّوْا الْمَوْتَ ؛ شرط اوّل و دوّم دونوں کا جواب ہے۔

ترجمہ:- (اے محمد) تم کہو! اگر زندگیٔ آخرت جو اللہ کے پاس ہے وہ خالص بلا شرکتِ غیرے تمہارے لئے ہے تو ذرا موت کی تمنا تو کرو اگر تم سچے ہو۔

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ ۔ اور ہرگز اس کی تمنا نہ کریں گے، موت کی آرزو نہ کریں گے۔ اَبَدًا ۔ کبھی، ہرگز۔ اَبَدَ ؛ بھاگا۔ اَوَابِدُ ؛ جنگلی وحشی۔ اَبَدٌ ؛ مستقبل جس کی انتہا نہ ملے اور وہ بھاگتا ہی رہے، ہمیشگی۔ بِمَا قَدَّمَتْ ؛ بسبب ان اعمال کے کہ آگے بھیجا ہے۔ اَيْدِيْهِمْ ؛ ان کے ہاتھوں نے، ان کے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے۔ وَاللّٰهُ ؛ اور اللہ۔ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

ترجمہ:- اور وہ لوگ موت کی ہرگز کبھی آرزو نہ کریں گے ان اعمال کی وجہ سے جن کو ان کے ہاتھوں نے پہلے کیا اور اللہ تو ان ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰي حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ

سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ ع

وَلَتَجِدَنَّهُمْ ؛ اور اے محمد! تم ضرور ان کو پاؤ گے۔ اَحْرَصَ النَّاسِ ؛ سب لوگوں سے زیادہ حریص، زیادہ خواہشمند، زیادہ رکھے ہوئے۔ عَلٰي حَيٰوةٍ ؛ زندگی پر، حیات پر، جینے پر۔ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ؛ ان لوگوں سے بھی زیادہ حریص جو شرک کرتے ہیں، مشرکین سے بھی۔ النَّاسِ پر عطف ہے۔ اس صورت میں اَشْرَكُوْا پر وقف کریں۔ يَوَدُّ ؛ چاہتا ہے، آرزو کرتا ہے۔ اَحَدُهُمْ ؛ ان میں کا ایک یا ہر ایک۔ لَوْ ؛ اگر۔ یہاں اِنْ کے معنی میں ہے یعنی اے کاش! يُعَمَّرُ ؛ عمر والا ہوتا۔ اَلْفَ سَنَةٍ ؛ ہزار سال۔ سَنَةٍ ؛ اصل میں سَنْوٌ ؛ ہے کیونکہ اس کی جمع سَنَوَاتٌ ؛ اگر عَلٰي حَيٰوةٍ پر وقف کریں تو ترجمہ اس طرح ہوگا۔ بعض مشرک آرزو کرتے ہیں کہ ہزار سال جئیں۔ وَمَا ۔ اور نہیں۔ هُوَ ؛ وہ درازی عمر کا طالب۔ بِمُزَحْزِحِهٖ ؛ (بآ زور دینے کے لئے ہے) دُور کرنے والا، ہٹانے والا۔ مَا هُوَ کی خبر ہے۔ مِنَ الْعَذَابِ ؛ عذاب سے۔ اَنْ يُّعَمَّرَ ؛ مُعمّر ہونا۔ اَنْ مصدری ہے۔ اَنْ يُّعَمَّرَ ۔ بتاویل التَّعْمِيْر کے فاعلِ مُزَحْزِحِهٖ ۔ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ اور اللہ بینا ہے، جانتا ہے، دیکھتا ہے۔ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ؛ جو کچھ کر رہے ہیں۔

ترجمہ:- (اے پیغمبر) تم ان کو ضرور پاؤ گے سب سے زیادہ حریص دنیا میں جینے پر اور مشرکوں میں سے بھی ہر ایک آرزو کرتا ہے کہ کاش ہزار برس کی عمر ہو اور یہ (ہزار برس کی عمر دیا جانا) بھی عذاب کو دُور

نہیں کرسکتا اور اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں ۔

صاحبو ! بنی اسرائیل کے دل میں گوسالہ بسا تھا ، تمہارے دل میں گوسالہ پرستوں کی محبت بسی ہے ، انسانوں کا خوف ہے ، ہتھیار سے ڈرتے ہو ۔ ہزار برس کی عمر ہوئی بھی تو ایک دن مرنا ہے ، دربارِ الٰہی میں جانا ہے ۔ جو خدا کا عاشق ہے ، دنیا سے بیزار ہے ، مرنے کو تیار ہے ، وہ سمجھتا ہے الموتُ جسر یُوصِل الحبیبَ الی الحبیبِ (موت ایک پُل ہے جو دوست کو دوست سے ملاتا ہے) موت سے ڈرنا اس کی علامت ہے کہ وہاں تمہارے اعمالِ بد کی سزا ہوگی سخت عذاب ہوگا ۔ تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا ؛ آخرت کا سودا کرو ، نیکی کرو اور وہاں بھیجو ۔ پھر جنت ہے ، آرام و راحت ہے ۔ خردمند دل بجاوداں بندد و باین و آں نہ پیوندد ۔ دلش از ہمہ گسستہ و باخدا پیوستہ ۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۹۷

قُلْ ؛ تم کہو ۔ مَنْ كَانَ ؛ جو تھا ، جو ہو ۔ عَدُوًّا ؛ دشمن ۔ لِجِبْرِيْلَ ؛ جبرئیل کا ۔ فَاِنَّهٗ ؛ پھر بے شک وہ (یعنی جبرئیلؑ) نَزَّلَهٗ ؛ اس کو (یعنی قرآن کو) اُتارا ۔ عَلٰى قَلْبِكَ ؛ تمہارے دل پر ۔ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؛ اللہ کے حکم سے ۔ مُصَدِّقًا ؛ بحالالیکہ تصدیق کرتا ہے ۔ لِمَا ؛ ان کتابوں کی جو ۔ بَيْنَ يَدَيْهِ ؛ سامنے ہیں ۔ وَهُدًى ؛ اور ہدایت ہے ۔ وَبُشْرٰى ؛ اور مبارک بادی ہے ، خوشخبری ہے ۔ بُشْرَة ؛ چہرہ کا پوست ۔ بَشَرْ ؛ آدمی ۔ کیونکہ اس کے چہرے پر بال نہیں ہوتے ۔ بُشْرٰى ـــ بَشَارَةٌ ؛ خوشخبری ۔ کیونکہ اس کے اثر سے چہرہ سرخ ہوجاتا ہے اور چمکتا ہے ۔ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ؛ مومنین کے لئے ، ایمانداروں کے لئے ۔ یہود کہتے تھے ، جبرئیل ہمارے دشمن ہیں ، ہم پر اکثر عذاب نازل کیا ہے لہذا اس کتاب کو بھی ہم قبول نہیں کرتے جس کو جبرئیل لائے ہیں ۔ فرماتا ہے یہ سب مہمل اعتراضات ہیں ۔

ترجمہ :- تم کہو ! جو شخص جبرئیل کا دشمن ہے (وہ حقیقۃً خدا کا دشمن ہے) اُنھوں نے تو اس (قرآن) کو تمہارے دل پر اُتارا ہے بحکمِ خدا حالانکہ یہ (قرآن) تمام حاضر الوقت (آسمانی کتابوں) کی تصدیق کرتا ہے اور وہ ہدایت و خوشخبری ہے ایمانداروں کے لئے ۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝۹۸

مَنْ كَانَ ؛ جو ہو ، جو تھا ۔ عَدُوًّا لِّلّٰهِ ؛ خدا کا دشمن ۔ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ ؛ اور اس کے فرشتوں کا ۔ وَرُسُلِهٖ ؛ اور اس کے رسولوں کا ۔ رُسُلٌ جمع رَسُوْلٌ ۔ وَجِبْرِيْلَ ؛ اور (وحی لانے کی وجہ سے) خصوصاً جبرئیل کا ۔ وَمِيْكٰلَ ؛ اور میکائیل کا ۔ یہ تمام

شرط ہے اس کا جواب مقدر یہ ہے فَاِنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ ؛ یعنی حقیقت میں وہ خدا کا دشمن ہے ۔ فَاِنَّ اللّٰهَ ؛ پس بے شک اللہ ۔ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ؛ کافروں کا دشمن ہے ۔

ترجمہ :- جو دشمن ہو اللہ کا اور اس کے ملائکہ کا اور اس کے رسولوں اور جبرئیل و میکائیل کا تو بے شک اللہ بھی ان کافروں کا دشمن ہے ۔

صاحبو ! غور کرو ، وحی لانے والے فرشتہ پر کیا الزام ۔ اس سے دشمنی کی اصل وجہ یہ ہے کہ دل میں کفر بھرا ہے فرشتوں ، رسولوں کی عداوت اور کتابوں کا تسلیم نہ کرنا ، یہ سب کفر ہے ، اللہ سے عداوت ہے ۔ اس کا نتیجہ یہ کہ اللہ بھی ان کافروں کا دشمن ہے ۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ۝

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا ؛ اور بے شک ہم نے اُتارا ہے ۔ اِلَيْكَ ۔ تمہاری طرف ۔ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ؛ واضح نشانیاں ، بین دلائل وَمَا يَكْفُرُ بِهَا ؛ اور ان سے انکار نہیں کرتے ۔ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ؛ مگر فاسق ، بدکار ۔

ترجمہ :- اور بے شک ہم نے تم پر اُتاریں واضح آیات اور دلائل جن سے کوئی انکار نہیں کرسکتا ۔ الا فاسق (دفاجر اور بدکار) کے ۔

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

اَوَكُلَّمَا ؛ کیا اور جس جس دفعہ ، جب کبھی ۔ عٰهَدُوْا عَهْدًا ۔ کوئی عہد کریں گے ۔ نَبَذَهٗ ؛ پھینک دیں گے ، اس کو پھینک دے گا ۔ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؛ ان میں کا ایک فریق ، ایک گروہ ۔ بَلْ اَكْثَرُهُمْ ؛ بلکہ ان میں کے اکثر ، ان میں سے بہت سے ۔ لَا يُؤْمِنُوْنَ ؛ ایمان ہی نہیں رکھتے ۔

ترجمہ :- اور کیا (یہ نہیں ہے) کہ جب کبھی انھوں نے کوئی عہد کیا تو ان میں سے ایک فریق نے پھینک دیا ۔ بلکہ ان میں کے اکثر کو ایمان ہی نہیں ہے ۔

وَلَمَّا جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۘ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

وَلَمَّا ؛ اور جب ۔ جَاۗءَهُمْ ؛ ان کے پاس آیا ۔ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؛ اللہ کے پاس سے رسول ۔ مُصَدِّقٌ لِّمَا

مَعَهُمْ ؛ جو تصدیق کرتا ہے ان (کتابوں اور اصول) کی جو اُن کے پاس ہیں ۔ نَبَذَ ؛ پھینک دیا ۔ فَرِيْقٌ مِنَ الَّذِيْنَ ؛ ایک فریق ، ایک گروہ ان لوگوں کا جو ۔ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ؛ کتاب دیئے گئے ۔ كِتٰبَ اللّٰهِ ؛ اللہ کی کتاب کو ۔ نَبَذَ کا مفعول ہے ۔ وَرَآءَ ؛ پیچھے اور سامنے کے معنٰی میں بھی آتا ہے ۔ اس کے مادے وَزیٰ میں چھپنے کے معنٰی ہیں ۔ ظُهُوْرِهِمْ ؛ ان کی پشت ، پیٹھ ۔ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ ؛ ان کے پسِ پشت ، پسِ پشت ڈال دینے سے مراد اعراض ، بے توجہی ، عدمِ عمل ہے ۔ كَاَنَّهُمْ ؛ گویا کہ وہ ۔ لَا يَعْلَمُوْنَ ؛ جانتے ہی نہیں ، علم ہی نہیں رکھتے ۔

ترجمہ :- اور جب آیا ان کے پاس رسول ، اللہ کے پاس سے جو تصدیق کرتا ہے ان (کتابوں) کی جو اُن کے پاس ہیں تو اہلِ کتاب میں سے ایک فریق نے کتاب اللہ کو اپنے پسِ پشت ایسا ڈال دیا ہے گویا کہ ان کو کچھ علم ہی نہیں ۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا
يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ
وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ
بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ
وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ؕ
وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

وَاتَّبَعُوْا ؛ اور انھوں نے پیروی کی ، پیچھے پڑ گئے ۔ مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ ۔ اس کے جس کو شیاطین صفت ، خبیث لوگ پڑھتے تھے ۔ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ؛ اَیْ زَمَنَ مُلْكِ سُلَيْمَانَ ؛ سلیمان علیہ السلام کے عہدِ سلطنت میں بعض بدمعاش ، خبیث لوگ جادو کیا کرتے تھے ۔ بنی اسرائیل نے کتاب اللہ کو تو چھوڑ دیا اور جادو منتر اُن خبیثوں سے سیکھنے لگے ۔ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ ؛ اور سلیمان نے تو کفر نہیں کیا ۔ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا ؛ مگر شیاطین نے کفر کیا ۔ يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ؛ لوگوں کو جادو اور سحر سکھایا کرتے تھے ۔ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ ؛ اور نیز انہوں نے اتباع کی اس کی جو دو فرشتہ صفت

شخصوں پر اُترا۔ بِبَابِلَ ؛ بابل میں، عراق میں۔ اگر ما نافیہ ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ دو فرشتوں پر خدا کی طرف سے کچھ نہیں اُترا۔ دو بڑے شہر تھے بابل و نینوا۔ ان شہروں کے بادشاہوں میں ایک زبردست بادشاہ بخت نصر بھی تھا جس نے بنی اسرائیل کو شکست دے کر تورات جلادی اور لائق لوگوں کو قید کر کے اپنے شہر میں یا جس میں حضرت دانیال پیغمبر بھی تھے۔ حضرت ابراہیمؑ بھی اسی شہر کے تھے۔ اب اس شہر کی کھدائی ہو رہی ہے اور بڑے بڑے کتبے وغیرہ نکل رہے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بابل بہت بڑا شہر تھا، اس کے باشندے نہایت متمدن تھے۔ هَارُوتَ وَمَارُوتَ۔ ہاروت و ماروت پر۔ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ ؛ اور وہ کسی کو سحر کی تعلیم نہیں دیتے تھے۔ حَتّٰى يَقُوْلَا ؛ یہاں تک کہ وہ کہہ دیتے تھے۔ اِنَّمَا ؛ اس کے سوائے نہیں، صرف یہی۔ نَحْنُ ؛ ہم۔ فِتْنَةٌ ؛ امتحان، آزمایش، سخت پریشانی۔ فَتَنَ الْفِضَّةَ ؛ چاندی کو گلایا۔ فَلَا تَكْفُرْ ؛ پس اے طالب سحر تو کافر نہ بن، سحر ساحری میں پڑ کر کلام اللہ کی ناشکری نہ کر، ناقدری نہ کر۔ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا ؛ پھر ہاروت ماروت سے سیکھتے۔ مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ ایسی چیزیں جس سے تفریق و جدائی پیدا کر دیں۔ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؛ درمیان مرد کے اور اس کے جوڑے کے، خاوند جورو میں، میاں بیوی میں۔ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ ؛ اور وہ اس سحر سے ضرر دینے والے نہیں۔ مِنْ اَحَدٍ ؛ کسی شخص کو، کسی ایک کو اِذْنٌ ؛ اجازت، حکم۔ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؛ مگر بحکمِ خدا۔ وَيَتَعَلَّمُوْنَ ؛ اور تعلیم پاتے تھے، سیکھتے تھے، علم حاصل کرتے تھے۔ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؛ جو اُن کو ضرر دے اور نفع نہ دے۔ وَلَقَدْ عَلِمُوْا ؛ اور ان کو معلوم ہے، اور وہ یہ بھی جانتے تھے۔ لَمَنِ اشْتَرٰهُ ؛ کہ البتہ جو اس کو حاصل کرے، کہ جس نے جادو مول لیا۔ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ ؛ نہیں ہے اس کے واسطے آخرت میں۔ مِنْ خَلَاقٍ ؛ کوئی حصہ۔ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖ ؛ اور البتہ برا ہے وہ فائدہ، وہ بدلہ، جس کو انھوں نے خریدا، جس کے مقابل بیچ دیا۔ اَنْفُسَهُمْ ؛ اپنی جانوں کو۔ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ؛ کاش! ان کو اس کا علم ہوتا، اگر اس بات کو جانتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا۔

ترجمہ:- وہ (یہودی کلام اللہ کو چھوڑ کر) پیچھے پڑ گئے، ان (منتروں) کے جن کو شیاطین پڑھتے تھے زمانہ سلطنتِ سلیمانؑ میں (ان کفریات کو سلیمان کیوں کرنے چلے تھے؟) سلیمان نے کفر نہیں کیا اور لیکن شیاطین نے کفر کیا۔ وہ لوگوں کو سحر کی تعلیم دیتے تھے (نیز جب یہود قید ہو کر بابل پہنچے تو) پیروی کی اس چیز کی جو اُتاری گئی دو فرشتہ (صفت) صاحبوں پر بابل میں یعنی ہاروت و ماروت پر اور وہ سحر کی تعلیم نہیں دیتے تھے جب تک کہ یہ کہہ نہیں لیتے کہ ہم صرف آزمایش کرتے ہیں۔ پس (اے طالبِ سحر) کافر نہ بن۔ یہود اُن سے سیکھتے (تو کیا سیکھتے) جو تفریق کر دے خاوند جورو میں۔ وہ لوگ ضرر بھی نہیں پہنچا سکتے مگر بحکمِ خدا۔ وہ سیکھتے تھے ایسی چیز جو ان کو ضرر تو پہنچائے اور نفع نہ دے۔ اور

بے شک ان کو یہ بھی خوب معلوم تھا کہ جو سحر حاصل کرے اس کو آخرت میں کچھ حصّہ نہیں ۔ اور بے شک یہ نہایت برا ہے ، جس کے بدلے خود کو بیچ دیا (اور غلام بن گئے) کاش اس کا علم ان کو ہوتا ۔

اس مقام پر چند مسائل غور طلب ہیں (۱) کیا سحر کوئی واقعی چیز ہے؟ (۲) اس کی حقیقت کیا ہے؟ (۳) سحر، عمل، معجزہ اور کرامت میں کیا فرق ہے؟ (۴) کن پر سحر نہیں چلتا ؟ (۵) سحر کا کیا حکم ہے (۶) ہاروت و ماروت و زہرہ کا کیا قصّہ ہے؟ (۷) کیا رسول اللہ ﷺ پر سحر ہوا ؟

(۱) تمام مذاہب اور روحانیات والے سحر کی تصدیق کرتے ہیں اور تجربہ اس کی شہادت دیتا ہے ۔ مجھے خود اس کا تجربہ ہے ۔ مگر میں ایسی شہادتیں پیش کروں گا جو سرکاری طور سے بھی مسلم ہیں ۔ ضلع نظام آباد ، اندور ، بودھن کے علاقہ میں بھانامتی کے بڑے بڑے ساحر ہیں ۔ مسٹر ہنکن سابق ناظم کو توالی اضلاع نے بھانامتی کے کھیل کا یقین حاصل کر کے اس کے دفع کرنے کے لئے سرمد علی صاحب امین کو توالی کو نوکری معاف کر کے متعین کیا تھا ۔ اس واقعہ سے سارا حیدر آباد واقف ہے۔ پانڈیچیری میں ایک ساحر ہے جس نے بہت سے اعلیٰ سے اعلیٰ گزمٹیڈ عہدہ داروں پر اپنا عمل کیا ہے ۔ گھر دار بیچ کر اس کے پاس رہ گئے ہیں ۔ جو اس کے پاس نہیں رہ گئے وہ بھی اس کے پاس لاکھوں روپے کی امداد بھیجتے ہیں ۔ بعض سادات کے خاندان کے متعدد افراد اس کے پاس ہیں اور ایک معزز فوجی افسر (میں ان کے صریح نام لکھنے کو جو زندہ ہیں مناسب نہیں سمجھتا) بھی نوکری چھوڑ کر اس کے پاس رہ گئے تھے اور پھر واپس آ گئے ہیں ۔ الحمد للہ ۔

یورپ اور امریکہ میں مسمیریزم اور ہپناٹیزم پر کتابیں لکھی جا رہی ہیں اور ان کے اسکول تک قائم ہو گئے ہیں ۔ بہر حال سحر کا وجود قطعاً ہے ۔ چند ناتجربہ کار مادہ پرست انکار کریں تو اس سے سحر کی تردید و ابطال نہیں ہو سکتا ۔

(۲) سحر کیا ہے؟ اسبابِ خفیہ سے دوسروں پر اثر کرنا ، ان کو اپنا معمول بنا لینا ۔ سحر کس طرح کیا جاتا ہے؟ سحر کے اقسام ہیں (ا) داخلی یا ذاتی خود انسان کی قوتِ ارادی کا اثر (ب) خارجی یا بیرونی قوتوں سے استمداد ۔ اس کی بھی قسمیں ہیں جمادات کے خواصِ غیر طبعی سے کام لینا ۔ ارواحِ نباتات سے ، ارواحِ حیوانات سے ، ارواحِ نجوم سے ، ارواحِ مفارقات خبیثہ سے کام لینا ۔ جنات سے مدد حاصل کرنا ۔

ساحر اپنی قوتِ ارادی کو ایک نقطہ پر لگا دیتے ہیں اور آہستہ آہستہ اس کو ترقی دیتے ہیں ۔ مثلاً پانی کے کٹورے میں ایک گلاب کا پھول ڈالتے ہیں اور اپنی قوتِ ارادی ''ول پاور'' (Will Power) سے پھول کو گردش دینے کی کوشش کرتے ہیں چند روز میں وہ گردش کرنے لگتا ہے ۔ تنویم مقناطیسی یا دوسروں کو بے ہوش کرنے (Hypnotism) کے مختلف قواعد ہیں ۔ ''آدمی بے ہوش ہو جاتا ہے'' اس سے اِدھر اُدھر کے حالات دریافت کرتے ہیں ۔ بعض دفعہ کوئی زبردست روحانی قوت والا اس کو گرفتار کر لیتا ہے تو استاد کا اس کو چھڑا کر لانا دشوار ہوتا ہے ۔

جو لوگ خارجی قوت سے کام لیتے ہیں وہ اپنی معین روح سے مناسبت پیدا کرتے ہیں، غذا میں، مکان میں، ملک میں، رنگ میں، زمانے میں، بو میں۔ اس کی تعریف کی جاتی ہے، اس کو" بھگت (بھینٹ) دی جاتی ہے۔ مناسب کھانے کی چیزیں دی جاتی ہیں، ان کے نام پر جانوروں کا جھٹکا کیا جاتا ہے۔

(۳) سحر و عمل میں کیا فرق ہے؟ عمل میں اسماءِ الٰہیہ کا ورد کیا جاتا ہے، آیاتِ قرآنی کا وظیفہ پڑھا جاتا ہے، فرشتوں سے مناسبت پیدا کی جاتی ہے، خوشبو استعمال کی جاتی ہے۔ ہر وقت با وضو رہنا، روز نہانا، روزہ رکھنا، بات نہ کرنا، اعتکاف بیٹھنا، ضروری سمجھا جاتا ہے۔ عامل اللہ سے دُعا کرتا ہے: سَخِّرْلَنَا فُلَانًا یَا اَللّٰہُ یَاجَبَّارُ ؛ اے اللہ، اے قہار، اے جبار فلاں روح کو میرا مسخر و مطیع کردے۔ ملائک، موکل حاضر ہوتے ہیں اور عامل کی مدد کرتے ہیں۔ خدا کے پاک بندے بھی ریاضت کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر ایسے ہی کام کرتے ہیں ان کا مقصد صرف قربِ الٰہی ہوتا ہے نہ کہ دنیا کے چند خرمہرے، پیسے۔ وہ دوسروں کو اپنا مسخر کرنے کے عوض خود کے، اللہ کے مطیع و فرماں بردار ہونے کے لئے دُعا کرتے رہتے ہیں۔ ساحر ارواحِ خبیثہ کی خوشامد کرتا ہے، ان کی پوجا کرتا ہے، ان کو سجدہ کرتا ہے، ان کے نام پر پیسے دیتا ہے، جانور کا جھٹکا کرتا ہے اگر جانور کو اللہ کے نام پر ذبح کریں تو ان کی معین روح، یا جن کو نہیں پہنچتا۔ بعض شقی تو آدمیوں کو بھی بھینٹ چڑھاتا ہے، غلیظ سے غلیظ کام کرتا ہے، نجس رہتا ہے، ایسے کام کرتا ہے جن کو سن کر بدن پر رونگٹھے کھڑے ہوتے ہیں۔ سحر کی حقیقت میں علما کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سحر سے ایک قسم کا تخیل ہوتا ہے اور حقیقت میں چیز وہی رہتی ہے جیسی پہلے تھی۔ یہ بھی ایک قسم کا سحر ہے۔ بعض کے خیال میں چیز میں بھی تغیر آجاتا ہے۔

سحر اور عمل کا فرق

معجزہ و کرامت خدا کا فعل ہے۔ اس میں بندے کے فعل کو کچھ دخل نہیں۔ پیغمبر کی تائید کے لئے خدائے تعالےٰ معجزہ دکھاتا ہے اور ولی کی عزت کروانے کے لئے کرامت ظاہر کرتا ہے۔ اگر خود خدائے تعالےٰ ولی کو تصرف کرنے کا حکم دیتا ہے تو یہ بھی کرامت میں داخل ہے اگر اپنی خودی سے کوئی تصرف کرے تو یہ ہمت یا عمل ہے، کرامت نہیں ہے۔ جیسے اسبابِ ظاہری کا ایک نظام ہے۔ اسباب باطنی کا بھی ایک نظام ہے۔ سب ہے مگر لَا تَتَحَرَّکُ ذَرَّۃٌ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ ؛ حکمِ خدا کے بغیر پتا تک نہیں ہلتا۔ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

معجزہ اور کرامت میں بندہ کا دخل نہیں

(۴) کن پر سحر اثر نہیں کرتا؟ نبی پر، عاملِ کامل پر، صاحبِ یقین پر۔ ضعیف ایمان والے پر سحر چل جاتا ہے۔ جن کو ارواحِ طیبہ کی امداد ہے ان کا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ ؛ یعنی خدا کے بندوں پر شیطان کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

نبی پر سحر اثر نہیں کرتا

(۵) ہاروت و ماروت دو فرشتہ صفت آدمی تھے۔ زہرہ کا قصہ غلط ہے۔

(۶) حضرت رسول اللہ ﷺ پر کسی سحر کا اثر نہیں ہوسکتا۔ ان کا نام مبارک ہم لکھ کر دیتے ہیں تو سحر و شیطان سب بھاگ جاتے ہیں۔ بعض احادیث میں ہے کہ کسی یہودی نے سحر کیا تھا اور اس سے حضرتؐ کو ایک بھول سی پیدا ہوگئی تھی۔

غالباً ایک مغالطہ ہم زمانی ان لوگوں کو ہوگیا ہے کہ غیرِ علت کو علت سمجھنے لگے کیونکہ اتفاقاً یہودی کے سحر کرنے اور حضرتؐ کے مرض کا زمانہ ایک تھا۔

(۷) سحر کا حکم کیا ہے؟ اس کا حکم عقیدے و اثر کے لحاظ سے دیا جاسکتا ہے۔ سحر میں کلماتِ کفر ہیں تو کفر ہے۔ سحر سے قتل واقع ہوا ہے تو اس کا کرنا گناہ ہوگا۔ سحر کے اثر سے زِنا کیا گیا ہے تو زِنا بالجبر کا جرم ہوگا۔ چونکہ یہ ثابت کرنا کہ سحر کے اثر ہی سے یہ نتیجہ نکلا ہے، مشکل ہے، لہذا قانون میں اس کو تخویفِ مجرمانہ کی سزا دی جاسکتی ہے۔ یا ساحر کو کوئی اور تعزیر دی جاسکتی ہے۔

۱۲ ع ۷ ۱۲

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

وَلَوْ اَنَّهُمْ ؛ اور اگر وہ یہود۔ اٰمَنُوْا ؛ ایمان لاتے۔ وَاتَّقَوْا ؛ اور تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کرتے۔ لَ ؛ البتہ، ضرور۔ مَثُوْبَةٌ ؛ ثواب۔ مِنْ ۔ سے۔ عِنْدَ ؛ پاس، نزدیک۔ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؛ اللہ کے پاس سے، اللہ کے پاس کا۔ خَيْرٌ ؛ بہتر۔ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ؛ کاش ان کو اس کا علم ہوتا، اگر اس بات کو سمجھتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا۔

ترجمہ:- اگر وہ لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ کے پاس کا ثواب بہتر ہوتا کاش وہ اس کو جانتے!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ ؛ اے لوگو جو۔ اٰمَنُوْا ؛ ایمان لائے۔ لَا تَقُوْلُوْا ؛ نہ کہو۔ رَاعِنَا ؛ اس کے کئی معنی ہیں (۱) ہماری رعایت کیجئے، ہم سے مراعات فرمایئے۔ یہ اس وقت کہتے تھے جب مقرر کو دوبارہ کہنے پر توجہ دلائی جاتی ہے۔ (۲) رعونت سے:- بمعنی احمق، خود پسند (۳) کسرہ کو ذرا طویل کرکے۔ رَاعِيْنَا ؛ اے ہمارے چرواہے! بدبخت یہودیوں کی عادت تھی کہ حضرتؐ کے ساتھ کسی طرح سے ہو بدگوئی کریں۔ رَاعِنَا کہتے اور احمق مراد لیتے۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کے ل کو کھا جاتے اور السّامُ علیک کہتے یعنی تم پر ہلاکی ہو۔ بے خبر مسلمان بھی یہودیوں کی سنا سنی رَاعِنَا کہتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو منع فرمایا کہ ایسا محتمل المعانی لفظ نہ کہو۔ وَقُوْلُوْا ؛ اور کہو۔ اُنْظُرْنَا ؛ ہم کو دیکھئے، ہماری طرف توجہ فرمایئے۔ مقولہ ہے۔ وَاسْمَعُوْا ؛ اور سنو یعنی پہلے ہی کان لگا کر سنو کہ دوبارہ سننے کی ضرورت نہ ہو۔ وَلِلْكٰفِرِيْنَ ؛ اور کافروں کے واسطے ہے۔ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ؛ المناک، دردناک عذاب۔

ترجمہ:- اے ایماندارو تم رَاعِنَا نہ کہو۔ اور اُنْظُرْنَا کہو اور (پہلے ہی کان لگا کر) سنو اور (ان بدگو) کافروں کے لئے تو عذابِ الیم ہے۔

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

مَا يَوَدُّ ؛ نہیں چاہتے ۔ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؛ جو منکر ہوئے ، کافر ہوئے ۔ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ ؛ اہل کتاب سے یعنی یہود و نصرانی ۔ بعض اہلِ کتاب بھی اسلام لائے تھے جیسے عبداللہ بن سلام اور ابی بن کعب ۔ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ ؛ اور نہ شرک کرنے والے ، مشرکین یعنی بُت پرست ۔ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ ؛ کہ تم پر اُتارا جائے ، اُترے ۔ يَوَدُّ کا مفعول ہے ۔ مِنْ خَيْرٍ ؛ کسی قسم کی بھلائی ، کوئی اچھی بات ۔ مِنْ رَّبِّكُمْ ؛ تمہارے رب سے ، تمہارے پروردگار کی طرف سے ۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ ؛ اور اللہ خاص کرلیتا ہے ۔ بِرَحْمَتِهٖ ؛ اپنی رحمت سے ۔ مَنْ يَّشَآءُ ؛ جس کو چاہتا ہے ۔ وَاللّٰهُ ؛ اور اللہ ۔ ذُو ؛ صاحب ۔ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ؛ بڑے فضل والا ہے ، صاحبِ فضلِ عظیم ہے ۔

ترجمہ :- نہیں چاہتے اہلِ کتاب میں کے منکر اور نہ مشرکین کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی بھلائی نازل ہو ۔ اور اللہ خاص کرلیتا ہے اپنی رحمت سے جس کو چاہتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے ۔

صاحبو ! اہلِ کتاب و مشرکین دونوں کے میٹھے میٹھے الفاظ پر نہ جاؤ ، ان کے وعدوں پر اعتماد نہ کرو ۔ یہ کبھی نہیں چاہتے کہ تم کو کسی قسم کی بھلائی پہنچے ۔ اللہ کی اطاعت کرو ، آپس میں اتفاق پیدا کرو ، باہم قابلِ اعتماد و اعتبار بنو ، علم و ہنر سیکھو ، خدا کی رحمت کے مستحق بنو ، اللہ بڑے فضل والا ہے ۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

مَا نَنْسَخْ ؛ جو ہم ہٹاتے ، جب ہم دور کرتے ہیں ۔ نَسَخَتِ الرِّيْحُ اٰثَارَ الْقَوْمِ ؛ ہوا نے قوم کے نشانِ قدم کو مٹادیا ۔ اور نَسْخٌ ۔ متغیر ۔ نَسَخَ الْكِتَابَ ؛ نقل کیا ۔ مِنْ اٰيَةٍ ؛ کوئی نشانی ، کلام اللہ ۔ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ؛ تا کہ ہم ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں ۔ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؛ عنقریب ان کو ہم اپنے آثارِ قدرت دکھائیں گے ۔

کیا خدا کا کوئی حکم منسوخ بھی ہوتا ہے ؟ اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے ۔ بعض کہتے ہیں کہ احکامِ الٰہی منسوخ ہوسکتے ہیں اور ہوئے بھی ہیں تورات میں بہت سے احکام منسوخ ہوئے ہیں ۔ عیسائیوں نے ختنہ اور سبت اور دیگر احکامِ موکدۂ تورات کو منسوخ کردیا ۔ ان اعتقادات میں نسخ نہیں ہوا کیونکہ خدائے تعالےٰ اور اس کے صفاتِ کمالیہ ناقابلِ زوال

وتغیر ہیں لہذا عقائد جمیع انبیا کے ایک ہیں ان میں بھی نسخ ،ممکن نہیں ۔ اخبار میں بھی نسخ نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ کذب کے مساوی ہے ۔ وعدہ میں نسخ نہیں ہوسکتا کیونکہ خلافِ وعدہ کام کرنا عیب ہے ، رذیلت ہے ۔ اللہ اس سے پاک ہے ۔ وعید کے معنی ہیں ،تم اس سزا کے مستحق ہو ، گناہ کرنے کے بعد استحقاقِ سزا ثابت ہے ۔ اس کے ساتھ ہی عفو کرنا کرامت ، سخاوت اور علوہمت ہے۔ یہاں بھی نسخ نہیں ۔ اُصولِ شرائع میں بھی نسخ نہیں ۔ جیسے عبادتِ الٰہی شرک وبُت پرستی سے ممانعت ، صلہ رحمی ، عدل وانصاف ، قباحتِ زِنا ،تکبر ،ظلم وغیرہ ۔

اب رہ گئے فروعاتِ شرعیہ مثلاً چور کی سزا ، زِنا کی حد ، طریقہ عبادت ، قبلہ وغیرہ ۔ ان میں نسخ ہوتا ہے ۔ مصالح کے بدلنے سے احکام بدلے ہیں ۔ یہاں تک کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا کا زمانہ آتا ہے ۔ پھر کوئی حکم منسوخ نہیں ہوتا ۔ ابو مسلم بن بحر مطلقاً قرآن میں کوئی منسوخ آیت نہ ہونے کے قائل ہیں مگر دوسرے مفسرین نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا اور اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض کے پاس آیاتِ احکام میں سے آدھے ناسخ ومنسوخ ہیں چنانچہ ابن حزم کا یہی خیال ہے ۔ ابنِ عربی نے اس تعداد کو گھٹایا ، امام جلال الدین سیوطی (۲۱) آیتوں کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں ۔ حضرت شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم دہلوی (۵) آیتوں کے نسخ کے قائل ہیں۔ باقی آیتوں کے ایسے معنی بتلاتے ہیں جن سے نسخ نہیں رہتا ۔ فقیر قرآن میں کوئی آیت کوئی حکم منسوخ نہ ہونے کا قائل ہے ۔ چنانچہ اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ بھی لکھا ہے جسے علمی اکیڈیمی حیدرآباد نے ۱۳۶۱ھ میں شائع کیا ۔ فقیر نے غلط فہمی کے اسباب بیان کرتے ہوئے ان پانچ آیتوں کو بھی نسخ کے جھگڑے سے نکال لیا جن کو شاہ صاحب بھی منسوخ ماننے پر مجبور ہوئے اس طرح ان کے علمی خاندان کے ایک شخص نے ان کے مقصد کو پایہ تکمیل کو پہنچا دیا ۔ مانعینِ نسخ کے دلائل اجمالیہ یہ ہیں ۔

(۱) قدیم زمانہ میں نسخ ہر تغیر کو کہتے تھے ۔ اب اصطلاحاً یہ معنی ہوگئے ہیں ۔ منسوخ ، وہ سابقہ حکم جو حالیہ ناسخ حکم کی وجہ سے ناقابلِ عمل ہوگیا ہو ۔ قرآنِ شریف ایسے احکام سے خالی ہے ۔

(۲) آیتِ ہذا میں آیت بمعنی آثارِ قدرت کے ہے کیونکہ اس کے ساتھ اَوْنُنْسِهَا بھی ہے ۔ قرآن کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذِمہ لی ہے ۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ ؛ قرآنِ شریف متواتر طریقے سے مروی ہے ۔ کوئی لفظ نہ کم ہوا ہے نہ زائد ۔ زیر ، زبر ، پیش ، سکون سب محفوظ ۔ مخارج وصفاتِ حروف سب محفوظ ۔ کوئی آیت بھلائی نہیں گئی ۔ جن خبرِ احاد میں ہے کہ بعض آیتیں بھلا دی گئی ہیں ہرگز درست نہیں ۔ زمانہ نبوت سے اب تک حفاظ چلے آرہے ہیں ۔

(۳) آیتِ ہذا میں لفظِ آیت سے مراد یہودیوں کا تنزل ہے ۔ چنانچہ اس پر سابق ولاحق دلالت کرتا ہے ۔ نیز آیت سے مراد آیتِ تورات وانجیل بھی مراد ہوسکتی ہے ۔

(۴) رسوم وعقائدِ جاہلیت کی اصلاح کرنا نسخ نہیں ہے ۔ معرضِ بحث میں آیتِ قرآنی کی منسوخیت ہے نہ کہ عادتِ جاہلیہ کی اصلاح ۔